فقہی رسائل

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم العالی

جلد سوم

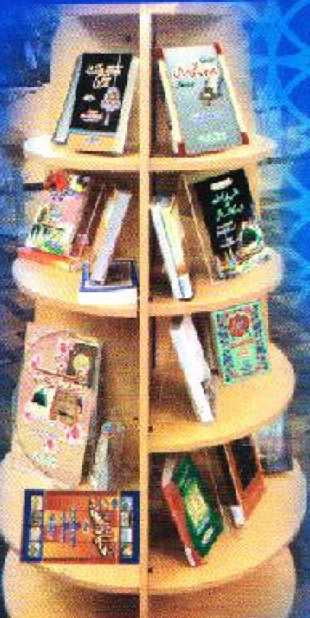

میمن اسلامک پبلشرز

فقہی رسائل

جلد ۳

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ناشر: میمن اسلامک بکس

دکان نمبر ۲۹، نایاب جامع مسجد لیاقت آباد ڈاک خانہ، کراچی ۱۹

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب : فقہی رسائل

مؤلف : حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

تاریخ اشاعت : جولائی ۲۰۱۶ء شوال ۱۴۳۷ھ

باہتمام : ولی اللہ میمن 0321-3897760 / 0333-3036718

ناشر : میمن اسلامک بکس

کمپوزنگ : عبدالماجد پراچہ

ملنے کے پتے

- میمن بک سیلرز، دکان نمبر ۲۹، نایاب جامع مسجد، لیاقت آباد کراچی ۱۹
- دارالاشاعت، اردو بازار کراچی
- ادارۃ المعارف، دارالعلوم کراچی ۱۴
- مکتبہ معارف القرآن، دارالعلوم کراچی
- مکتبہ عمر فاروق، نزد جامعہ فاروقیہ، شاہ فیصل کالونی، کراچی
- غلام رسول صاحب، اسلام کتب مارکیٹ بنوری ٹاؤن کراچی
- بیت الکتب نزد اشرف المدارس گلشن اقبال، کراچی
- مکتبہ رحمانیہ اقراء سینٹر اردو بازار لاہور
- مکتبہ سید احمد شہید، ۱۰۔ الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور
- مکتبہ عائشہ، حق اسٹریٹ اردو بازار لاہور
- ادارۃ النور، بنوری ٹاؤن کراچی
- مکتبۃ الاسلام، الٰہی فلورمل، کورنگی کراچی

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

محمد والہٖ واصحابہ اجمعین۔

اَمَّا بَعْدُ!

''فقہی رسائل'' کی پہلی اور دوسری جلد الحمد للہ تعالیٰ کافی عرصہ سے چھپ کر منظرِ عام پر آچکی ہے، جو ماشاء اللہ مولانا عبداللہ میمن مدظلہ کی کاوش ہے، اور بہت مفید ہے۔ اب موصوف کے چھوٹے بھائی عزیزم ولی اللہ میمن سلّمہٗ نے ''فقہی رسائل'' کی تیسری جلد شائع کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ جس میں بندہ کے دیگر فقہی رسائل جمع کئے ہیں، جو بعد میں شائع ہوئے ہیں اور بعض مسائل بھی جمع کئے ہیں، ان میں بعض بندہ کے لکھے ہوئے فتاویٰ ہیں، بعض دارالافتاء، دارالعلوم کراچی کے دوسرے اہلِ فتویٰ علماء کرام کے فتاویٰ ہیں جن پر بندہ کی تصدیق ہے، بعض مسائل بندہ کے دیگر رسائل سے لئے ہیں، ان سب پر بندہ نے جستہ جستہ نظر ڈال لی ہے، انشاء اللہ تعالیٰ یہ سب نافع اور مفید ہیں، اللہ پاک قبول فرمائیں۔ آمین

ان رسائل اور مسائل میں تصحیح کی کوشش کی گئی ہے، لیکن غلطی کا امکان بہر حال موجود ہے، اگر کہیں کسی صاحب کو کوئی غلطی محسوس ہو تو برائے کرم مطلع فرما دیں، بندہ اس پر غور کرے گا، اگر غلطی درست ہوئی تو آئندہ اشاعت میں انشاء اللہ تعالیٰ اس کی اصلاح کر دی جائے گی۔

اللہ پاک عزیزم ولی اللہ میمن سلمہ کی اس کاوش کو قبول فرمائیں اور پہلی اور دوسری جلد کی طرح اس کو بھی نافع اور مفید بنائیں، آمین

بحرمة سید المرسلین وشفیع المذنبین
محمد وآلہ اصحابہ اجمعین الی یوم الدین

بندہ عبد الرؤف سکھروی
دار العلوم کراچی
۲۷، رجب ۱۴۳۶ھ

اجمالی فہرست

① ماہِ محرم اور عاشورہ کی شرعی حیثیت ۲۳

② ماہِ صفر اور جاہلانہ خیالات ۴۹

③ مسجد کے آداب اور فضائل و مسائل ۶۳

④ نماز کی بعض اہم کوتاہیاں ۸۵

⑤ خواتین کا مسجد کی تراویح میں شرکت کا حکم ۱۱۱

⑥ گانا سننا اور سنانا ۱۳۷

⑦ باریک لباس کا حکم ۱۷۳

⑧ شادی بیاہ اور ہمارے گناہ ۱۸۹

⑨ لڑکی سے نکاح کی اجازت لینے کے مسائل ۲۱۹

⑩ نکاح کا مسنون طریقہ ۲۲۹

⑪ جہیز اور نیوتہ کی حقیقت ۲۶۹

⑫ مختلف فتاوئی ۲۶۹

فہرست مضامین

عنوان | صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر
ماہِ محرم اور عاشورہ کی شرعی حیثیت	۲۳
محرم کا مہینہ محترم مہینہ ہے	۲۵
چار مہینوں کے محترم ہونے کا مطلب	۲۶
جہاں ثواب زیادہ وہاں گناہ بھی زیادہ	۲۷
ہجری سن یاد رکھنا فرضِ کفایہ ہے	۲۸
فرضِ کفایہ کسے کہتے ہیں	۲۸
فرضِ کفایہ کا درجہ	۲۹
اسلامی تاریخ کو رواج دیں	۲۹
محرم الحرام کا مہینہ منحوس نہیں	۳۰
محرم کے معنی حرام کے نہیں ہیں	۳۱
محرم کے مہینے میں مسلمان شادی بیاہ کریں	۳۲
دس محرم کی اہمیت	۳۲
یوم عاشوراء کی فضیلت	۳۳
یوم عاشوراء کے ساتھ مزید ایک روزہ رکھنے کی حکمت	۳۶
غیر مسلموں کی مشابہت سے بچنا ضروری ہے	۳۶
صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان	۳۷

صفحہ نمبر	عنوان

عنوان	صفحہ نمبر
کفار کی مشابہت دشمن سے محبت کی علامت ہے	۳۸
آہ! اپنوں کی بے حسی	۳۸
کفار کا طرزِ زندگی اپنانے والوں کے لئے ایک وعید	۳۹
دس محرم کو اچھا کھانا کھلانا	۴۰
چند اہم ہدایات	۴۰
دس محرم کو حلیم پکانا اور سبیلیں لگانا	۴۱
گناہ کی خاصیت	۴۲
دس محرم میں حلیم کھچڑا پکانے کے مفاسد	۴۲
اس رسمِ بد کو ختم کرنے کا طریقہ	۴۴
گناہ کا دیکھنا بھی گناہ ہے	۴۵
ٹی وی منکرات و فواحش کا مجموعہ ہے	۴۶
غلط عقیدے سے سبیلیں لگانا	۴۶
غلط عقیدہ کی اصلاح	۴۷
مسلمانوں کے لئے راہِ عمل	۴۸
ماہِ صفر اور جاہلانہ خیالات	**۴۹**
صفر کے متعلق اہل عرب کے توہمات	۵۱
صفر کے متعلق دورِ حاضر کے لوگوں کے خیالات	۵۲
تشریح	۵۹

عنوان — صفحہ نمبر

مسجد کے آداب اور فضائل و مسائل ... ۶۳

تمہید ۶۵

ہماری اصل بیماری اور اس کا علاج ۶۶

وضو میں پانی زیادہ بہانا ۶۶

وضو تو ذریعہ مغفرت ہے ۶۷

اس گناہ سے بچنے کا طریقہ ۶۸

مسجد میں دنیاوی باتیں کرنا ۶۹

مسجد میں باتیں کرنے کی ممانعت ۷۱

ہماری مساجد کا حال ۷۱

مسجد میں گناہ کی باتیں کرنا ۷۲

مسجد میں کاروباری باتیں کرنا ۷۳

مسجد میں ضروری بات کرنا ۷۴

اس گناہ کی سنگینی ۷۵

مسجد میں باتیں کرنے پر وعید ۷۵

ایک عبرتناک حدیث ۷۶

چھوٹے بچوں کو مسجد میں لانا ۷۷

ایک اور مسئلہ ۸۰

بعد میں آنے والے پیچھے صف بنائیں ۸۰

عنوان	صفحہ نمبر
بچوں کو مردوں کی صفوں میں کھڑا کرنا	۸۱
مسجد میں آنے والے بچوں کو ڈانٹنا	۸۲
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بچوں کے ساتھ طرزِ عمل	۸۳
بچوں کے ساتھ شفقت کا معاملہ کریں	۸۴
نماز کی بعض اہم کوتاہیاں	**۸۵**
اپنی اصلاح کریں	۸۸
نماز کی اہمیت	۸۸
سب سے پہلے نماز فجر حضرت آدم علیہ السلام نے ادا کی	۸۹
نماز ظہر کی فرضیت	۸۹
نماز عصر کی فرضیت	۹۱
نماز مغرب کی فرضیت	۹۲
نماز عشاء کی فرضیت	۹۳
نمازی آدمی دوسرے فرائض بھی بخوبی انجام دیتا ہے	۹۵
بدترین چور	۹۶
قومہ اور جلسہ کی کوتاہیاں	۹۶
قومہ اور جلسہ میں تین درجات	۹۷
”قومہ اور جلسہ“ کا فرض درجہ	۹۸
نماز میں جلد بازی کا نتیجہ	۹۹

عنوان	صفحہ نمبر

"قومہ اور جلسہ" کا واجب درجہ ۱۰۰
نماز میں ٹھیراؤ اور سکون ضروری ہے ۱۰۰
رکوع، سجدہ، قومہ اور جلسہ کا برابر ہونا ۱۰۱
قومہ اور جلسہ کا مسنون درجہ ۱۰۲
سنت پر عمل کی برکت ۱۰۲
نماز میں جلد بازی کا انجام ۱۰۳
سکون سے نماز ادا کرنے کی تاکید ۱۰۴
رکوع وسجدہ کی تسبیحات کی مقدار ۱۰۵
قومہ کی دعا ۱۰۶
فرشتوں کا جھپٹنا ۱۰۶
دونوں سجدوں کے درمیان کی دعا ۱۰۷
"نمازیں سنت کے مطابق پڑھیں" یہ کتابچہ لے لیں ۱۰۹
خواتین کا طریقہ نماز ۱۰۹

خواتین کا مسجد کی تراویح میں شرکت کا حکم ... ۱۱۱

خواتین کا باجماعت مسجد میں تراویح ادا کرنا ۱۱۳
الجواب حامداً ومصلیاً ۱۱۴
خلاصہ ۱۲۹
کسی کے گھر میں تراویح کے لئے جانا ۱۲۹

عنوان | صفحہ نمبر

تراویح کا مخلوط اجتماع ۱۳۱

تراویح میں عورتوں کی جماعت ۱۳۲

مسجد الحرام اور مسجد نبوی کی جماعت میں خواتین کی شرکت کا حکم ۱۳۳

گانا سننا اور سنانا ۱۳۷

گانا قرآنِ کریم کی رو سے حرام ہے ۱۴۰

فائدہ ۱۴۱

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کا مقصد ۱۴۳

فائدہ ۱۴۴

صورتیں مسخ ہونا ۱۴۵

مسخ ہونے کا مطلب ۱۴۶

بانسری کی آواز سے بچنا ۱۴۷

فائدہ ۱۴۷

بلا ارادہ کانوں میں گانے کی آواز آنا ۱۴۸

آلاتِ موسیقی حرام ہیں ۱۴۸

فائدہ ۱۴۹

گانے والے کی نماز مقبول نہیں ۱۴۹

فائدہ ۱۴۹

گانے سے لطف اندوزی کفر ہے ۱۵۰

عنوان	صفحہ نمبر
فائدہ	۱۵۰
گانے کی اجرت حرام ہے	۱۵۰
فائدہ	۱۵۱
گانے سے نفاق پیدا ہوتا ہے	۱۵۲
فائدہ	۱۵۳
گانے سے غفلت پیدا ہوتی ہے	۱۵۴
کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ	۱۵۴
فائدہ	۱۵۵
دو ملعون آوازیں	۱۵۵
فائدہ	۱۵۵
دو احمقانہ اور فاجرانہ آوازیں	۱۵۶
فائدہ	۱۵۷
گھنٹی اور گھنگرو کے استعمال کی ممانعت	۱۵۷
فائدہ	۱۵۸
گانا سننے والوں کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا	۱۵۹
گانے کو جائز کہنے والوں کے بے وزن دلائل	۱۵۹
عید کے دن گانے کا جواز	۱۵۹
فائدہ	۱۶۰

عنوان	صفحہ نمبر

دف کے ذریعہ نکاح کا اعلان ۱۶۲

فائدہ ۱۶۲

دف کے ذریعہ نکاح کا اعلان ۱۶۳

فائدہ ۱۶۳

روح کی غذا ۱۶۴

قوالی سننا اور سنانا ۱۶۴

سلطان الاولیاءؒ کی قوالی سے توبہ ۱۶۶

جس تقریب میں گانا ہو اس میں شرکت ۱۷۰

گانا نہ سننے کا ثواب ۱۷۱

فائدہ ۱۷۲

بازیک لباس کا حکم ۱۷۳

تمہید ۱۷۶

ایسا باریک لباس پہننا جس میں ستر جھلکے گناہ ہے ۱۷۶

مرد کے ستر کی تفصیل ۱۷۶

مردوں سے ستر چھپانے میں پہلی کوتاہی ۱۷۷

مردوں سے ستر چھپانے میں دوسری کوتاہی ۱۷۸

سمندر اور سوئمنگ پول میں نہاتے وقت بھی ستر چھپانا ضروری ہے ۱۷۹

نیکر کا استعمال کرنا بے شرمی اور بے حیائی ہے ۱۸۰

عنوان	صفحہ نمبر

دنیا کی گرمی سے آخرت کی گرمی زیادہ سخت ہے ۱۸۱
جہنم کی آگ کا منظر ۱۸۱
نامحرم مرد کے اعتبار سے عورت کے ستر کی تفصیل ۱۸۲
عورتوں سے ستر چھپانے میں پہلی کوتاہی ۱۸۲
محرم مرد کے اعتبار سے عورت کے ستر کی تفصیل ۱۸۳
عورتوں سے ستر چھپانے میں دوسری کوتاہی ۱۸۴
عورتوں سے ستر چھپانے میں تیسری کوتاہی ۱۸۵
اہلِ جہنم کی دو جماعتیں ۱۸۵
باریک لباس دیکھ کر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا چہرہ پھیر لینا ۱۸۶
باریک لباس پہننے کا حل ۱۸۷

شادی بیاہ اور ہمارے گناہ ۱۸۹

نکاح کی اہمیت ۱۹۱
اللہ کی نظر رحمت کے مستحق ۱۹۳
نکاح کیلئے بیوی کا انتخاب ۱۹۴
نیک اولاد درجات کی بلندی کا باعث ہے ۱۹۴
ناقص بچہ بھی جنت میں لے جائے گا ۱۹۵
نکاح کے ذریعے نصف دین کی حفاظت ۱۹۶
نکاح شریعت کے مطابق ہو ۱۹۷

صفحہ نمبر	عنوان

پہلا گناہ: تصویر کشی	۱۹۸
جہنم میں سب سے ہلکا عذاب	۱۹۹
تصویروں کی تعداد کے برابر عذاب دینے والے	۲۰۰
تصویر پر ایک اور عذاب	۲۰۰
تصویر پر سنگین عذاب کی وجہ	۲۰۱
ضرورت کے لیے تصویر کھچوانا	۲۰۲
نوٹ اور اشیاء پر تصاویر	۲۰۲
اخبارات، رسائل اور مصنوعات کی تصاویر	۲۰۲
تصویر سے رحمت کے فرشتے نہیں آتے	۲۰۲
دوسرا گناہ: گانا بجانا	۲۰۳
دو آوازوں پر اللہ کی لعنت	۲۰۴
مجھے آلاتِ موسیقی ختم کرنے کیلئے بھیجا گیا ہے	۲۰۴
بلا قصد آواز کا کان میں پڑنا	۲۰۵
گناہ کی تقریب میں شرکت نہ کریں	۲۰۶
گانا سننے پر سخت وعید	۲۰۶
صورت مسخ ہونے کا عذاب	۲۰۶
دوسرا طریقہ شرکت سے معذرت	۲۰۷
تیسرا گناہ: مخلوط اجتماع	۲۰۹

عنوان	صفحہ نمبر
نامحرم سے پردہ کرنا ضروری ہے	۲۰۹
بے پردہ باہر نکلنا	۲۱۰
تقریبات میں ان باتوں کا اہتمام کریں	۲۱۱
ملازم اور نوکر سے بھی پردہ	۲۱۲
تعلیم و تعلم کے وقت پردہ	۲۱۲
بدنگاہی کا گناہ	۲۱۳
سبق آموز حدیث	۲۱۴
اللہ کی اطاعت میں کمی	۲۱۴
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت میں کمی	۲۱۴
شوہر کی اطاعت میں کمی	۲۱۵
عورتوں کا بن سنور کر باہر نکلنا	۲۱۵
عورت کا خوشبو لگانا	۲۱۶
مرد اپنی نظروں کی حفاظت کریں	۲۱۷
محرم کے سامنے بناؤ سنگھار کی اجازت	۲۱۷
لڑکی سے نکاح کی اجازت لینے کے مسائل ...	**۲۱۹**
نکاح کی اجازت پہلے ہی سے لے لینی چاہئے	۲۲۱
نکاح کی اجازت باپ کو لینی چاہئے	۲۲۲
باپ اجازت لینے میں نہ شرمائے	۲۲۲

عنوان	صفحہ نمبر
نکاح کی اجازت لینے کا طریقہ	۲۲۳
باپ کے علاوہ اجازت لینے والا بھی محرم ہو	۲۲۴
اجازت لینے نامحرم مرد نہ جائے	۲۲۴
اجازت تین بار ضروری نہیں	۲۲۴
ولی کے اجازت نہ لینے کا وبال	۲۲۵
نکاح کے وقت اجازت لینے سے بے پردگی کا گناہ	۲۲۶
نامحرم کو وکیل بنانے میں گناہ	۲۲۸
نکاح کا مسنون طریقہ	**۲۲۹**
حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے نکاح کا واقعہ	۲۳۲
حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جہیز	۲۳۴
حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ولیمہ	۲۳۵
مذکورہ واقعہ میں ہمارے لیے ہدایات	۲۳۶
پہلی ہدایت	۲۳۶
دوسری ہدایت	۲۳۷
تیسری ہدایت	۲۳۸
منگنی کی حقیقت	۲۳۸
نکاح کا پیغام کون دے؟	۲۳۹
نکاح میں کن لوگوں کو بلایا جائے؟	۲۳۹

عنوان | صفحہ نمبر

مسجد میں نکاح کرنا مستحب ہے ۲۴۰

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کن لوگوں کو بلایا تھا؟ ۲۴۰

شادی کارڈ کی حقیقت ایک غلط قابل اصلاح رسم ۲۴۰

شادی کارڈ کے بارے میں حضرت محمد ﷺ کا طریقہ ۲۴۱

مقدار مہر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ۲۴۱

مہر فاطمی کی حقیقت اور اس کی اہمیت ۲۴۲

مہر کی ادائیگی کس طرح کریں؟ ۲۴۲

مہر کی کم از کم مقدار اور زیادہ کی حد ۲۴۲

فخر کے طور پر زیادہ مہر مقرر کرنا ایک قابل اصلاح رسم ۲۴۳

مہر نہ دینے پر وعید ۲۴۳

مہر معاف کرانے کے دو موقعے ۲۴۴

مذکورہ معافی معتبر نہیں ۲۴۴

دوسرا موقعہ ۲۴۴

مہر کب معاف ہوتا ہے؟ ۲۴۵

مہر شرع محمدی ۳۲½ روپے کی حقیقت ۲۴۵

چھواروں کی تقسیم ۲۴۶

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ۲۴۷

بیٹی کی شادی کی دعوت سنت سمجھ کر کرنا غلط ہے ۲۴۷

عنوان	صفحہ نمبر

معوذتین کی سنت ۲۴۸

جہیز اور نیوتہ کی حقیقت ۲۴۹

حیثیت کے مطابق جہیز دیں ۲۵۲

جہیز دینے کے لیے زکوٰۃ مانگنا ۲۵۲

ضرورت کی چیز دیں ۲۵۳

جہیز کی لعنت ۲۵۳

جہیز کیلئے سودی قرض لینا ۲۵۴

نمائش نہ کریں ۲۵۵

نیوتہ یا سلامی کی رسم ۲۵۶

پڑھے لکھے جاہل ۲۵۷

سودی معاملہ ۲۵۷

سود کا گناہ ۲۵۹

سود کا کم از کم گناہ ۲۵۹

سود خور کے لیے ایک اور عذاب ۲۶۰

سود کی حرمت قرآن وحدیث سے ۲۶۱

آج کل کی دینداری ۲۶۱

حرام کے ایک لقمہ کا گناہ ۲۶۲

چند سودی معاملات ۲۶۲

عنوان	صفحہ نمبر

اجتماعی گناہ سے بچنے کا طریقہ	۲۶۳
ہماری ذمہ داری	۲۶۳
دارالعلوم کراچی کا مفصل ومدلل فتویٰ	۲۶۴
نمازیں قضاء ہونا	۲۶۴
بلاعذر ایک نماز قضاء کرنے کا گناہ	۲۶۴
لعنت کے دو کام	۲۶۵
بالوں کے بارے میں گنجائش	۲۶۶
حدیث کا مصداق	۲۶۶
عورتوں کا پٹھے بال رکھنا	۲۶۷
دین کا مطالبہ	۲۶۷
مختلف فتاویٰ	**۲۶۹**
بچوں کی پٹائی کا شرعی حکم	۲۷۱
استفتاء	۲۷۱
الجواب حامداً ومصلیاً	۲۷۳
مسجد کے نیچے دکان، اسپتال وغیرہ بنانے کا حکم	۲۷۶
استفتاء	۲۷۶
الجواب	۲۷۶

عنوان	صفحہ نمبر
مرکزی رویت ہلال کمیٹی کے اعلان پر عمل کرنا چاہئے....	۲۸۲
الاستفتاء	۲۸۲
الجواب حامداً ومصلیاً	۲۸۲
ڈیجیٹل تصویریں شرعاً تصویر کے حکم میں ہیں یا نہیں؟...	۲۸۶
استفتاء	۲۸۶
الجواب حامداً ومصلیاً	۲۸۶
''لیز چپس کمپنی'' کے چپس کا حکم	۲۸۹
استفتاء	۲۸۹
الجواب	۲۹۱
مذکورہ تمہیدی باتوں کے بعد اصل سوال کا جواب ملاحظہ ہو........	۲۹۶
خواتین کا تبلیغ کے لئے نکلنا	۳۰۲
استفتاء	۳۰۲
الجواب حامداً ومصلیاً	۳۰۲
فرائض کے بعد کی اجتماعی دعا کا ثبوت اور درجہ	۳۰۵
استفتاء	۳۰۵

عنوان	صفحہ نمبر

الجواب حامداً ومصلیاً ۳۰۶

زکوٰۃ کی تملیک کا بے غبار طریقہ ۳۱۶

استفتاء ۳۱۶

الجواب حامداً ومصلیاً ۳۱۶

مسئلہ خضاب ۳۱۸

مصدقہ: حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب مدظلہم ۳۱۸

استفتاء ۳۱۸

الجواب حامداً ومصلیاً ۳۱۸

خضاب کے مسئلہ کا خلاصہ یہ ہے ۳۱۸

ماہِ محرم اور عاشورہ
کی شرعی حیثیت

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ناشر: میمن اسلامک بکس

دکان نمبر ۲۹، نایاب جامع مسجد لیاقت آباد ڈاکخانہ، کراچی ۱۹

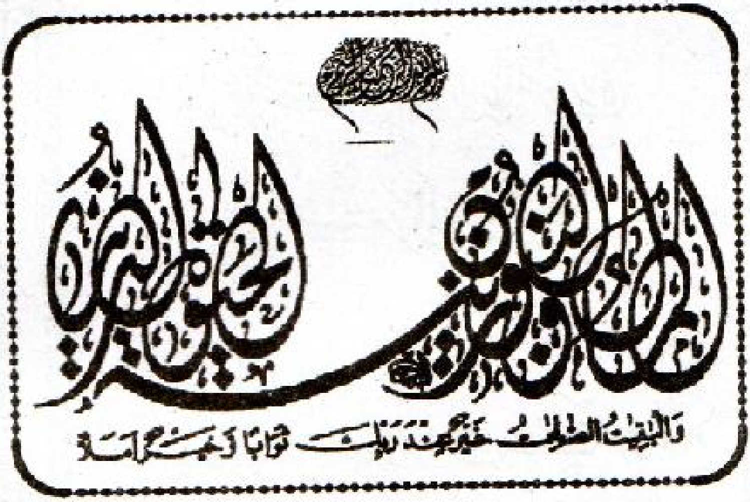
المال والبنون زينة الحياة الدنيا
والباقيات الصالحات خير عند ربك ثوابا وخير املا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہِ محرم اور عاشورہ کی شرعی حیثیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ (سورۃ التوبۃ:۳۶)

محرم کا مہینہ محترم مہینہ ہے

محرم کا مہینہ اسلامی سال کا پہلا مہینہ ہے اور یہ مبارک اور محترم مہینہ ہے اور اس میں دس محرم کا دن بڑا مبارک دن ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بارے میں کچھ باتیں عرض کردی جائیں، تاکہ جو باتیں یا فضیلتیں اس

کے بارے میں ثابت ہیں، ان پر عمل ہو اور جو باتیں لوگوں نے اپنی طرف سے ایجاد کی ہیں اور اپنی طرف سے گھڑ کر انہیں اختیار کیا ہوا ہے، اس سے بچا جائے اور اگر غلطی سے ان پر عمل ہو گیا ہے تو اس پر توبہ کریں اور آئندہ مکمل طور پر ان سے بچیں۔

سال میں بارہ مہینے ہوتے ہیں، ان بارہ مہینوں میں سے چار مہینے **اَشْہُرِ حُرُم** یعنی ''محترم مہینے'' کہلاتے ہیں۔

ان چار مہینوں میں تین مہینے تو مسلسل اور لگاتار ہیں اور وہ یہ ہیں: ① ذوالقعدہ، ② ذوالحجہ، ③ محرم الحرام، ④ رجب المرجب۔

یہ چار مہینے اسلامی مہینوں میں سب سے زیادہ محترم، معظم اور قابل قدر ہیں، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک آسمان سے جتنی بھی شریعتیں نازل ہوئی ہیں، ہر شریعت میں اور ہر نبی کے زمانے میں ان چار مہینوں کو محترم قرار دیا گیا ہے۔

چار مہینوں کے محترم ہونے کا مطلب

ان چار مہینوں کے محترم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان چار مہینوں میں زیادہ سے زیادہ اللہ پاک کی عبادت کی جائے اور زیادہ سے زیادہ نیک کام کئے جائیں اور زیادہ سے زیادہ گناہوں سے بچنے کا اہتمام کیا جائے، یہاں تک کہ پچھلی شریعتوں کے اندر ان چار مہینوں میں لڑنا بھی حرام تھا، جنگ وجدال اور کفار سے جہاد تک ممنوع تھا، سال کے آٹھ مہینوں میں جہاد ہو سکتا تھا لیکن ان چار مہینوں میں کفار سے لڑنا بھی حرام اور ممنوع تھا، اس سے آپ اندازہ کریں

کہ یہ مہینے کس قدر قابلِ قدر اور محترم ہیں۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد آپ کی شریعت میں بھی ان کا احترام باقی رہا، البتہ اس شریعت میں ایک حکم منسوخ ہو گیا ہے، وہ یہ کہ پچھلی شریعتوں کے اندر ان چار مہینوں میں کافروں سے لڑنا حرام تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں حلال ہے، لیکن ان کا محترم ہونا اور قابلِ قدر ہونا اب بھی باقی ہے، اور ان کے قابلِ احترام ہونے میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو آدمی ان چار مہینوں کے اندر نیک کاموں کی طرف خصوصی توجہ دے گا اور عبادت کی طرف خاص دھیان دے گا، اللہ کے ذکر میں لگے گا، گناہوں سے بچنے کا خصوصی اہتمام کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سال کے باقی آٹھ مہینوں میں بھی اس کو زیادہ سے زیادہ نیک کاموں کی توفیق ہوگی اور زیادہ سے زیادہ وہ دین کے قریب ہوگا اور اللہ کی رضا کے کاموں میں مشغول رہے گا۔

جہاں ثواب زیادہ وہاں گناہ بھی زیادہ

یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رہنی چاہئے کہ جس طرح یہ مہینے عبادت کے لئے بطور خاص ہیں، اسی طرح گناہوں سے بچنے کے لئے بھی بطور خاص ہیں، کیونکہ جو زمانہ محترم ہوتا ہے یا جو جگہ محترم ہوتی ہے وہاں جس طرح نیک کام کرنے کا ثواب زیادہ ہوتا ہے، اسی طرح گناہ کرنے کا وبال بھی زیادہ ہوتا ہے، جیسا کہ رمضان المبارک کا مہینہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لئے خاص الخاص مہینہ ہے کہ اس میں نیک کاموں کا اجر بڑھا دیا جاتا ہے، اسی طرح رمضان شریف میں گناہ کرنے کا وبال بھی بہت سخت ہے، نیز جس طرح عام

بازار یا گھر میں گناہ کرنا گناہ ہے لیکن وہی گناہ اگر کوئی مسجد میں آکر کرے تو اور سخت گناہ ہے اور وہی گناہ خانہ کعبہ میں جا کر کرے تو اس سے بھی زیادہ سخت گناہ ہے، لہٰذا جو ان چار مہینوں میں گناہ کرنے سے پرہیز نہیں کرے گا اور خدانخواستہ گناہ کرے گا تو ان محترم مہینوں میں گناہ کرنے کا وبال بھی زیادہ ہوگا جن میں سے ایک محرم الحرام کا مہینہ ہے، اس لئے محرم کے مہینے میں اور باقی تین مہینوں میں بھی گناہوں سے بچنے کا زیادہ اہتمام ہونا چاہئے، جس کے نتیجے میں انشاء اللہ ایسے آدمی کو سال کے باقی آٹھ مہینوں میں بھی گناہوں سے بچنے کی زیادہ توفیق ہوگی۔

ہجری سن یاد رکھنا فرضِ کفایہ ہے

ماہِ محرم سے اسلامی تاریخ شروع ہوتی ہے جس کو سن ہجری کہتے ہیں اور مسلمانوں کے لئے اپنی اسلامی تاریخ یاد رکھنا اور اپنے عمل میں لانا فرضِ کفایہ ہے۔

فرضِ کفایہ کسے کہتے ہیں

فرضِ کفایہ اسے کہتے ہیں کہ اگر کچھ مسلمان اس پر عمل کرلیں اور کچھ عمل نہ کریں تو سب کے سب گناہ سے بچ جائیں گے لیکن جو عمل کرنے والے ہیں وہ عمل نہ کرنے والوں سے بہتر ہیں، جیسے نمازِ جنازہ فرضِ کفایہ ہے کہ اگر کسی مسلمان میت کی نماز جنازہ کوئی شخص بھی نہیں پڑھے گا تو وہاں کے جتنے مسلمان ہیں جہاں کا وہ جنازہ ہے، وہ سارے کے سارے گناہ گار ہوں گے، لیکن اگر وہاں کے رہنے والوں میں سے دو تین یا دس نے بھی نمازِ جنازہ پڑھ لی تو سب مسلمانوں کی طرف سے فرضِ کفایہ ادا ہو جائے گا، لیکن جن دو تین یا دس افراد

نے نمازِ جنازہ پڑھی ہے، ان کا نمازِ جنازہ پڑھنا بہتر ہے بنسبت ان لوگوں کے جنہوں نے نہیں پڑھی۔

بہر حال! جو لوگ اسلامی تاریخ کو یاد رکھتے ہیں، وہ فرضِ کفایہ کو ادا کرنے والے ہیں، ان کو اس کا ثواب ملے گا اور جو عمل کرنے والے نہیں ہیں وہ اس ثواب سے محروم ہونگے، اگر چہ ان کا فرضِ کفایہ ادا ہو جائے گا، حاصل یہ ہے کہ ہر مسلمان کو اسلامی تاریخ یاد رکھنی چاہئے اور اپنے معاملات میں اسے اختیار کرنا چاہئے۔

فرضِ کفایہ کا درجہ

فرضِ کفایہ کا درجہ سنت مؤکدہ اور واجب سے بڑھ کر ہوتا ہے، ذرا سوچیں! ہم لوگ کتنی بڑی کوتاہی میں مبتلا ہیں، فرض کفایہ کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ دوسرے مسلمان ادا کرلیں تو ہم جان بوجھ کر اس پر عمل کرنا چھوڑ دیں، یہ تو اللہ پاک کی رحمت ہے کہ انہوں نے کسی عمل کو فرضِ عین کیا اور کسی کو فرضِ کفایہ کردیا، اگر ہر فرض فرضِ عین ہوتا تو ہر ایک پر عمل کرنا ضروری ہوتا اور جو اس پر عمل نہ کرتا وہ گناہ گار ہوتا، یہ اللہ پاک کی مہربانی ہے کہ انہوں نے چند اعمال ایسے کردیے کہ بعض آدمی عمل کرلیں تو باقی لوگ گناہ گار نہیں ہوتے، یہ سب اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ عمل بالکل ہی چھوڑ دیں جیسا کہ چھوڑا ہوا ہے، اس وقت مسلمانوں کی اکثریت کا یہ حال ہے کہ اسلامی تاریخ لکھنا ان کے عمل میں نہیں ہے۔

اسلامی تاریخ کو رواج دیں

ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ جتنے بھی مسلمان ہیں وہ سب اپنے خطوط، اپنے

کاغذات اور اپنے حساب و کتاب میں اسلامی تاریخ کو فوقیت دیتے، ضمناً انگریزی تاریخ لکھنے میں بھی کوئی حرج نہیں، انگریزی تاریخ کو اگر نیچے اور اسلامی تاریخ کو تاج کی جگہ رکھیں اور اس کو سر کا تاج بنائیں تو کوئی حرج نہیں، اس طرح اسلامی تاریخ کو عمل میں لانا جو فرضِ کفایہ ہے، خوش اسلوبی کے ساتھ اس پر عمل ہوتا رہے گا، اور اس پر عمل کرنے اور اس کو زندہ رکھنے کا ثواب بھی ملے گا، اور دنیا کے حساب و کتاب اور لین دین میں اگر انگریزی تاریخ نیچے اور تابع رہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ سعودی عرب میں الحمدللہ یہی بات دیکھنے میں آئی ہے کہ وہاں سرکاری سطح پر بھی پہلے اسلامی تاریخ لکھی جاتی ہے پھر نیچے انگریزی تاریخ درج ہوتی ہے، یہاں بھی ایسا ہوسکتا ہے، جب ہوسکتا ہے تو اس پر عمل کرنا چاہئے، اور آج ہی ہم یہ پختہ عزم کرلیں کہ کل سے ہم بھی اسلامی تاریخ کو اختیار کریں گے، تاکہ یہ فرض کفایہ ہم سے زندہ ہو اور ہم اس فرضِ کفایہ کو عمل میں لاکر اسلامی تاریخ کو زندہ کریں اور فرضِ کفایہ پر عمل کریں اور اس کے اجر و ثواب کے مستحق بنیں۔

محرم الحرام کا مہینہ منحوس نہیں

محرم الحرام کا مہینہ محترم مہینہ ہے اور آج سے نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے نہیں بلکہ جب سے اللہ پاک نے اس دنیا میں اپنی شریعتیں نازل فرمائی ہیں اور پیغمبروں کا سلسلہ جاری فرمایا ہے، اس وقت سے محرم الحرام کا مہینہ قابلِ احترام اور قابلِ عزت مہینہ ہے، اب ہمارے زمانے میں ”اللہ بچائے“ شیعوں کے اثر کی وجہ سے اس کو منحوس سمجھا جانے لگا ہے، شیعوں کی نقل کرتے ہوئے بعض مسلمان بھی ”اللہ بچائے“ اس ماہ کو منحوس سمجھتے ہیں، ایسے ہی

ذوالقعدہ کے مہینے کو منحوس سمجھتے ہیں، جس کی علامت یہ ہے کہ شوال کے مہینے میں شادی بیاہ کریں گے اور جب ذوالقعدہ کا مہینہ شروع ہوگا تو شادیاں کرنا بند کردیں گے، لوگوں نے ذوالقعدہ کا نام ''خالی کا مہینہ'' رکھا ہے، یعنی معاذ اللہ یہ خیر سے خالی ہے، غور فرمائیں! اللہ پاک تو اس کو خیر کا مہینہ کہیں اور ہم نے اس کو خیر سے خالی کا مہینہ سمجھا ہوا ہے اور کہتے ہیں ارے بھئی! خالی کا مہینہ آگیا ہے، اب شادی بیاہ ختم، اب نہ منگنی ہوگی نہ شادی ہوگی، کچھ بھی نہیں ہوگا، چنانچہ اس مہینے میں اکثر شادی ہال خالی ہو جاتے ہیں اور جیسے ہی بقرعید (عید الاضحیٰ) کا مہینہ شروع ہوتا ہے تو پھر سے شادیاں شروع ہو جاتی ہیں، پھر جب محرم کا مہینہ شروع ہوتا ہے تو پھر وہی حرام، حرام کی رٹ شروع ہوتی ہے اور کوئی شادی اس مہینہ میں نہیں ہوتی، اس لئے کہ شیعہ کہتے ہیں کہ محرم کا مہینہ غم کا مہینہ ہے۔

محرم کے معنی حرام کے نہیں ہیں

بعض لوگوں نے اپنی نادانی کی وجہ سے محرم کے معنی حرام سمجھ لیا ہے، حالانکہ محرم کے معنی یہاں حرام نہیں، بلکہ محرم کے معنی محترم کے ہیں، یہ حرام ہونے کا مفہوم اس کے ساتھ اپنی طرف سے چپکا لیا ہے اور اصل وجہ یہی ہے کہ چونکہ شیعہ اس مہینے کو منحوس سمجھتے ہیں، سنیوں نے ان کے ساتھ رہ رہ کر ان سے یہ اثر لے لیا کہ جیسے شیعہ اس مہینہ میں شادیاں نہیں کرتے بلکہ دس محرم کے دن تو وہ شادی کرنے کو حرام سمجھتے ہوں گے، یکم سے لے کر دس محرم تک کوئی شادی بیاہ نہیں ہوتا، کیونکہ وہ بزعم خود یہ سمجھتے ہیں کہ یہ غم کا مہینہ ہے، چنانچہ اس مہینے میں سینہ پیٹتے ہیں اور مصنوعی رونا روتے ہیں، اس لئے ان کے یہاں ان سب دنوں میں شادی بیاہ کا کوئی تصور نہیں ہوسکتا، ان کی نقل کرتے ہوئے بعض

سنیوں نے بھی یہ عمل اختیار کرلیا کہ محرم کا مہینہ آتے ہی شادی بیاہ کرنا چھوڑ دیتے ہیں، اس طرح سنیوں نے بھی اس مہینے کو اپنے عمل سے منحوس سمجھ لیا، حالانکہ یہ بڑی سنگین غلطی ہے، یعنی وہ مہینہ جو شروع سے محترم چلا آرہا ہے اور اسلام میں بھی وہ محترم ہے مگر کچھ مسلمانوں نے اپنی لاعلمی، نادانی اور جہالت کی وجہ سے اس کو منحوس سمجھ رکھا ہے۔

محرم کے مہینے میں مسلمان شادی بیاہ کریں

لہٰذا اب اس کا علاج یہ ہے کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ محرم کے مہینہ میں بھی شادی بیاہ کیا کریں، خوشی کی تقریبات منعقد کیا کریں، اپنے بچوں کا عقیقہ بے دھڑک کیا کریں، خصوصاً یکم محرم سے لے کر دس محرم تک خوشی اور شادی بیاہ کی تقریبات کرلیا کریں، تاکہ ذہنوں میں جو غلط تصور بیٹھ گیا ہے وہ ذہن سے نکلے اور اس کا محترم ہونا، قابل قدر ہونا، باعزت ہونا، شادی بیاہ کے سو فیصد قابل اور لائق ہونا ذہنوں کے اندر بیٹھ جائے، اگر کسی کے ذہن میں خدانخواستہ شیعوں والا تصور ہے تو اس سے فوراً توبہ کرلینی چاہئے۔

دس محرم کی اہمیت

ایک بات یہ ہے کہ ماہِ محرم میں دس تاریخ جس کو عاشوراء کا دن کہتے ہیں، یہ بھی خاص دن ہے، بلکہ یوں سمجھیں کہ یہ اس پورے مہینہ کا دل ہے، پچھلی شریعتوں میں تو دس محرم کا روزہ فرض تھا اور اسلام کے شروع میں بھی جب تک رمضان شریف کے روزے فرض نہیں ہوئے تھے، دس محرم کا روزہ فرض تھا، جب اللہ پاک کی طرف سے رمضان شریف کے روزے مسلمانوں پر

فرض ہو گئے تو محرم کے روزے کا فرض ہونا منسوخ ہو گیا، البتہ اس کا مستحب اور پسندیدہ ہونا اور سنت ہونا اب بھی باقی ہے، چنانچہ حدیث شریف میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں۔

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَأْمُرُنَا بِصِيَامِ يَوْمِ عَاشُوْرَاءَ وَيَحُثُّنَا عَلَيْهِ وَيَتَعَاهَدُنَا عِنْدَهُ فَلَمَّا فُرِضَ رَمَضَانُ لَمْ يَأْمُرْنَا وَلَمْ يَنْهَنَا وَلَمْ يَتَعَاهَدْنَا عِنْدَهُ

(رواہ مسلم، بحوالہ مشکوٰۃ: ص ۱۸۰)

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں دس محرم کا روزہ رکھنے کا حکم فرماتے تھے اور اس پر ہمیں ابھارا کرتے اور اس کی ہمیں بہت تاکید کرتے، پس جب رمضان المبارک کا روزہ فرض ہو گیا تو آپ ہمیں نہ حکم فرماتے اور نہ اس سے منع فرماتے اور نہ اس کی زیادہ تاکید فرماتے۔

یوم عاشوراء کی فضیلت

یوم عاشورہ کی صرف دو فضیلتیں احادیثِ طیبہ سے ثابت ہیں۔

(۱) جس میں ایک فضیلت تو اس دن کا روزہ رکھنا ہے جو متعدد احادیث سے ثابت ہے چنانچہ ایک حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ:

جو شخص عاشوراء کے دن روزہ رکھے گا، مجھے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے گزشتہ ایک سال کے گناہ معاف فرما دیں گے۔ (رواہ مسلم، بحوالہ مشکوٰۃ، ج ۱، ص ۱۷۹)

ایک اور حدیث ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَمَّا قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ فَوَجَدَ الْيَهُوْدَ صِيَامًا يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَاهٰذَا الْيَوْمُ الَّذِيْ تَصُوْمُوْنَهٗ؟ فَقَالُوْا: هٰذَا يَوْمٌ عَظِيْمٌ اَنْجَى اللّٰهُ فِيْهِ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ وَغَرَّقَ فِرْعَوْنَ وَقَوْمَهٗ فَصَامَهٗ مُوْسٰى شُكْرًا فَنَحْنُ نَصُوْمُهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: فَنَحْنُ اَحَقُّ اَوْلٰى بِمُوْسٰى مِنْكُمْ فَصَامَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاَمَرَ بِصِيَامِهٖ۔ متفق علیہ۔ (مشکوٰۃ ۱۸۰)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے یہودیوں کو دس محرم کا روزہ رکھتے ہوئے پایا، آپ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تم لوگ اس دن روزہ کیوں رکھتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ وہ عظیم دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ (علیہ السلام) اور اس کی قوم (بنی اسرائیل) کو نجات عطا فرمائی اور فرعون اور اس کی قوم کو غرق آب کیا، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اس کے شکرانے کے طور پر روزہ رکھا تو ہم (بھی آپ کی اتباع میں) اس (دن) کا روزہ رکھتے ہیں، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہم موسیٰ (علیہ السلام) کے تم سے زیادہ قریب اور حقدار ہیں، لہٰذا آپ ﷺ نے (خود بھی) روزہ رکھا اور (اپنے صحابہؓ کو بھی) اس (دن) روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی ایک دوسری روایت بھی مروی ہے، فرمایا:

حِیْنَ صَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ عَاشُوْرَاءَ وَاَمَرَ بِصِیَامِہٖ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّہٗ یَوْمٌ یُعَظِّمُہُ الْیَھُوْدُ وَالنَّصَارٰی فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: لَئِنْ بَقِیْتُ اِلٰی قَابِلٍ لَاَصُوْمَنَّ التَّاسِعَ۔

(رواہ مسلم، مشکوٰۃ: ص ۱۷۸)

ترجمہ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس محرم کا روزہ رکھا تو صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہود و نصاریٰ اس دن کی بڑی تعظیم کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر میں آئندہ سال تک زندہ رہا تو (دسویں کے ساتھ) ۹ محرم کا روزہ بھی رکھوں گا۔

بہرحال! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ سال دسویں تاریخ کے ساتھ ایک روزہ نویں یا بعض روایات کے مطابق گیارہویں تاریخ کا روزہ رکھنے کا ارادہ فرمایا، لیکن آئندہ سال ماہِ محرم سے پہلے پہلے (ماہِ ربیع الاوّل میں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا اور آپ دنیا سے تشریف لے گئے، اور مزید ایک دن کا روزہ آپ نہیں رکھ سکے، لیکن آپ یہ فرما گئے کہ میں اگر زندہ رہا تو ایک دن کا مزید روزہ رکھوں گا، اس لئے علماء کرام رحمہم اللہ نے فرمایا ہے کہ بہتر یہی ہے کہ جو شخص بھی دس محرم کو روزہ رکھے تو اس کے ساتھ ایک روزہ اور بھی رکھے، چاہے نو اور دس کا رکھے، چاہے دس اور گیارہ کا روزہ رکھے۔ ایک دن کا روزہ مزید ملا لینا بہتر اور افضل ہے، خالی ایک دن یعنی ۱۰ محرم کا روزہ رکھنا مکروہ

تنزیہی اور خلافِ اولیٰ ہے، تاہم اگر کسی میں ایک ہی دن کی ہمت ہو تو وہ ایک ہی روزہ رکھ لے، تاکہ بالکل محرومی سے بچ جائے، ثوابِ عظیم سے وہ محروم نہ ہو لیکن جس میں ہمت اور طاقت ہو تو اس کے لئے بہتر ہے کہ وہ دس تاریخ کے ساتھ آگے پیچھے کا کوئی ایک روزہ ضرور رکھے۔

یوم عاشوراء کے ساتھ مزید ایک روزہ رکھنے کی حکمت

اس کی حکمت علماء کرام نے جو ارشاد فرمائی ہے وہ بہت اہم ہے، توجہ سے پڑھئے! اور وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت کے اندر بھی غیر مسلموں کی مشابہت گوارا نہیں کی، کیونکہ یہودی دس تاریخ کا روزہ رکھتے تھے اور ایک ہی دن کا روزہ رکھتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پسند نہیں فرمایا کہ مسلمان بھی اس دن کا ایک ہی روزہ رکھیں، اس لئے کہ اگر مسلمان بھی ایک ہی دن کا روزہ رکھیں گے تو وہ ایک دن کا روزہ رکھنے میں یہودیوں کے مشابہ ہوں گے۔ سوچنے کی بات ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عبادت میں اور ایک نیک کام میں بھی غیر مسلموں کی مشابہت گوارا نہیں فرمائی، اس لئے فرمایا کہ آئندہ سال میں اس کے ساتھ ایک روزہ اور رکھوں گا، ہمارے دو روزے ہونگے، اور ان کا ایک روزہ ہوگا، ہم روزہ رکھنے میں ان سے جدا ہو گئے، وہ ہم سے الگ اور ہم ان سے الگ ہو گئے، اس لئے افضل یہی ہے کہ دو روزے رکھیں۔

غیر مسلموں کی مشابہت سے بچنا ضروری ہے

اس سے ہم یہ مسئلہ ذہن میں رکھیں کہ غیر مسلموں کے ساتھ کسی گناہ کے اندر مشابہت اختیار کرنا کتنی سنگین بات ہے، ہم ایسے نالائق ہیں کہ ہم

غیر مسلموں کے ساتھ گناہوں کے اندر بھی مشابہت اختیار کرتے ہیں، جیسے انگریزی بال رکھنا، خدانخواستہ داڑھی منڈوانا، شلوار ٹخنے سے نیچے رکھنا، کوٹ پتلون پہننا، ٹائی لگانا، یہ ساری باتیں غیر مسلموں کی مشابہت کی ہیں، گو ان میں درجے کا فرق ہے لیکن یہ ساری باتیں غیر مسلموں کی مشابہت والی ہیں، ان کو گناہ بھی سمجھنا چاہئے اور گناہ سمجھنے کے ساتھ ساتھ بچنے کا بھی اہتمام کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمارے دل میں ایسا ایمان بھر دے کہ جس میں کافروں کی نفرت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہو، یہ ہمارے دین میں مطلوب ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان اللہ پاک جل جلالہ نے یہ ارشاد فرمائی ہے:

أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ

(سورۃ الفتح، آیت ۲۹)

آپس میں وہ نہایت شفیق و مہربان ہیں اور کافروں کے مقابلہ میں نہایت سخت ہیں۔

یعنی کافروں کے مقابلہ میں ننگی تلوار ہیں، ننگی تلوار بننا دل میں سخت نفرت کا تقاضہ کرتا ہے کہ کافروں کے اعمال، ان کے کردار، ان کے طور طریقوں سے مؤمن کے دل میں سخت نفرت ہونی چاہئے، اللہ پاک اس کو اپنی رحمت سے ہمارے دلوں میں بھی پیدا فرمادیں۔ آمین

فی الحال یہ مطلوبہ نفرت ہمارے دل میں نہیں ہے۔ اگر یہ نفرت ہمارے دل میں ہوتی تو ہمارے وجود میں ان کی کوئی مشابہت نہ ہوتی۔

کفار کی مشابہت دشمن سے محبت کی علامت ہے

عام طور پر جس کے دل میں کسی کی محبت ہوتی ہے تو وہ اس کی مشابہت اختیار کرتا ہے اور جس سے نفرت ہوتی ہے کبھی اس کی مشابہت اختیار نہیں کرتا، آپ نے کبھی اپنے دشمن کی کسی بات پر عمل کیا ہے؟ یا اپنے دشمن کی کوئی بات سننا آپ گوارا کر سکتے ہیں؟ نہیں کر سکتے، نہ کیا ہوگا، وہ دشمن دشمن ہی نہیں جس پر آدمی دل وجان سے فدا ہو، ایسا شخص کبھی دشمن نہیں ہو سکتا۔

آہ! اپنوں کی بے حسی

اس وقت ہم ذرا غور کریں کہ دنیا کے یہ سارے کافر خصوصاً انگریز، عیسائی اور ہندو، مسلمانوں کو کچا چبا رہے ہیں، بمباری کر رہے ہیں، برباد کر رہے ہیں، ان کے ممالک کو لوٹنے کی کوشش کر رہے ہیں، دہشت گردی کی انتہا کئے ہوئے ہیں، اور ہماری بے غیرتی کا یہ عالم ہے کہ اب بھی ہم ان کی شکل وصورت بنانا گوارا کر رہے ہیں، ان کے نقشِ قدم پر چلنے کو اپنی سعادت سمجھ رہے ہیں، عزت سمجھ رہے ہیں، اندازہ کریں! کس قدر ہماری پستی کا عالم ہے، کس قدر ہماری دین سے دوری کا عالم ہے؟ کہ دشمن ہماری کمر میں چھرا گھونپ رہا ہے اور ہم اسی کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کر رہے ہیں، اور کہہ رہے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، ہم تمہارے ساتھ ہیں، اکثر مسلمان حکومتوں کا بھی آج یہی حال ہے، عوام کا بھی یہی حال ہے، الا ماشاء اللہ!۔

ارے بھئی! ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم تو ان کے ساتھ ایک روزہ رکھنے میں موافق نہیں فرما رہے ہیں اور ہم دشمن کا لباس پہننے کو بھی اپنے لئے باعث

عزت سمجھ رہے ہیں۔

کفار کا طرزِ زندگی اپنانے والوں کے لئے ایک وعید

مشابہت سے متعلق ایک ہولناک وعید ہے جو ہماری سمجھ میں آجائے تو ہم ایک منٹ بھی کافروں کی مشابہت برداشت نہ کریں، اور وہ وعید یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ

(سنن ابی داؤد: رقم الحدیث ۴۰۳۱، ص ۴۴ ج ۴)

ترجمہ: جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے گا وہ انہی میں سے ہوگا، یعنی انہی میں سے اس کا شمار ہوگا۔ لہٰذا کافروں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے سے کافروں میں شمار ہوگا۔

کافروں میں اس کا شمار ہونے کے دو مطلب علماء کرام نے بیان فرمائے ہیں:

① ایک مطلب یہ ہے کہ اگر اس نے انہی کی مشابہت کو پسند کرلیا اور مسلمانوں کی مشابہت کو ناپسند کیا تو اس کا ایمان ہی جاتا رہے گا، اور جب ایمان جاتا رہا تو حقیقتاً اس کا شمار کفار میں ہوگا۔

② دوسرا مطلب یہ ہے کہ آدمی دل سے تو غیر مسلموں سے نفرت کرے اور ان کے لباس و پوشاک سے بھی نفرت کرے لیکن حالات کی وجہ سے یا ان کے ساتھ رہنے سہنے کی وجہ سے ان کا طرزِ زندگی اختیار کرے، تو یہ شخص اگرچہ کافر تو نہیں ہوگا لیکن ہوسکتا ہے کہ قیامت کے دن انہی کی صف میں کھڑا کردیا جائے، جب اس کا حساب و کتاب ہوگا تو وہ اپنی اس ظاہری مشابہت کی وجہ سے سزا بھگتے گا پھر اس کے

ساتھ مغفرت اور بخشش کا معاملہ ہوگا، لیکن شروع میں وہ انہی کے ساتھ کھڑا ہوگا، یہ کوئی معمولی بات نہیں، بڑی ذلت و رسوائی کی بات ہے۔ لہٰذا ہم اس صورتحال کا جائزہ لیں اور سر سے پیر تک دیکھیں کہ ہم کس کس طرح غیر مسلموں کی مشابہت اختیار کئے ہوئے ہیں؟ اگر ایسی کوئی حالت ہے تو پھر اپنے آپ کو تبع سنت بنانے کی پوری کوشش کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لباس و پوشاک، وضع و قطع کے جو جو طریقے بتائے ہیں ان کو اختیار کریں، اور غیر مسلموں کی جتنی باتیں ہیں ان کو ترک کردیں، اور شیعوں کی طرح محرم الحرام کے مہینے کو منحوس سمجھنا ختم کریں۔

دس محرم کو اچھا کھانا کھلانا

۲ یوم عاشورہ کی دوسری فضیلت یہ ہے جو ایک ضعیف حدیث سے ثابت ہے کہ جو آدمی اپنے گھر والوں کو عام طور پر جس طرح کا کھانا کھلاتا ہے، یوم عاشورہ کے دن وہ اس سے بہتر کھانا پکا کر کھلائے تو سال بھر اس کے گھر میں اور اس کی روزی میں خیر و برکت ہوگی۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ ہم نے اس کا بارہا تجربہ کیا ہے، ہمیشہ اس کو درست پایا یعنی یوم عاشوراء میں انہوں نے اچھا کھانا اپنے گھر والوں کو کھلایا تو گھر میں سارا سال برکت اور فراوانی رہی۔

چند اہم ہدایات

بہرحال! یہ بھی ایک فضیلت کی چیز ہے، یہ بھی حدیث سے ثابت ہے

البتہ اس میں چند باتیں سمجھنے کی ہیں۔

① پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ آدمی کے پاس خواہ پیسے ہوں یا نہ ہوں وہ اپنے گھر والوں کے لئے اچھے کھانے ضرور پکائے، یہ ایک فضیلت ہے، کوئی آدمی اس پر عمل کرلے تو موجب فضیلت ہے، عمل نہ کرے تو کوئی گناہ نہیں۔

② دوسری بات یہ ہے کہ اس دن کے لئے کوئی خاص کھانا مخصوص نہیں، ہر آدمی اپنی طبیعت اور حیثیت کے موافق بہتر سے بہتر کوئی کھانا اپنے گھر والوں کے لئے بنوا سکتا ہے، لہٰذا جب شریعت کی طرف سے کوئی کھانا مخصوص نہیں تو ہمیں بھی مخصوص کرنے کا کوئی اختیار نہیں۔

دس محرم کو حلیم پکانا اور سبیلیں لگانا

یہاں پر بعض لوگوں سے غلطی ہوجاتی ہے، بعض لوگ اپنی طرف سے خاص خاص دنوں میں کھانے بھی خاص خاص بنوانے کی پابندی کرتے ہیں، یاد رکھیں! یہ پابندی ثابت نہیں۔

چنانچہ بعض لوگوں نے محرم میں حلیم کھچڑا، رجب میں کونڈے، شعبان میں حلوہ اور ربیع الاوّل میں بریانی خاص کی ہوئی ہے، یہ چار کھانے ہم نے مخصوص کر رکھے ہیں، لہٰذا جب رجب کا مہینہ آتا ہے تو کونڈے ہی کونڈے ہوتے ہیں، اور کونڈے کرتے کرتے آدمی کا اپنا کونڈا ہوجاتا ہے، مگر کونڈے ضرور کرتے ہیں، اور جب پندرہ شعبان کی رات آتی ہے تو ہر جگہ حلوہ ہی حلوہ چڑھا ہوتا ہے، کہیں بیسن کا حلوہ، کہیں چنے کی دال کا حلوہ، کہیں سوجی کا حلوہ، تو یہ سب کھانے اپنی طرف سے خاص کر رکھے ہیں جو قرآن وحدیث اور شریعت

سے ثابت نہیں ہیں، اور جو چیز شریعت سے ثابت نہ ہو اس کو ترک کرنا چاہئے اور اس سے بچنا چاہئے، اس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے گھر میں اہتمام نہ کریں اور کسی دوسرے کے ہاں شرکت بھی نہ کریں، اور اگر کہیں سے آجائے تو قبول بھی نہ کریں، زبردستی اگر کوئی دے جائے تو کسی غریب کو دیدیں، نہ خود استعمال کریں اور نہ اپنے بچوں کو استعمال کرنے دیں اور یاد رکھیں! وہ کھانا اپنی ذات کے اعتبار سے حرام نہیں ہے اگر وہ حلال پیسے سے ہے، لیکن جب ان خاص دنوں میں شریعت کی طرف سے مقرر نہیں ہے تو ہم مقرر کرنے والے کون ہوتے ہیں، ہم تو شریعت پر عمل کرنے کے پابند ہیں، شریعت میں کسی قسم کا اضافہ نہیں کر سکتے۔

گناہ کی خاصیت

بہرحال! ان کھانوں کو لازم کرنے کی وجہ سے ہم گنہگار ہو رہے ہیں، اور گناہ کی خاصیت یہ ہے کہ جب آدمی ایک گناہ کرتا ہے تو دس گناہ اس کے ساتھ اور چپک جاتے ہیں، جس طرح نیکی نیکیوں کو کھینچتی ہے اسی طرح گناہ گناہوں کو کھینچتے ہیں، یہ تجربہ کی بات ہے کہ جب آدمی گناہ کرتا ہے تو بعض مرتبہ وہ ایک گناہ کے لئے دس گناہ اور کر لیتا ہے، جس طرح کوئی آدمی ایک نیکی کرتا ہے تو بعض مرتبہ اللہ پاک اس کو مزید نیکیوں کی توفیق عطا فرماتے ہیں، ورنہ کم از کم ایک نیکی کا دس گنا ثواب تو مل ہی جاتا ہے۔

دس محرم میں حلیم کھچڑا پکانے کے مفاسد

حلیم کھچڑے میں بھی یہی بات ہے، اس میں بھی درج ذیل کئی مفاسد پائے جاتے ہیں۔

① پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ ثابت نہیں، اس کو اپنی طرف سے گھڑ لیا گیا ہے۔

② پھر پابندی کے ساتھ اس کو کرنے کا گناہ علیحدہ ہے۔

③ اس گناہ کے اندر لوگوں کو دعوت دینے کا گناہ الگ اور مستقل ہے۔

④ اس کام کے لئے لوگوں کو مجبور کرنے کا گناہ الگ ہے۔

⑤ نیز اس کے لئے بعض مقامات پر چندہ کیا جاتا ہے اور چندہ بھی جبری ہوتا ہے، جبری چندہ حرام ہے۔

⑥ پھر وہ عموماً گھروں میں نہیں پکتے بلکہ گلیوں میں پکائے جاتے ہیں، جس سے ہر آنے جانے والے کو تکلیف ہوتی ہے، نیز چونکہ یہ کھانا دس محرم کو پکتا ہے اس لئے ساری رات پکایا جاتا ہے، گلیوں میں رات بھر شور وشغب ہوتا ہے، جس کی وجہ سے گھر میں نہ کوئی سو سکتا ہے، نہ کوئی پڑھ سکتا ہے، نہ کوئی ذکر کرسکتا ہے، نہ کوئی عبادت کرسکتا ہے، اسی طرح اگر کوئی مریض ہے تو وہ بھی رات بھر مصیبت میں مبتلا رہتا ہے، الغرض! ہر آدمی مصیبت اور تکلیف میں ہوتا ہے اور مسلمان کو تکلیف دینا حرام ہے۔

⑦ اس کے علاوہ رات بھر ہزار ہزار واٹ کے بلب روشن ہوتے ہیں، اور کنڈے لگا کر چوری کی جاتی ہے۔ یہ بھی سخت گناہ ہے۔

بہرحال! یہ سب گناہ محرم کے مہینے میں ہوتے ہیں، اور ایک گناہ کی وجہ سے یہ سب گناہ ہوتے ہیں۔

اس رسمِ بد کو ختم کرنے کا طریقہ

لوگ کہتے ہیں: ''نہیں صاحب! مہینہ محرم کا ہو اور حلیم کھچڑا نہ پکے تو پھر محرم کا مہینہ ہم کیسے منائیں گے؟'' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی یاد کا مہینہ ہے، عبادت کا مہینہ ہے، گناہوں سے توبہ کرنے کا مہینہ ہے، گناہ کرنے کا مہینہ نہیں ''اللہ بچائے'' اس لئے ضروری ہے کہ حلیم سے توبہ کی جائے، نہ خود اپنے گھروں میں بنائیں اور نہ دوسروں کے گھروں میں جاکر اس گناہ میں شریک ہوں اگر کوئی کھانا بھیج دے تب بھی استعمال نہ کریں، تاکہ یہ رسم اور یہ ناجائز طریقہ جو مسلمانوں میں جاری ہوگیا ہے ختم ہو، اس کے علاوہ کوئی اور چیز جو دل چاہے پکالیں۔

اسی طرح اس مہینے میں بعض لوگ دعوت کرنے کو ضروری سمجھتے ہیں، اور دوسروں کے گھروں میں کھانا پہنچانے کو بھی ضروری سمجھتے ہیں، یہ بھی صحیح نہیں، البتہ صدقہ وخیرات کرنے میں کوئی حرج نہیں، اگر کسی نے اچھا کھانا پکایا ہے اپنے گھر والوں کے لئے اور ساتھ ہی اس نے غریب و مسکین اور محتاجوں کو بھی دیدیا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس حد تک کوئی قباحت نہیں، بشرطیکہ اسے لازم نہ سمجھے اور نہ کوئی کھانا مخصوص کرے، بس اس کا خاص خیال رکھنا چاہیئے۔

اس مہینے سے متعلق احادیث کے حوالے سے جو چند فضیلتیں ذکر کی گئی ہیں وہ تو ثابت ہیں، اس کے علاوہ جو کچھ اس مہینہ کے اندر ہوتا ہے، عموماً شیعہ لوگ انہیں کرتے ہیں، ان سے بہت زیادہ بچنے کی ضرورت ہے۔

گناہ کا دیکھنا بھی گناہ ہے

یہ اس لئے میں عرض کر رہا ہوں کہ ہمارے کچھ سُنی بھائی بھی اس ماہ میں آدھے شیعہ بن جاتے ہیں، مثلاً بعض سنی ایسے ہیں جو شیعہ نہیں ہیں مگر وہ بھی تعزیہ اور علم بناتے ہیں، وہ بھی دُلدُل بناتے ہیں، وہ بھی تعزیہ نکالتے ہیں، اور کچھ نہیں تو جہاں یہ کام ہو رہا ہوگا وہاں ضرور جائیں گے، عورتیں اور بچے تو کیا بوڑھے تک دیکھنے جاتے ہیں، گلی میں سے اگر تعزیہ گزرتا ہے تو سارے محلہ کی عورتیں اوپر اور بچے نیچے، سب دیکھنے میں مشغول ہوتے ہیں۔

جس چیز کا بنانا گناہ ہے اس کا دیکھنا بھی گناہ ہے، اس کے اندر شریک ہونا بھی گناہ ہے، یہاں پر بھی وہی مشابہت کی بات ہے، ہم نے ان کے ان کاموں میں شرکت کر کے خود کو ان جیسا اور ان کے مشابہہ بنالیا ہے۔

دوسرے یہ کہ کسی گروہ میں شریک ہو کر اس کی تعداد بڑھانے سے آدمی انہی میں شمار ہوتا ہے، حدیث میں ہے کہ:

مَنْ كَثَّرَ سَوَادَ قَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ

(فتح الباری: ص۲۷، ج۱۳)

ترجمہ: جس نے کسی قوم کی تعداد میں اضافہ کر دیا تو وہ بھی انہی میں شمار ہوگا۔

لہٰذا جو لوگ تعزیہ دیکھنے جاتے ہیں، اور ان کے محفلِ سماع یا محفلِ عزا میں جاتے ہیں اور مرثیہ سنتے یا پڑھتے ہیں، اور ان کی دُلدُل یا علم سدا دیکھتے ہیں، یا تعزیہ دیکھتے ہیں تو اس حدیث کی رو سے ان کا شمار بھی انہی لوگوں

میں ہوگا، یہ بھی گنہگار رہیں اور وہ بھی گنہگار ہوں گے، کیونکہ یہ سارے کام گناہ کے ہیں۔

ٹی وی منکرات وفواحش کا مجموعہ ہے

محرم کی دس تاریخ کو سرکاری چھٹی ہوتی ہے، لوگ گھر میں رہتے ہیں لیکن گھر میں تعزیئے دیکھنے کا ایک راستہ اور ہے، وہ ہے ''ٹی وی'' کہ باہر جا کر نہیں دیکھ رہے تو گھر میں بیٹھے دیکھ رہے ہیں، ٹی وی چل رہا ہے، اور اس میں پورا کراچی اور اس کا ایم اے جناح روڈ نظر آرہا ہے اور سارے تعزے نظر آرہے ہیں، باہر نکل کر دیکھنے سے تو ایک دو ہی تعزیئے نظر آرہے تھے، معلوم ہوا کہ ٹی وی پر تو سب کے سب نظر آرہے ہیں، لہٰذا معاملہ اس سے بھی زیادہ بدتر ہوگیا، کیونکہ گناہ کی چیز خواہ چھپ کر دیکھیں یا علانیہ دیکھیں، براہ راست دیکھیں، بلا واسطہ دیکھیں، گناہ تو گناہ ہی ہے، لہٰذا جب گناہ ہے تو پھر ٹی وی پر اس کا دیکھنا بھی گناہ ہے، جیسے گھر سے باہر نکل کر اصلی تعزیہ کو دیکھنا گناہ ہے۔

غلط عقیدے سے سبیلیں لگانا

ایک اور گناہ جو اس مہینہ میں ہوتا ہے ''اللہ بچائے'' وہ سبیلوں کا سلسلہ ہے، اصل میں تو یہ کام شیعہ لوگ کرتے ہیں، اور اپنے مسلک کے مطابق کرتے ہیں، جس میں ان کا خاص عقیدہ پایا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ پیاسے شہید ہوئے تھے، مخالفین نے انہیں پانی نہیں پینے دیا تھا، لہٰذا سبیلیں لگائی جائیں اور پانی پلایا جائے تاکہ ان کی پیاس بجھے، یہ بے بنیاد اور من گھڑت

عقیدہ ہے، کیونکہ اس میں دو باتیں غلط ہیں۔

①... چودہ سو سال گزر گئے اور ہر سال اتنی سبیلیں لگ رہی ہیں تو کیا ابھی تک ان کی پیاس نہیں بجھی؟

②... کیا دنیا کا پانی وہاں (عالمِ برزخ) میں پہنچتا ہے جو ان کی پیاس بجھنے کا ذریعہ بنے؟

غلط عقیدہ کی اصلاح

یاد رکھئے! یہاں کا پانی یہاں کی پیاس بجھانے کے لئے ہے، عالمِ برزخ اس دنیا سے بالکل الگ جہاں اور علیحدہ دنیا ہے، یہاں کی کوئی چیز وہاں نہیں پہنچتی کہ یہاں کھانا کھاؤ اور عالمِ برزخ میں کھانا پہنچ جائے۔ اسی طرح یہاں پانی پیؤ اور وہ عالمِ برزخ میں پہنچ جائے، ایسا نہیں ہوسکتا، یہ غلط عقیدہ ہے، یہاں کی کوئی چیز وہاں نہیں پہنچتی، جیسے وہاں کی کوئی چیز یہاں نہیں پہنچتی، جیسے یہاں کی چیز جنت میں نہیں جاسکتی، اسی طرح جنت کی چیزیں یہاں نہیں آتیں، عالمِ آخرت الگ ہے، عالمِ دنیا الگ ہے، اور ان دونوں کے درمیان ایک اور الگ جہاں ہے، جسے عالم برزخ کہا جاتا ہے، ایک عالم کی چیز دوسرے عالم میں منتقل نہیں ہوتی، مثلاً خدانخواستہ قبر میں کسی کو عذاب ہو رہا ہو اور اس کو وہاں پیاس لگے، یہاں سے اس کے پسماندگان کتنا ہی ٹنوں ٹن وزن پانی خیرات کردیں، اگر وہ میت خدانخواستہ غیر مسلم ہے تو ٹنوں پانی خیرات کرنے سے رتی برابر بھی اس کی پیاس نہیں بجھے گی اور اگر وہ مسلمان ہے تو بھی پانی وہاں نہیں پہنچے گا، ہاں دنیا میں کئے گئے نیک اعمال کا ثواب وہاں پہنچ سکتا ہے

اور ثواب پہنچانا اور چیز ہے، لیکن یہ تصور سرے سے ہی غلط ہے کہ یہاں کی عام چیزیں وہاں پہنچ جائیں، یہ بات عقل ونقل اور شریعت کے بھی خلاف ہے، اس لئے یہ عقیدہ بھی غلط ہے، اور اس کی بنیاد پر یہ سبیلیں لگانا بھی صحیح نہیں، جب صحیح نہیں تو مسلمانوں کو اس سے بچنا چاہئے۔

مسلمانوں کے لئے راہِ عمل

مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے؟ انہیں چاہئے کہ حتی الوسع جتنا مال بآسانی اللہ کے راستہ میں صدقہ وخیرات کر سکیں چپکے سے کرلیں، جس کو اللہ تعالیٰ اس کی توفیق دیں وہ اپنے حلال مال سے خاموشی کے ساتھ اللہ کی راہ میں خرچ کر دے اور یہ نیت کرلے یا اللہ! اس کا ثواب فلاں فلاں کو پہنچے، حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان اور دیگر مسلمانوں کو پہنچے، پھر چاہے اس کے لئے آپ پیسے خیرات کریں یا کپڑے خیرات کریں بلاشبہ ان کا ثواب ان تک پہنچ جائے گا، ثواب پہنچانا بالکل برحق ہے، بالکل بجا ہے، اہل السنّت والجماعت کا یہی عقیدہ ہے کہ زندہ اور مردہ دونوں کو ایصالِ ثواب کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس کے لئے رواجی طور طریقوں سے بچنا چاہئے، اسی طرح لوگوں نے ایصالِ ثواب کے لئے اپنی طرف سے جو نئے طریقے ایجاد کر رکھے ہیں ان سے بھی بچنا بے حد ضروری ہے۔ ان سے اپنے آپ کو اور اپنے بچوں کو بچانا چاہئے، اللہ پاک ہم سب کو راہِ سنت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں اور تمام رسومات وبدعات سے، ناجائز اور خلافِ شرع کاموں سے پرہیز کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ○

ماہِ صفر اور جاہلانہ خیالات

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ناشر: میمن اسلامک بکس

دکان نمبر ۲۹، تا یاب جامع مسجد لیاقت آباد ڈاک خانہ، کراچی ۱۹

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

صدق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہِ صفر اور جاہلانہ خیالات

صفر کے متعلق اہل عرب کے توہمات

اسلام سے پہلے دورِ جاہلیت میں صفر کے متعلق اہل عرب کے مختلف اور عجیب وغریب توہمات تھے، حضرات محدثین کرام رحمہم اللہ نے ان سب کو تفصیل سے ذکر فرمایا ہے، ذیل میں ان کا مختصراً انتخاب پیش کیا جاتا ہے۔

صفر کے متعلق اہل عرب کا یہ گمان تھا کہ اس سے مراد وہ سانپ ہے جو انسان کے پیٹ میں ہوتا ہے اور بھوک کی حالت میں انسان کو ڈستا اور کاٹتا ہے۔ چنانچہ بھوک کی حالت میں جو تکلیف ہوتی ہے وہ اسی کے ڈسنے سے ہوتی ہے۔

بعض اہل عرب کا یہ نظریہ تھا کہ صفر سے مراد پیٹ کا وہ جانور ہے جو بھوک کی حالت میں بھڑکتا ہے اور جوش مارتا ہے اور جس کے پیٹ میں ہوتا ہے بسا اوقات اس کو جان سے بھی مار دیتا ہے نیز اہل عرب اس کو خارش کے مرض والے سے زیادہ متعدی مرض سمجھتے تھے۔

بعض کے نزدیک صفر ان کیڑوں کو کہتے ہیں جو جگر اور پسلیوں کے سرے میں پیدا ہو جاتے ہیں جن کی وجہ سے انسان کا رنگ بالکل پیلا ہو جاتا ہے، جس کو طب کی اصطلاح میں ''یرقان'' کہا جاتا ہے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ صفر ایک مشہور مہینہ ہے جو محرم اور ربیع الاوّل کے درمیان آتا ہے لوگوں کا اس کے متعلق یہ گمان ہے کہ اس ماہ میں بکثرت

مصیبتیں اور آفتیں نازل ہوتی ہیں، نیز اہل عرب صفر کا مہینہ آنے سے بدفالی بھی لیا کرتے تھے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ایامِ جاہلیت میں لوگ ماہِ صفر کو ایک سال حلال اور ایک سال حرام ٹھہرایا کرتے تھے اس کی وجہ یہ ہے کہ کبھی اہل عرب ماہِ صفر کو جو ان کے نزدیک محترم مہینوں میں سے ہے، جس میں جنگ و جدال حرام سمجھتے تھے وہ ماہِ محرم کو بڑھا کر صفر کو بھی اس میں شامل کر لیتے اور جنگ وجدال کو صفر میں بھی ناجائز قرار دیتے اور کبھی صفر کو محرم سے علیحدہ قرار دے کر محترم مہینوں سے اس کو خارج کر دیتے اور اس میں جنگ وجدال مباح سمجھتے۔
(مرقات وماثبت بالسنۃ تبصرف)

صفر کے متعلق دورِ حاضر کے لوگوں کے خیالات

آج کل بھی ماہِ صفر کے متعلق عام لوگوں کے ذہن میں مختلف خیالات جمے ہوئے ہیں، جن میں سے چند حسب ذیل ہیں۔

بعض ماہِ صفر میں شادی بیاہ اور دیگر پرمسرت تقریبات منعقد کرنے اور اہم امور کا افتتاح اور ابتدا کرنے سے پرہیز کرتے ہیں اور کہا کرتے ہیں کہ صفر میں کی ہوئی شادی صِفر ہوگی (یعنی ناکام ہوگی) اور اس کی وجہ عموماً ذہنوں میں یہی ہوتی ہے کہ صفر کا مہینہ نامبارک اور منحوس مہینہ ہے چنانچہ صفر کا مہینہ گزرنے کا انتظار کرتے ہیں اور پھر ربیع الاوّل کے مہینے سے اپنی تقریبات شروع کرتے ہیں۔ اس وہم پرستی کا دین سے کوئی واسطہ نہیں یہ محض باطل ہے۔

بعض ماہِ صفر کی یکم سے ۱۳/ تاریخ تک کے ایام کو بطورِ خاص منحوس اور برا جانتے ہیں اور ۱۳ تاریخ کو کچھ گھونگھنیاں وغیرہ پکا کر تقسیم کرتے ہیں

تا کہ اس نحوست سے حفاظت ہو جائے یہ بھی بالکل بے اصل بات ہے۔

من گھڑت اور ایجاد کردہ باتوں کی کوئی بنیاد تو ہوتی نہیں لیکن جب جاہلوں سے یا ان گمراہ کن راہنماؤں سے ان کے باطل نظریات کی دلیل مانگی جاتی ہے تو وہ من گھڑت روایتیں اور غلط سلط دلیلیں پیش کیا کرتے ہیں، چنانچہ صفر کے منحوس ہونے کے متعلق بھی ان سے ایک روایت منقول ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

مَنْ بَشَّرَنِي بِخُرُوجِ صَفَرَ بَشَّرْتُهُ بِالْجَنَّةِ ○

(الموضوعات الکبریٰ لملا علی قاری ۶۹)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مجھے ماہِ صفر کے ختم ہونے کی بشارت دے گا میں اس کو جنت کی بشارت دوں گا۔

اس روایت سے یہ لوگ ماہِ صفر کے منحوس اور نامراد ہونے پر استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صفر میں نحوست تھی جبھی تو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی اور صفر کے بسلامت گزرنے پر جنت کی بشارت دی، تو واضح ہو کہ اوّل تو حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ نے جو بڑے جلیل القدر محدث ہیں اپنی مشہور و معروف کتاب ''الموضوعات الکبریٰ'' جس میں موصوف نے موضوع، بے اصل اور من گھڑت حدیثیں جمع کی ہیں اُس میں اِس روایت کو ذکر کیا ہے اور اس کو موضوع بتایا ہے، لہٰذا اس موضوع اور من گھڑت روایت سے استدلال کرنا سراسر جہالت اور گمراہی کی بات ہے پھر اگر اس روایت کے الفاظ پر غور کریں تو ان الفاظ میں کہیں بھی ماہِ صفر کے منحوس ہونے پر کوئی اشارہ نہیں ہے۔ لہٰذا ان الفاظ سے ماہِ صفر کو منحوس سمجھنا محض بے بنیاد خیال ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں اور تھوڑی دیر کے لئے اس روایت کے من گھڑت ہونے سے قطع نظر

کر کے اگر اس کے الفاظ پر غور کریں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ماہ ربیع الاوّل میں ہونے والی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم موت کے بعد اللہ جل شانہ کی ملاقات کے مشتاق تھے جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ماہ صفر کے گزرنے اور ربیع الاوّل کے شروع ہونے کی خبر کا انتظار تھا اور ایسی خبر لانے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بشارت کو مرتب فرمایا، چنانچہ تصوف کی بعض کتابوں میں اسی مطلب کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس روایت کو ذکر کیا گیا ہے، لیکن ماہ صفر کے مہینہ کی نحوست اس سے قطعاً ثابت نہیں ہوتی۔

بعض لوگ بالخصوص مزدور طبقہ صفر کی آخری بدھ کو عید مناتا ہے اس دن کاریگر اور مزدور کام نہیں کرتے۔ مالک سے مٹھائی کا مطالبہ کرتے ہیں اور ہر مزدور کو مٹھائی اور عیدی دی جاتی ہے یہ بھی محض بے اصل بات ہے اور واجب الترک ہے۔

بعض لوگ اس دن چھٹی کرنے کو اجر وثواب کا موجب سمجھتے ہیں اور مشہور ہے کہ اس دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل صحت فرمایا تھا، اس کی بھی کچھ اصل نہیں، بلکہ اس دن تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات کی ابتداء ہوئی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرضِ وفات پر خوشی کیسی؟

بعض لوگ اس دن گھروں میں اگر مٹی کے برتن ہوں تو ان کو توڑ دیتے ہیں اور اسی دن بعض لوگ چاندی کے چھلے اور تعویذات بنوا کر ماہِ صفر کی نحوست، مصیبتوں اور بیماریوں سے بچنے کی غرض سے پہنا کرتے ہیں یہ خالص وہم پرستی ہے جس کو ترک کرنا واجب ہے۔

زمانہء جاہلیت میں ماہ صفر کے متعلق بکثرت مصیبتیں اور بلائیں نازل ہونے کا جو اعتقاد نقل کیا گیا ہے اس کی بنیاد پر بعض مذہبی لوگوں نے بھی اس ماہ

کو مصیبتوں اور آفتوں سے بھرپور قرار دیا ہے، حتیٰ کہ لاکھوں کے حساب سے آفات و بلیات کے نازل ہونے کی تعداد بھی نقل کردی ہے اور اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جلیل القدر انبیاء علیہم السلام کو بھی اسی ماہ میں مبتلائے مصیبت ہونا قرار دیا ہے اور پھر خود ہی نماز کے خاص طریقے بتلائے جن پر عمل کرنے سے عمل کرنے والا تمام مصائب و آلام سے محفوظ ہو جاتا ہے جن کی قرآن وسنت سے کوئی سند نہیں۔ کیونکہ جب بنیادی طور پر ماہِ صفر میں مصیبتوں اور آفتوں کا نازل ہونا ہی باطل ہے اور جاہلیت اولیٰ کا ایجاد کردہ نظریہ ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بالکل بے اصل اور بے بنیاد قرار دیا ہے (جیسا کہ عنقریب آرہا ہے) تو اس پر جو بنیاد بھی رکھی جائے گی وہ بھی باطل اور غلط ہی ہوگی۔ ذیل میں ان باتوں کا ایک اقتباس دیا جاتا ہے تاکہ بخوبی سمجھ کر اجتناب کرنا آسان ہو۔

> دوسرا مہینہ سال میں صفر المظفر کا ہوتا ہے یہ مہینہ نزولِ بلا کا ہے تمام سال دس لاکھ اسی ہزار (۱۰۸۰۰۰۰) بلائیں نازل ہوتی ہیں ان میں سے نو لاکھ بیس ہزار بلائیں خاص ماہ صفر میں نزول کرتی ہیں، چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو کوئی ماہِ صفر کے گزرنے کی خوشخبری سنا دے میں اسے بہشت میں داخل ہونے کی بشارت دوں، حضرت آدم صفی اللہ (علیہ السلام) سے لغزش ہوئی تو اسی مہینہ میں ہوئی، حضرت ابراہیم خلیل اللہ (علیہ السلام) آگ میں ڈالے گئے تو اوّل تاریخ صفر کی تھی، حضرت ایوب (علیہ السلام) جو مبتلائے بلا ہوئے تو اسی مہینے میں ہوئے۔ حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت یحییٰ (علیہ السلام)، و حضرت جرجیس و حضرت یونس (علیہ السلام) و حضرت محمد سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم

سب مبتلائے بلا اسی مہینے میں ہوئے، حضرت ہابیل بھی اسی مہینے میں شہید ہوئے، اسی لئے شبِ اوّل اور روزِ اوّل ماہِ صفر میں ہر مسلمان کو چاہئے کہ چار رکعت اس طرح پڑھے کہ پہلی رکعت میں بعد **سورة الحمد** (سورۃ فاتحہ) پندرہ مرتبہ **سورة الکفرون** اور دوسری رکعت میں اسی قدر **قل هوالله** (سورة الاخلاص) تیسری رکعت میں اسی قدر **سورة الفلق** اور چوتھی رکعت میں اسی قدر سورۃ الناس پڑھے، بعد سلام کے ستر مرتبہ:

سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ

کہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ہر بلا اور ہر آفت سے محفوظ رکھے گا اور ثوابِ عظیم عطا فرمائے گا۔

دوسری نماز اس مہینے میں یہ بھی ہے کہ پہلی تاریخ کو غسل کرے اور وقت چاشت کے دو رکعت نفل گیارہ مرتبہ **قل هوالله** کے ساتھ پڑھے بعد سلام کے ستر (۷۰) مرتبہ یہ درود شریف پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

اور اس کے بعد یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ صَرِّفْ عَنِّيْ سُوْءَ هٰذَا الْيَوْمِ وَاعْصِمْنِيْ مِنْ سُوْئِهٖ وَنَجِّنِيْ عَمَّا أَصَابَ فِيْهِ مِنْ تتموساله بِفَضْلِكَ يَا دَافِعَ الشُّرُوْرِ وَيَا مَالِكَ النُّشُوْرِ يَا أَرْحَمَ

الرَّاحِمِيْنَ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَ بَارِكْ وَسَلَّمْ ○

ترجمہ: اے اللہ! دور رکھ مجھ سے برائی اس دن کی اور بچا مجھ کو اس کی برائی سے اور نجات دے مجھ کو اس چیز سے کہ جو پہنچے اندر اس کے نحوست اور سختیوں سے اپنے فضل سے، اے شروں کے دور کرنے والے اور اے مالک قیامت کے اے سب مہربانوں کے مہربان۔(راحت القلوب جواھر غیبی)

تیسری نماز اس مہینے میں یہ ہے کہ آخری چہار شنبہ کو دو رکعت نفل پڑھے۔ ہر رکعت میں بعد الحمد (سورۃ الفاتحہ) کے تین تین مرتبہ قل ھو اللہ پڑھے، بعد سلام کے الم نشرح اور والتین اور اذا جاء اور سورہ اخلاص ان سب کو ۸۰ مرتبہ پڑھے، اللہ تعالیٰ اس نماز کی برکت سے اس کے دل کو غنی کر دے گا۔

(ھکذا فی رسالہ فضائل الشھور والایام)

یہ تمام باتیں محض غلط، بے بنیاد اور من گھڑت ہیں۔ قرآن و حدیث و صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ، ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ اور سلف صالحین رحمہم اللہ میں سے کسی سے بھی ان کا ثبوت نہیں ہے بلکہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاف اور واضح ارشادات کے ذریعے زمانۂ جاہلیت کے توہمات اور قیامت تک پیدا ہونے والے تمام باطل خیالات اور صفر کے متعلق وجود میں آنے والے تمام نظریات کی تردید اور نفی فرما دی ہے اور ساتھ ہی عرب کے دورِ جاہلیت میں جن جن طریقوں سے نحوست، بدفالی اور بدشگونی لی جاتی تھی ان سب کی بھی مکمل نفی فرمائی ہے اور

مسلمانوں کو ان تمام توہمات سے بچنے کی تاکید فرمائی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات مع تشریح ملاحظہ ہوں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَا عَدْوٰی وَلَا طِیَرَةَ وَلَا هَامَةَ وَلَا صَفَرَ وَفِرَّ مِنَ الْمَجْذُوْمِ كَمَا تَفِرُّ مِنَ الْاَسَدِ

(رواہ البخاری ج۲، ص۸۵۰ قدیمی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مرض کا لگ جانا، اُلو اور صفر اور نحوست یہ سب باتیں بے حقیقت ہیں اور جزامی شخص سے اس طرح بچو اور پرہیز کرو جس طرح شیر سے بچتے ہو۔

(بخاری شریف)

عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَقُوْلُ لَا صَفَرَ وَلَا غُوْلَ (رواہ مسلم، ج۲، ص۲۳۱، قدیمی)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ مرض لگ جانا، صفر اور غول بیابانی سب خیالات ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ (رواہ مسلم)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ ﷺ لَا عَدْوٰی وَ لَا هَامَةَ وَلَا نَوْءَ وَلَا صَفَرَ

(رواہ مسلم، ج۲، ص۲۳۱، قدیمی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت

کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: مرض کا لگ جانا، اُلو
فال نکالنا اور صفر یہ سب وہم پرستی کی باتیں ہیں، ان کی کوئی
حقیقت نہیں۔ (رواہ مسلم)

تشریح

یہ سب بخاری و مسلم کی صحیح صحیح حدیثیں ہیں، دیکھئے! ان میں رحمت کائنات ﷺ نے صفر کے متعلق جتنے باطل نظریات، خیالات اور توہمات زمانہ جاہلیت میں عربوں کے اندر رائج تھے ان سب کی صاف صاف نفی فرما دی اور کسی بھی قسم کے توہمات کی کوئی گنجائش نہیں رکھی اور جہاں زمانہ جاہلیت کے توہمات کی ان ارشادات سے تردید ہوگئی وہاں آپ ﷺ کے انہی پاک ارشادات سے بعد میں قیامت تک پیدا ہونے والے غلط سلط خیالات و تصورات کی نفی بھی ہوگئی کیونکہ آپ ﷺ کے یہ ارشادات قیامت تک کے لئے ہیں اور ثابت ہوگیا کہ ماہ صفر المظفر میں ہرگز کوئی نحوست نہیں ہے اور آفات وبلیات اور امراض بھی اس مہینے میں نازل نہیں ہوتے۔

مذکورہ بالا احادیث میں آنحضرت ﷺ نے تین چیزوں کی نفی فرمائی ہے۔

سب سے پہلے آپ ﷺ نے جس چیز کی نفی فرمائی ہے وہ ایک بیماری کا دوسرے کو لگنا ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا یہ اعتقاد تھا کہ بیمار کے پاس بیٹھنے یا اس کے ساتھ کھانے پینے سے اس کی بیماری دوسرے تندرست اور صحتمند آدمی کو لگ جاتی ہے، اور یہ لوگ ایسی بیماری کو عدیٰ

وبئی (یعنی متعدی مرض اور چھوت کی بیماری) کہتے تھے، قدیم وجدید طب میں بھی بعض بیماریوں کو متعدی اور چھوت کی بیماری قرار دیا گیا ہے، مثلاً کوڑھ، خارش، چیچک، خسرا، گندہ دہنی (پائیوریا) آشوب چشم اور عام وبائی امراض وغیرہ، عام لوگوں میں چھوت چھات کا اعتقاد اور ایک بیماری دوسرے کو لگنے کا گمان بھی کافی عام ہے، چنانچہ ہمارے معاشرے میں بھی وبائی امراض میں مبتلا ہونے والوں سے بہت پرہیز کیا جاتا ہے، اُن کا کھانا پینا، رہنا سہنا اور اوڑھنا بچھونا سب علیحدہ کر دیا جاتا ہے اور حد سے زیادہ چھوت چھات کا برتاؤ کیا جاتا ہے۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عقیدے اور نظریہ کو باطل قرار دیا اور فرمایا **لَا عَدْوٰی** یعنی بذات خود ایک شخص کی بیماری بڑھ کر دوسرے کو نہیں لگتی بلکہ بیمار کرنا، نہ کرنا قادر مطلق کے اختیار میں ہے، وہ جس کو چاہے بیمار کرے اور جس کو چاہے بیماری سے محفوظ رکھے۔

ایک دوسری حدیث میں اس کی مزید تشریح اس طرح ہے کہ ایک دیہاتی نے عرض کیا "یا رسول اللہ!" خارش اوّلاً اونٹ کے ہونٹ سے شروع ہوتی ہے، پھر اس کی دم سے پھیلنے کا آغاز کرتی ہے، پھر یہ خارش دوسرے تمام اونٹوں میں پھیل جاتی ہے، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ! یہ بتاؤ کہ پہلے اونٹ کو خارش کیسے ہوئی اور کس کے ذریعے سے لگی؟ وہ دیہاتی یہ سن کر لاجواب ہوگیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یاد رکھو! متعدی مرض، چھوت، شگون اور بدفالی کوئی چیز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کو پیدا کر کے اس کی زندگی، روزی اور مصیبت مقرر کردی ہے۔ (ماثبت بالسنۃ)

دوسری چیز جس کی حدیث بالا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نفی فرمائی ہے وہ "ہامہ" ہے، اس کی حقیقت سے بھی باخبر ہونا چاہئے، "ہامہ" کے لفظی معنی "سر" اور "پرندے" کے آتے ہیں، احادیث میں "ہامہ" سے مراد پرندہ ہے، کیونکہ زمانہ جاہلیت میں عرب لوگ "ہامہ" پرندے سے بدشگونی اور نحوست مراد لیتے تھے اور اس کے متعلق ان میں طرح طرح کی باتیں پھیلی ہوئی تھیں مثلاً:

- ان کا خیال تھا کہ مقتول کے سر سے ایک پرندہ نکلتا ہے جس کا نام "ہامہ" ہے، وہ ہمیشہ فریاد کرتا رہتا ہے کہ مجھے پانی پلاؤ، جب مقتول کا بدلہ قاتل سے لے لیا جاتا ہے تو پھر یہ پرندہ دور اُڑ جاتا ہے۔
- بعض کا خیال تھا کہ مردے کی ہڈیاں جب بوسیدہ اور معدوم ہو جاتی ہیں تو وہ "ہامہ" بن کر قبر سے نکل جاتی ہیں اور اِدھر اُدھر گھومتی رہتی ہیں اور اپنے گھر والوں کی خبریں لیتی پھرتی ہیں۔
- بعض کا اعتقاد تھا کہ "ہامہ" وہ اُلو ہے جو کسی کے گھر پر بیٹھ کر آوازیں لگاتا ہے اور انہیں ہلاکت و بربادی اور موت کی خبریں دیتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس اعتقاد کو باطل قرار دیا اور ایسا اعتقاد رکھنے سے منع فرمایا اور واضح فرمایا کہ "ہامہ" کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

تیسری چیز جس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احادیث میں نفی فرمائی ہے وہ "نَوْءٌ" ہے، یہ چاند کی اٹھائیس منزلوں کا نام ہے، جس میں ہر منزل کے مکمل ہونے پر صبح صادق کے وقت ایک ستارہ گرتا ہے اور دوسرا ستارہ اس کے مقابلے

میں اسی وقت مشرق میں طلوع ہوتا ہے۔

اہلِ عرب کا بارش کے متعلق یہ گمان تھا کہ چاند یا ستاروں کی ایک منزل کے ختم اور دوسری منزل کے آغاز پر بارش ہوتی ہے (مرقات) یعنی اہل عرب بارش کو منزل کی جانب منسوب کرتے اور کہتے تھے کہ فلاں منزل کی وجہ سے ہم پر بارش ہوئی اور ستاروں ہی کو بارش کے سلسلے میں مؤثر حقیقی مانتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "لَا نَوْءَ" فرما کر اس کی بھی مکمل نفی فرمادی اور اہل عرب کے اس گمان کو باطل اور بے بنیاد قرار دیا، کیونکہ ایسا خیال اور نظریہ انسان کو شرک کی حد تک پہنچا دیتا ہے۔

بارش کا برسانا یا نہ برسانا محض حق تعالیٰ شانہ کی قدرت میں ہے، وہ جب چاہتے ہیں بارش برساتے ہیں اور جب نہیں چاہتے بارش نہیں برساتے، بلکہ ستاروں اور سیاروں کی گردش اور ان کا طلوع وغروب، بارش ہونے یا نہ ہونے کا ایک ظاہری سبب تو ہو سکتے ہیں لیکن مؤثر حقیقی ہرگز نہیں ہو سکتے، مؤثر حقیقی اور قادرِ مطلق محض اللہ جل شانہ کی ذات ہے۔ (ملخص از معارف القرآن)

چوتھی چیز جس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا احادیث میں نفی فرمائی ہے وہ ''صفر'' ہے کہ ماہ صفر میں ذاتی طور پر کوئی نحوست نہیں ہے، جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ○

مسجد کے آداب

اور

فضائل و مسائل

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ناشر: میمن اسلامک بکس

دکان نمبر ۲۹، نایاب جامع مسجد لیاقت آباد ڈاک خانہ، کراچی ۱۹

صلی اللہ علی حبیبہ محمد وآلہ وسلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسجد کے آداب اور فضائل و مسائل

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اِنْ تَجْتَنِبُوْا کَبَآئِرَ مَا تُنْھَوْنَ عَنْہُ نُکَفِّرْ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَنُدْخِلْکُمْ مُّدْخَلًا کَرِیْمًا (۳۱)

(سورۂ نساء، آیت ۳۱)

تمہید

میرے قابل احترام بزرگوں اور محترم خواتین! اس وقت آپ کی خدمت میں ایسے تین گناہ بیان کرنا چاہتا ہوں جن میں ہم میں سے اکثر لوگ مبتلا ہوتے ہیں، اور ان تینوں کا تعلق نماز پڑھنے والوں سے ہے۔ اس لئے ان تین گناہوں کے بارے میں توجہ سے بات سننا ضروری ہے۔ تاکہ ہم میں سے جو

شخص ان تینوں گناہوں میں یا ان میں سے کسی ایک گناہ کے اندر مبتلا ہو تو وہ اس گناہ کو چھوڑ دے اور توبہ کرے، اور آئندہ اس گناہ سے بچنے کا اہتمام کرے۔

ہماری اصل بیماری اور اس کا علاج

ہمارا اصل مرض اور بیماری گناہ ہے، اور گناہوں کو چھوڑنا اور اس سے توبہ کرنا یہ اس کا علاج ہے۔ ہمارے یہاں پر جمع ہونے کا مقصد بھی یہی ہے کہ ہم اپنی روحانی بیماریوں کو پہچانیں، اور پھر ان کو دور کرنے کی کوشش کریں۔ تاکہ آہستہ آہستہ ہمارے تمام امراض روحانی ختم ہو جائیں اور صحت ایمانی و روحانی حاصل ہو جائے۔ ہم سب مل کر اپنا جائزہ لیں، اور اپنے باطن میں جھانک کر دیکھیں کہ وہاں کون کون سے گناہ گھونسلہ بنائے ہوئے ہیں۔ اور کون کون سی بُری عادتیں ہمارے اندر موجود ہیں۔ جن کی وجہ سے ہم اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور رحمت سے دور ہو رہے ہیں۔ اور پھر ہم کوشش کریں کہ ہری بُری عادتیں ختم ہوں اور اس کے بدلے اچھی عادتیں پیدا ہو جائیں۔ ہم گناہوں سے تائب ہو جائیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی والے کام اختیار کرلیں۔ تاکہ دنیا میں بھی فلاح حاصل ہو اور آخرت میں بھی نجات حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

وضو میں پانی زیادہ بہانا

وضو کرنے کے لئے پانی استعمال کرنا ضروری ہے۔ وضو میں جن اعضاء کو دھویا جاتا ہے اِن کو تین تین مرتبہ دھونا سُنّت ہے، چنانچہ ہاتھوں کو تین مرتبہ دھونا سُنّت ہے، چہرے کو تین مرتبہ دھونا سُنّت ہے، پیروں کو تین مرتبہ دھونا سُنّت ہے، لیکن بلا ضرورت اور بلا وجہ چار مرتبہ یا پانچ مرتبہ دھونا اسراف

میں داخل ہے اور گناہ ہے، مثلاً پاؤں دھو رہے ہیں تو بلا ضرورت چار مرتبہ، پانچ مرتبہ، بلکہ دس مرتبہ پیر دھو دیئے۔ یہ سب اسراف ہے، اور ناجائز ہے۔

لیکن زیادہ تر مرد حضرات اور خواتین اسراف کی ایک دوسری صورت میں مبتلا ہوتے ہیں۔ وہ دوسری صورت یہ ہے کہ وضو خانے میں وضو کرتے وقت یا بیسن پر وضو کرتے وقت ٹونٹی کو کھلا چھوڑ دیتے ہیں اور مسلسل اس سے پانی گرتا رہتا ہے اور اسی حالت میں وضو کرنے والا اس سے پانی لے کر ہاتھ دھو رہا ہے، کلّی کر رہا ہے، ناک میں پانی ڈال رہا ہے، چہرہ دھو رہا ہے، اس کو مسل رہا ہے، داڑھی کا خلال کر رہا ہے، انگلیوں کا خلال کر رہا ہے، اور پانی مسلسل تیزی کے ساتھ نالی میں بہہ رہا ہے۔ اس طرح پانی مسلسل گرانے کا عام معمول بن گیا ہے۔ گھروں میں بیسن پر وضو کرتے وقت بھی یہی کیفیت ہوتی ہے اور مساجد میں وضو خانے پر وضو کرتے وقت بھی یہی حالت ہوتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک آدمی کو سنّت کے مطابق وضو کرنے کے لئے جتنا پانی درکار ہے۔ جس کی مقدار صرف اتنی ہے جتنا پانی اس نے ہاتھ دھونے کے لئے استعمال کیا ہے، اور اس کے علاوہ جو پانی ٹونٹی سے بلا استعمال ضائع ہو گیا، جس کی مقدار اس پانی سے کئی گناہ زیادہ ہوگی جتنا پانی درکار تھا۔ اس طرح اس پانی کو ضائع کرنا سراسر اسراف ہے اور گناہ ہے۔

وضو تو ذریعہ مغفرت ہے

شریعت نے تو وضو کے بارے میں بتایا تھا کہ وضو کرنے سے وضو کرنے والے کے اعضاء کے تمام گناہ پانی کے ساتھ نکل جاتے ہیں۔ چنانچہ جب وضو کرنے والا ہاتھ دھوتا ہے تو ہاتھ کے گناہ نکل جاتے ہیں۔ جب کلّی کرتا ہے تو

منہ کے گناہ نکل جاتے ہیں۔ جب ناک صاف کرتا ہے تو ناک کے گناہ نکل جاتے ہیں، جب چہرہ دھوتا ہے تو چہرے کے گناہ نکل جاتے ہیں اور جب پیر دھوتا ہے تو پیر کے گناہ نکل جاتے ہیں۔ لہٰذا وضو کا مقصد تو یہ تھا کہ جس طرح اس کے ذریعہ ہم ظاہری پاکی اور طہارت حاصل کرتے ہیں، اسی طرح گناہوں سے باطنی طہارت بھی حاصل کریں لیکن نفس و شیطان نے ہمیں خفیہ طریقے سے اسراف کے گناہ کے اندر مبتلا کردیا۔ اور اب ہمارے خیال میں بھی یہ نہیں آتا کہ یہ بھی کوئی گناہ ہے بلکہ اب ہم اس گناہ کے عادی ہوگئے ہیں۔ عرصہء دراز سے ہم وضو کے دوران اس گناہ کے اندر مبتلا ہیں، چنانچہ ہر جگہ اکثر وضو کرنے والوں کے اندر یہ گناہ آپ کو نظر آئے گا۔ پانی جو اللہ تعالیٰ کی گرانقدر نعمت ہے اور بہت بڑی دولت ہے۔ اس کو ہم اس طرح بیجا بہا دیتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناقدری اور ناشکری بھی ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ اسراف کرنے کا گناہ بھی ہماری گردنوں پر آجاتا ہے، اور وضو جو ہمارے لئے باعث مغفرت تھا، اس وضو کو ہم نے اپنی غفلت سے باعث گناہ بنالیا۔ جس کی وجہ سے آخرت میں پکڑ ہوگی، عذاب ہوگا اور جواب دینا ہوگا کہ تم نے پانی جیسی گرانقدر نعمت میں یہ گناہ کیوں کیا؟ اگر یہ ڈر اور خوف ہمارے دلوں میں آجائے تو پھر صرف ایک ہی نماز کے وضوء میں یہ گناہ چھوٹ سکتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم سب اپنے وضو کی طرف توجہ دیں۔ اور اب تک جو گناہ ہوچکا ہے اس سے سچی توبہ کریں، اور آج کے بعد جب بھی ہم وضو کریں تو اس گناہ سے ضرور بچیں۔

اس گناہ سے بچنے کا طریقہ

اس گناہ سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سب کو دو ہاتھ

عطا فرمائے ہیں، لہٰذا نلکے پر وضو کرتے وقت یہ ضروری ہے کہ ہم ایک ہاتھ پانی لینے کے لئے استعمال کریں اور دوسرا ہاتھ اول سے آخر تک نلکا کھولنے اور بند کرنے کے لئے مخصوص کردیں، ایک ہاتھ میں پانی لیں اور دوسرے ہاتھ سے نلکا بند کریں۔ پھر نلکا بند کرنے کے بعد چاہیں تو دوسرا ہاتھ بھی دھونے میں اس استعمال کرلیں۔ سارے اعضاء کو دھوتے وقت یہ عمل کریں۔ اس لئے کہ اعضاء وضو کو دھونے کے لئے زیادہ پانی بہانا کوئی ضروری نہیں ہے، شرعاً اعضاء وضوء کو دھونے کے لئے اتنی مقدار پانی کی کافی ہے کہ ہر عضو کو دھونے کے بعد اس سے تین چار پانی کے قطرے ٹپک جائیں۔ یہ دھونے کی کم سے کم حد ہے۔ مسح کرنے اور دھونے میں یہی فرق ہے کہ مسح کے اندر پانی نہیں ٹپکتا، گیلا ہاتھ پھیر دینے کو مسح کہتے ہیں۔ اور دھونا اس کو کہتے ہیں کہ دھونے کے بعد پانی کے چند قطرے ٹپک جائیں۔ لہٰذا ایک چلو پانی جو ہم ایک ہاتھ میں لیتے ہیں وہ پانی دھونے کی مذکورہ بالا شرعی حد سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ اور اس پانی سے وضو کے پانی کی مسنون مقدار پوری طرح سے حاصل ہوجاتی ہے۔ لہٰذا کوئی شخص یہ عذر نہیں کرسکتا کہ ایک ہاتھ سے وضو کرنے کا جو طریقہ آپ نے بتایا ہے اس سے ہم کس طرح وضو کریں؟ اور ایک ہاتھ سے وضو ہی نہیں ہوسکتا۔ حقیقت میں یہ ہمارے نفس کا دھوکہ ہے۔ ورنہ ایک ہاتھ میں جتنا پانی آتا ہے شریعت کے مطابق مسنون طریقے پر وضو کرنے کے لئے وہ بالکل کافی ہے۔

مسجد میں دنیاوی باتیں کرنا

جو حضرات مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے آتے ہیں وہ بعض مرتبہ اس گناہ میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ خصوصاً وہ نمازی جو اپنا اکثر وقت مسجد میں گزارتے ہیں اور

نماز کے وقت سے بہت پہلے مسجد میں آجاتے ہیں اور صف اوّل میں جماعت کے انتظار میں بیٹھ جاتے ہیں۔ مسجد میں بہت جلدی آجانا اور صف اوّل میں نماز کے انتظار میں بیٹھ جانا اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے۔ آمین۔ اس لئے کہ جب تک نمازی مسجد میں جماعت کے انتظار میں رہتا ہے اس شخص کو برابر نماز پڑھنے کا ثواب ملتا رہتا ہے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے "فضائل نماز" میں فرمایا ہے کہ اکیلے نماز پڑھنے کے مقابلے میں باجماعت مسجد میں نماز پڑھنے والے کو تقریباً تین کروڑ پینتیس لاکھ، چون ہزار چار سو بتیس گنا ثواب زیادہ ملتا ہے۔ یہ ثواب کتنا عظیم ہے۔

لیکن جس عمل پر جتنا عظیم ثواب حاصل ہوتا ہے، اس عظیم ثواب سے محروم کرنے کے لئے شیطان بھی اپنا پورا زور لگا دیتا ہے۔ چنانچہ اس ثواب سے محروم کرنے کے لئے شیطان یہ کرتا ہے کہ جو نمازی مسجد میں نماز کے وقت سے بہت پہلے آجاتے ہیں، اور نماز کے بعد بھی دیر تک ذکر و اذکار اور وظائف میں مشغول رہتے ہیں، چپکے سے ان کو مسجد میں دنیاوی باتیں کرنے میں مبتلا کردیتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مسجد آکر جتنی نیکیاں وہ کماتے ہیں وہ سب اس گناہ کی وجہ سے برباد ہو جاتی ہیں۔ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ مساجد صرف نماز کے لئے، ذکر و اذکار کے لئے، تلاوت قرآن کریم کے لئے، تسبیحات اور درود شریف پڑھنے کے لئے ہیں۔ گویا مساجد کا مقصد یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے، یہ مساجد دنیا کے بازار نہیں ہیں کہ جس طرح ہم بازار میں آزادانہ جو چاہیں کرسکتے ہیں، وہ سب مساجد میں بھی کرلیں بلکہ یہ تو خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے ہیں، یہاں آکر ہر شخص کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگنا چاہئے، جب مسجد میں ہم داخل ہوں تو بازار کے معاملات کو باہر ہی چھوڑ دیں،

گھر کی باتوں کو بھی باہر چھوڑ دیں اور جو کچھ بھی باہر کے معاملات ہیں ان سب کو باہر ہی چھوڑ دیں، مسجد کے اندر آ کر صرف اللہ تعالیٰ سے لو لگانی ہے، اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنا ہے، اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا ہے، اور اس کا ذکر کرنا ہے، اِس سے دعا مانگنی ہے۔ اب اگر مسجد کے اندر آ کر بھی ہم دنیا کو نہ چھوڑیں بلکہ دنیا کی باتوں میں مشغول ہو جائیں تو یہ بدترین گناہ ہے۔

مسجد میں باتیں کرنے کی ممانعت

مسجد میں دنیاوی باتیں کرنے کی ممانعت بہت سی احادیث میں آتی ہے۔ ایک حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

> میری اُمت کے آخر زمانہ میں ایسے لوگ آئیں گے جو مسجدوں میں حلقے بنا کر بیٹھیں گے، ان کے پاس دنیا کا تذکرہ ہوگا اور دنیا ان کو محبوب ہوگی ان کے پاس (ہرگز) نہ بیٹھنا، اللہ تعالیٰ کو ان لوگوں کی کوئی حاجت نہیں۔ (المدخل لابن حاج) اسی مضمون کی حدیثیں مشکوۃ ج ۱، ص ۷۰-۷۱ پر بھی موجود ہیں۔

دیکھئے! اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے ایک طرف تو ان کے پاس بیٹھنے سے منع فرمادیا، دوسری طرف یہ اشارہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کی عبادت، ان کے ذکر و اذکار اور تسبیحات وغیرہ مقبول نہیں، اللہ تعالیٰ ان سے ناراض اور خفا ہیں۔

ہماری مساجد کا حال

مساجد میں دنیاوی باتیں کرنے والوں کے حلقے آج ہمیں اپنے زمانے کی مساجد میں نظر آتے ہیں، بڑی بڑی مساجد میں آپ دیکھیں گے کہ کہیں چار

آدمی کہیں پانچ آدمی حلقہ بنائے ہوئے اس طرح بیٹھے ہوئے ہیں جیسے اپنے گھر کی بیٹھک میں بیٹھے ہیں اور دنیاوی باتیں ہو رہی ہیں۔ اگر وہ بازار کی مسجد ہے تو بازار کے مسائل وہاں زیر بحث ہیں، اور اگر دفاتر کی مسجد ہے وہاں دفتر کے مسائل پر تبصرہ ہو رہا ہے۔ تفریح گاہ کی مسجد ہے تو تفریح کے مسائل پر گفتگو ہو رہی ہے۔ اگر گاؤں کی مسجد ہے تو گاؤں کے سارے مسائل وہاں زیر بحث ہیں، اور سرحد اور بلوچستان کے بعض علاقوں میں تو یہ رواج ہے کہ نماز سے پہلے اور نماز کے بعد اور دوسرے اوقات میں بھی لوگوں کی ٹولیاں مسجد میں بیٹھی ہوئی ہوتی ہیں اور جس طرح اپنے گھر کی بیٹھک میں آزادانہ باتیں کرتے ہیں، بالکل اسی طرح مسجد کے صحن میں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے ہیں، اور اگر سردی کا موسم ہے تو مسجد کے ہال میں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے ہیں۔ مسجد ہی میں کھانا کھایا جا رہا ہے، وہیں چائے کا دور بھی چل رہا ہے، بس مسجد کو گھر کی بیٹھک بنایا ہوا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہی وہ زمانہ ہے جس کی اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے۔ میرے عزیزو! مسجد میں بیٹھ کر دنیا کی باتیں کرنا سنگین گناہ ہے۔

پھر مسجد میں بیٹھ کر دنیاوی باتیں کرنے کی کئی قسمیں ہیں:

مسجد میں گناہ کی باتیں کرنا

① ایک یہ کہ مسجد کے اندر بیٹھ کر گناہ کی باتیں کی جائیں، یہ بالکل حرام اور ناجائز ہے۔ مثلاً مسجد میں بیٹھ کر دوسروں کی غیبت کرنا، مسجد کی انتظامیہ کی برائیاں بیان کرنا، یا امام صاحب سے کوئی شکایت ہے تو اس کی غیبت کرنا یا مؤذن اور مسجد کے خادم کی غیبت کرنا۔ بعض اوقات امام یا مؤذن اور خادم کو کسی نمازی سے کوئی شکایت ہوتی ہے تو وہ بھی اس گناہ میں شریک ہو جاتے

ہیں۔ یہ سب غیبت میں داخل ہے اور حرام ہے۔ غیبت کی تعریف ہی یہ ہے کہ جو بُرائی بیان کی جارہی ہے وہ واقعۃً اس شخص کے اندر موجود ہے اور اگر ہم مسجد میں بیٹھ کر دوسروں کی ایسی برائی بیان کر رہے ہیں جو واقعۃً اس میں موجود نہیں ہے تو یہ بہتان کا گناہ ہے، اور بہتان لگانے کا گناہ غیبت سے بھی زیادہ ہے، غیبت کے بارے میں حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الغیبۃ اشدّ من الزّنا (الترغیب والترھیب، ج۳ ص۵۱۱)

غیبت زنا سے بھی زیادہ بدتر ہے۔

اب ذرا اس کا تصور کریں کہ کوئی شخص ''معاذ اللہ'' مسجد کے اندر زنا کا ارتکاب کرے تو ہم اس کو کیسا خیال کریں گے؟ ظاہر ہے کہ ہم اِس کا تصور بھی نہیں کر سکتے اور اس فعل کو انتہائی بُرا سمجھیں گے اور غیبت زنا سے بدتر ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ مسجد کے اندر زنا کرنے کو تو حرام تصور کریں اور غیبت سے بچنے کا بالکل بھی اہتمام نہ کریں۔ یہ ہماری کوتاہی اور کم فہمی کی بات ہے، اس لئے ہمیں مسجد میں بیٹھ کر غیبت اور بہتان اور جھوٹ سے بہت زیادہ بچنا چاہئے۔ ایک گناہ کی کڑی دوسرے گناہ کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ جب ایک گناہ کا آغاز کریں گے تو اس کے ساتھ دس گناہ اور ہو جائیں گے۔ اس لئے گناہ سے بچنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ اپنی زبان کو تالا لگائیں، اگر زبان کھولیں تو یادِ الٰہی کے لئے کھولیں، تلاوت اور ذکر اللہ اور تسبیح کے علاوہ اور کچھ بھی ہماری زبان سے نہ نکلے۔

مسجد میں کاروباری باتیں کرنا

۲ دوسری قسم یہ ہے کہ مسجد میں بیٹھ کر جو باتیں کر رہے ہیں وہ اگرچہ

گناہ کی باتیں نہیں ہیں لیکن دنیاوی باتیں ہیں۔ مثلاً کاروباری معاملات کی باتیں کرنا، آپس کے معاملات کی باتیں کرنا، حالاتِ حاضرہ پر جائز گفتگو کرنا وغیرہ۔ بعض مرتبہ یہ سب باتیں مسجد کی صف اوّل میں بہت زور وشور سے ہوتی ہیں۔ مسجد میں اس قسم کی دنیاوی باتیں کرنا بھی گناہ ہے، اور اس مقصد کے لئے مسجد میں بیٹھنا بھی گناہ ہے۔ ایسی باتوں سے بہت بچنا چاہئے۔

مسجد میں ضروری بات کرنا

③ تیسری قسم یہ ہے کہ بعض اوقات مسجد میں بیٹھے ہوئے اچانک دنیا کی کوئی بات کہنی پڑ جاتی ہے۔ مثلاً کسی کو کوئی پیغام یا اطلاع دینے کی ضرورت پیش آگئی اور اس شخص سے مسجد میں ملاقات ہوگئی۔ اس کے بارے میں حکم شرعی یہ ہے کہ اس قسم کی ضرورت کی بات مسجد میں کہنے کی گنجائش ہے۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ جس سے وہ بات کہنی ہو اس کے قریب جاکر آہستگی سے وہ بات کہہ دیں تاکہ دوسروں کی عبادت میں خلل نہ آئے، البتہ بہتر یہ ہے کہ اس قسم کی جائز اور ضروری بات بھی مسجد میں نہ کریں بلکہ مسجد سے باہر کریں، جس کا طریقہ یہ ہے کہ جس سے وہ بات کہنی ہے اس کو اشارہ کرکے مسجد سے باہر بلالیں یا مسجد کے وضوخانے میں بلالیں اور وہاں اس سے وہ بات کرلیں، بہرحال! مسجد میں فضول باتیں کرنا، دنیاوی باتیں کرنا بڑا گناہ ہے۔ اس سے تو لاکھ درجہ بہتر یہ ہے کہ عین نماز کے وقت مسجد میں آئیں اور نماز پڑھنے کے بعد فوراً گھر چلے جائیں اور باتیں کرنے کے لئے مسجد میں نہ ٹھہریں۔ یہاں بیٹھ کر اللہ کے گھر کی بےحرمتی کرکے اپنی نیکیوں کو برباد نہ کریں۔ اب یہ دیکھئے کہ مسجد میں دنیاوی باتیں کرنے کا گناہ کتنا سنگین ہے اور اس پر کتنا عذاب اور وبال ہے۔

اس گناہ کی سنگینی

ہمارے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ؒ نے ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے جس کا نام "آداب المساجد" ہے ہم میں سے ہر شخص کو ضرور اس کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ اس رسالے میں مسجد کے آداب بھی بیان فرمائے ہیں اور یہ کہ کون کون سے کام مسجد میں کرنا جائز ہیں اور کون کون سے کام مسجد میں کرنا ناجائز ہیں، چونکہ ہم مسجد میں آتے ہیں اس لئے مسجد کے آداب اور اس کے مسائل سے باخبر رہنا ہم پر فرض ہے۔ ان مسائل سے بے خبری ہی کا نتیجہ ہے کہ ہم اس سنگین گناہ کے اندر مبتلا ہو رہے ہیں۔ اگر ہم ان مسائل سے باخبر ہوتے تو اس گناہ کے اندر مبتلا نہ ہوتے۔ اس رسالے میں حضرت ؒ نے دو حدیثیں تحریر فرمائی ہیں۔ ایک حدیث یہ کہ مسجد کے اندر باتیں کرنے والے کی نیکیاں اس طرح ختم ہو جاتی ہیں جس طرح آگ سے جل کر لکڑی ختم ہو جاتی ہے۔ مسجد میں تو ہم اس لئے آتے ہیں تاکہ نیکیوں کا ذخیرہ جمع کریں، اس لئے تو نہیں آتے کہ ہماری نیکیاں جل کر ختم ہو جائیں، لیکن ہم اپنی لاعلمی کی وجہ سے اس گناہ میں مبتلا ہو کر ان نیکیوں کو ختم کر کے مسجد سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ یہ کتنے خسارے کی بات ہے۔

مسجد میں باتیں کرنے پر وعید

دوسری حدیث یہ ہے کہ جب کوئی شخص مسجد میں دنیاوی باتیں کرنے لگتا ہے تو ملائکہ اس شخص سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں **اسکت یا ولی اللہ** اے اللہ کے ولی خاموش ہو جا۔ تیرے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ تو اللہ کے گھر میں بیٹھ کر ایسی باتیں کرے جس سے تیرا خالق و مالک اور تیرا پروردگار ناراض ہو۔

وہ کام کر جس سے تیرا خالق و مالک خوش ہو، اگر وہ شخص خاموش ہو جاتا ہے تب تو ٹھیک لیکن اگر وہ باز نہیں آتا اور برابر باتیں کرتا رہتا ہے تو فرشتے دوبارہ ان الفاظ سے مخاطب ہوتے ہیں کہ **اسکت یا بغیض الله** او اللہ کی نظر سے گر جانے والے خاموش ہو جا۔ دیکھئے! ذرا سی دیر میں ولایت چھن گئی اور اللہ کے دوست اور ولی ہونے کا لقب چھن گیا اور اب اللہ کا مبغوض اور ناپسندیدہ بن گیا۔ اگر وہ اب بھی خاموش ہو جائے تو غنیمت ہے۔ لیکن اب بھی اگر وہ خاموش نہیں ہوتا بلکہ مسلسل دنیاوی باتیں کرتا رہتا ہے اور مسجد کا احترام نہیں کرتا تو اب تیسری مرتبہ فرشتے اس سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ **اسکت لعنة الله عليك** خاموش ہو جا، تجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔ (المدخل، لابن الحاج، ج ۲، ص ۵۵)

اس سے زیادہ اللہ کا غضب اور ناراضگی اور کیا ہوگی۔ تھوڑی دیر پہلے جس کو ''ولی اللہ'' کہہ کر مخاطب کیا تھا، اب اسی کو ''اللہ کے دشمن'' کا لقب مل رہا ہے، اور پھر اس پر لعنت کی جا رہی ہے، اور لعنت اللہ تعالیٰ کی سخت ناراضگی کا نام ہے اور یہ تو اللہ تعالیٰ کے غضب کی خوف ناک حد ہے۔ ذرا دیر کے لئے غور کریں کہ ہم مسجد میں اللہ کو راضی کرنے کے لئے آتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینے کے لئے آتے ہیں۔ اس لئے جب بھی مسجد میں آئیں تو اس بات کا خصوصی خیال رکھیں کہ بجز اللہ تعالیٰ کی یاد کے دنیا جہاں کی کوئی بات نہ کریں اور اس مذکورہ بالا وعید کو ذہن میں رکھیں۔

ایک عبرتناک حدیث

ایک کتاب کا نام ''دقائق الاخبار'' ہے اس میں بھی مسجد میں دنیاوی باتیں کرنے کے بارے میں ایک روایت ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب

قیامت کے روز تمام لوگ میدانِ حشر میں جمع ہوں گے تو بچھو کی نسل کا ایک جانور نکلے گا جس کا نام حریش ہوگا، اُس کا سر آسمان پر ہوگا اور اس کی دم زمین پر ہوگی، اتنا بڑا جانور ہوگا، اور وہ ستر مرتبہ یہ آواز لگائے گا کہ این من بارز الرحمٰن، واین من حارب الرحمٰن وہ لوگ کہاں ہیں، جنہوں نے اللہ رب العالمین کو مقابلہ کی دعوت دی ہے؟ اور کہاں ہیں وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے جنگ کا اعلان کیا ہے؟ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام اس جانور سے مخاطب ہوکر پوچھیں گے: اے حریش! تجھے کن لوگوں کی تلاش ہے؟ جواب میں وہ کہے گا مجھے پانچ آدمیوں کی تلاش ہے۔ (ان پانچ آدمیوں میں سے ایک وہ شخص ہوگا جو مسجد میں بیٹھ کر دنیاوی باتیں کرتا ہوگا۔ چنانچہ وہ اعلان کرے گا)

این من یتحدث بحدیث الدنیا فی المساجد؟ کہ وہ لوگ کہاں ہیں جو مساجد میں بیٹھ کر دنیا کی باتیں کیا کرتے تھے؟ اس اعلان کے بعد وہ جانور اپنا کام اس طرح شروع کرے گا کہ اپنی گردن سے ان پانچ قسم کے لوگوں کو ایک ایک کر کے اُچک لے گا اور اپنے منہ میں جمع کرتا جائے گا اور پھر ان سب کو لے کر جہنم کے اندر چلا جائے گا۔ (صفحہ ۳۸)

چھوٹے بچوں کو مسجد میں لانا

بچوں کی پہلی قسم وہ ہے جو ابھی معصوم اور چھوٹے ہیں اور جن کو مسجد کا شعور ہی نہیں، نہ ان کو مسجد کے آداب کا علم ہے، نہ ان کو نماز کی خبر ہے اور نہ ان کو یہ علم ہے کہ یہ مسجد اللہ کی عبادت کی جگہ ہے۔ اور ان بچوں سے یہ بھی خطرہ ہے کہ وہ مسجد میں پیشاب کر دیں یا مسجد میں کھیلیں کودیں اور اس کی بے حرمتی کریں، جیسے پانچ چھ سال کی عمر تک کے بچے ہوتے ہیں۔ ایسے بچوں کے بارے

میں شرعی حکم یہ ہے کہ ان کو مسجد میں لانا جائز نہیں اور ماں باپ کو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ ایسے بچے مسجد میں نہ لائیں۔ اور اگر ایسے بچے مسجد میں لائیں گے اور وہ آکر مسجد کی بے حرمتی کریں گے تو ماں باپ گناہ گار ہوں گے، اس لئے کہ وہ بچے خود تو معصوم ہیں۔ مسجد کی انتظامیہ بھی ایسے بچوں کو مسجد میں آنے سے روک سکتی ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ شریعت میں ہر چیز کی حد مقرر ہے اور ان حدود ہی کا نام دین ہے، اور ان حدود کی ہم سب کو پابندی کرنی ہے۔

بچوں کی دوسری قسم وہ ہے جو ان سے ذرا بڑے ہوتے ہیں جو سات سال سے ۱۱ سال تک کی عمر کے ہوتے ہیں، ایسے بچے مسجد کو مسجد سمجھتے ہیں۔ اس کا تھوڑا بہت احترام بھی کرتے ہیں۔ لیکن ابھی پوری سمجھ نہ ہونے کی وجہ سے مسجد کا پورا احترام بجالانے سے قاصر ہیں۔ ایسے بچوں کو مسجد میں لانا جائز ہے، لیکن نہ لانا بہتر ہے۔

بچوں کی تیسری قسم وہ ہے جو بالغ ہونے کے قریب ہیں۔ جن کی عمر ۱۲ سال سے ۱۴ سال تک کی ہوتی ہے۔ البتہ ۱۵ سال کی عمر کا بچہ شرعاً بالغ سمجھا جاتا ہے، چاہے اس کے اندر بالغ ہونے کی علامات ظاہر ہوں یا نہ ہوں، ایسے بچوں کے بارے میں حکم یہ ہے کہ ان کو مسجد میں لانا چاہئے، کیونکہ ان پر نماز فرض ہو گئی ہے اور ان پر مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنا واجب ہو جائے گی۔ اگر ہم نے پہلے سے ان کو نماز باجماعت کا عادی نہیں بنایا تو بالغ ہونے کے بعد عادت پڑنے میں وقت لگے گا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ نمازیں بھی قضاء کریں گے اور جماعت بھی چھوڑیں گے۔ لہٰذا جب بچہ بالغ ہونے کے قریب ہو جائے تو اس کو مسجد میں لانا شروع کردیں، اور گھر میں اس کو بتاتے رہیں کہ وہاں شور و شغب

نہیں کرتے۔ ایسے بچوں کو مسجد کی جماعت میں بھی شامل کریں۔

مسجد کی جماعت میں صفیں بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے مردوں کی صفیں بنائیں پھر اس کے بعد بچوں کی صفیں بنائیں۔ یہی سنت طریقہ ہے، اور نماز شروع ہونے کے بعد جو لوگ آئیں وہ ان بچوں ہی کی صفوں میں دائیں اور بائیں شامل ہو جائیں۔

لیکن بعض لوگ اس موقع پر ایک غلطی کرتے ہیں، وہ یہ کہ نماز شروع ہونے کے بعد جب وہ لوگ مسجد میں آتے ہیں اور صف میں شامل ہوتے ہیں اور بچوں کو صف میں کھڑا دیکھتے ہیں تو ان کا طرز عمل یہ ہوتا ہے کہ وہ بچوں کو پیچھے کر دیتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص آیا اور بچے کو صف میں کھڑا دیکھ کر اس کو کان سے پکڑ کر پیچھے کی صف میں کھڑا کر دیا، اور اگر بچہ تھوڑی ضد کرے تو اس کو دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر پیچھے کی صف میں کھڑا کر دیتے ہیں، اکثر مساجد میں آپ کو یہ تماشہ نظر آئے گا۔ اب جو شخص بھی آرہا ہے وہ یہ عمل کر رہا ہے۔ فرض کریں کہ اگر بچہ جماعت کھڑی ہوتے وقت پہلی صف میں تھا تو سلام کے وقت وہ آخری صف میں پہنچ جاتا ہے، اس لئے کہ ہمارے یہاں عموماً جماعت کھڑی ہوتے وقت نمازی تھوڑے ہوتے ہیں اور اکثریت بعد میں آنے والوں کی ہوتی ہے۔ اب جو بھی بعد میں آتا ہے وہ بچوں کو پچھلی صف میں دھکیل دیتا ہے اور خود اس کی جگہ کھڑا ہو جاتا ہے اور ذہنوں میں یہ بات بیٹھی ہے کہ بچوں کے برابر میں کھڑے ہونے سے نماز نہیں ہوتی، یہ بات بالکل غلط ہے، ذہن کو اس سے بالکل صاف کر لینا چاہئے۔ شرعی حکم یہ ہے کہ آپ بچوں کے برابر میں کھڑے ہو جائیں، چاہے بچہ اگلی صف میں ہو یا پچھلی صف میں، دائیں طرف کھڑا ہو یا بائیں طرف

ہو، اس کی وجہ سے بالغان کی نماز میں کوئی خلل نہیں آتا۔

ایک اور مسئلہ

ایک مسئلہ یہ یاد رکھئے کہ بچوں کی نماز بچ نماز ہے، اگرچہ وہ بالغ نہیں ہیں جس کی وجہ سے ان کی نماز چاہے فرض نہ ہو، لیکن وہ نفل نماز ضرور ہے۔ جس طرح ہماری نفل نماز ہے، اسی طرح بچوں کی نفل نماز ہے اور جس طرح ہمیں کوئی شخص اگلی صف سے پچھلی صف میں کھینچ کر نہیں لاتا اور اگر کوئی یہ حرکت کرے تو ہم لڑنے مرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ اسی طرح بچوں کو بھی اگلی صف سے کھینچ کر پچھلی صف میں نہیں لانا چاہئے۔ اسی وجہ سے حضراتِ فقہاء کرام رحمہم اللہ نے یہ مسئلہ لکھا ہے کہ اگر صف پوری ہو چکی ہو اور اس کے بعد ایک شخص آیا اور اس نے دیکھا کہ اگلی صف مکمل ہو چکی ہے تو وہ اگلی صف سے ایک شخص کو پکڑ کر پچھلی صف میں لائے پھر دونوں مل کر پچھلی صف میں کھڑے ہو جائیں، لیکن ساتھ ہی حضراتِ فقہاء کرام رحمہم اللہ نے یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب اس شخص کو یہ مسئلہ معلوم ہو جس کو آپ پیچھے کھینچ رہے ہیں اور جب آپ اس کو کھینچیں گے تو وہ آرام سے پیچھے آجائے گا، اور اگر اندازہ یہ ہے کہ وہ شخص پیچھے آنے کے بجائے لڑنے کے لئے تیار ہو جائے گا تو اس صورت میں اکیلے ہی پچھلی صف میں کھڑے ہو جائیں اور دوسروں کی نماز خراب نہ کریں۔

بعد میں آنے والے پیچھے صف بنائیں

بہرحال! جس طرح ہم اپنے لئے اس بات کو ناقابل گوارہ سمجھتے ہیں کہ کوئی شخص ہمیں کھینچ کر پیچھے کرے، تو پھر یہ بچے کیسے گوارہ کرلیں گے کہ

ان کو پیچھے کیا جائے۔ لہٰذا جب بچہ اپنی صحیح جگہ پر کھڑا ہوا ہے تو اس کو اس کی جگہ سے ہٹانا جائز نہیں، ان کو چاہئے کہ بچوں کے دائیں اور بائیں کھڑے ہو جائیں اور جب وہ بچوں والی صف پوری ہو جائے تو باقی لوگ اپنی صف بچوں کے پیچھے بنائیں، اس لئے کہ یہ بعد میں آنے والے خود تاخیر سے آئے ہیں اور مجبوراً ان کو پیچھے کھڑا ہونا پڑا، اب بچوں کو پیچھے ہٹانا اور خود ان کی جگہ پر کھڑے ہو جانا بالکل درست نہیں۔ گناہ کی بات ہے اور اس عمل کے ذریعہ ہم ان کی نماز فاسد کرتے ہیں، جس کا عذاب اور وبال ہماری گردن پر ہوگا۔

بچوں کو مردوں کی صفوں میں کھڑا کرنا

دوسری صورت یہ ہے کہ جو بچے مسجد میں نماز پڑھنے آرہے ہیں اگر وہ غیر تربیت یافتہ ہیں اور ہم نے ان کی کوئی تربیت نہیں کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اگرچہ وہ بالغ ہونے کے قریب ہیں، لیکن مسجد میں بھاگتے دوڑتے رہتے ہیں، کھیل کود کرتے ہیں، مسجد میں باتیں کرتے رہتے ہیں۔ ایسے غیر تربیت یافتہ بچے جب مسجد میں آئیں تو اگر ان سب بچوں کو ایک ساتھ کھڑا کیا جائے گا تو سب آپس میں شرارتیں کریں گے، اور ایک دوسرے کو نماز میں دھکے دیں گے، جس کی وجہ سے ان مردوں کی بھی نماز فاسد ہو سکتی ہے جو ان کے دائیں بائیں کھڑے ہوں گے۔ لہٰذا ایسے بچوں کے بارے میں حکم یہ ہے کہ ان کی علیحدہ صف نہ بنائی جائے، بلکہ ان کو بالغان کی صفوں میں متفرق طور پر کھڑا کر دیا جائے، کسی کو دائیں طرف اور کسی کو بائیں طرف، تاکہ نہ تو ان بچوں کی نماز خراب ہو اور نہ مردوں کی نماز خراب ہو اور اگر ایک دو بچے ہوں تو ان کو مردوں کی صف میں کھڑا کر دینا بلا کراہت جائز ہے۔ لہٰذا ہمارے ذہنوں میں جو یہ

بات بیٹھی ہوئی ہے کہ اگر بچے مردوں کی صفوں میں شامل ہوں تو مردوں کی نماز فاسد ہو جاتی ہے، یہ تصور غلط ہے، اس کی اصلاح کر لینی چاہئے۔

مسجد میں آنے والے بچوں کو ڈانٹنا

مسجد میں آنے والے بچے بہرحال! بچے ہوتے ہیں۔ آپ ان کو کتنا بھی سمجھالیں، وہ بچے بچے رہیں گے، وہ بڑے ابا تو نہیں بنیں گے اور شرارت کرنا ان کی فطرت ہے لہٰذا جب وہ مسجد میں آئیں گے تو کچھ نہ کچھ شرارت ان سے ہو ہی جائے گی۔ لیکن اس وقت ہم بچوں کے ساتھ بہت نازیبا طرزِ عمل کرتے ہیں، وہ یہ کہ جب کوئی بچہ مسجد میں کوئی شرارت کرتا ہے تو ہم اس کو بُری طرح ڈانٹ دیتے ہیں، اور بعض لوگ ایسی گرجدار آواز سے ڈانٹتے ہیں کہ جس سے بچے کے پیشاب خطا ہونے کا ڈر لگتا ہے اور اس بچے کو اس طرح مسجد سے نکال دیتے ہیں جس طرح کسی کتے کو بھگایا کرتے ہیں۔ یہ بہت بدتمیزی کی بات ہے اور ناجائز ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا فلیس منّا

(ترمذی ج۲ ص۱۴، بتقدیم لفظ لیس منا)

جو ہمارے چھوٹوں پر رحم اور شفقت نہ کرے اور جو ہمارے بڑوں کا احترام نہ کرے، وہ ہم سے نہیں ہے، یعنی ایسا شخص میرے طریقے پر اور میری سنت پر قائم نہیں ہے۔ کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی بچے کو ڈانٹا تھا؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنے بچپن کے دس سال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزارے، ان کی والدہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے ان کو آپ کی خدمت کے لئے آپ کے پاس چھوڑ دیا تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس دس سال کے عرصے میں

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ایک مرتبہ بھی نہیں ڈانٹا، اور نہ کبھی آپ نے یہ پوچھا کہ یہ کام کیوں کیا؟ اور فلاں کیوں نہیں کیا؟ (مسلم شریف، ج ۲، ص ۲۵۳)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بچوں کے ساتھ طرزِ عمل

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک روز کسی کام کے لئے بھیجا، میں نے کہا خدا کی قسم میں نہیں جاؤں گا اور دل میں یہ بات تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس کام کے لئے حکم فرمایا ہے ضرور جاؤں گا غرض یہ کہ میں چل دیا، بازار میں مجھے بچے کھیلتے ہوئے ملے (میں انہیں دیکھنے لگا حضور میرا انتظار فرما کر وہاں تشریف لائے) اچانک میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیچھے سے میری گدی پکڑے ہوئے ہیں، میں نے آپ کی طرف دیکھا تو آپ مسکرا رہے تھے اور فرمایا اُنیس! جہاں جانے کے لئے میں نے تم سے کہا تھا تم وہاں گئے میں نے عرض کیا ہاں اللہ کے رسول جا رہا ہوں۔ (مسلم، ج ۲، ص ۲۵۳)

حالانکہ یہ غصہ کرنے کا موقع تھا کہ ہم نے تمہیں کام کے لئے بھیجا اور تم کھیل میں لگ گئے؟ لیکن رحمۃ للعالمین جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفقت اور رحمت کا یہ عالم تھا کہ اس موقع پر بھی آپ نے مسکرا کر صرف اتنا فرمایا کہ تمہیں ہم نے جس کام کے لئے بھیجا تھا۔ وہاں گئے؟ بس اس سے زیادہ کچھ نہیں فرمایا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت تو یہ ہے۔

بچوں کے ساتھ شفقت کا معاملہ کریں

اور ہمارا طرزِ عمل یہ ہے کہ ہم مسجد میں دوسروں کے بچوں کو اس طرح ڈانٹتے ہیں کہ اپنے بچوں کو بھی اس طرح نہیں ڈانٹتے۔ بچوں کے ساتھ یہ بے رحمی کا معاملہ کرنا کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے؟ جب یہ آپ کی سنت ہے اور ہم مسلمان ہیں اور آپ کے امتی ہیں تو ہمارے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہی قابل عمل ہونا چاہئے، اور ایک بات یہ بھی ہے جو شخص غصے میں بچوں کو ڈانٹتا ہے اس کا کبھی پائیدار اثر نہیں ہوتا، اس وقت وقتی طور پر وہ سہم جائیں گے مگر وہ بچے وہ عمل دوبارہ کریں گے۔ لیکن اگر آپ پیار سے ان کو سمجھائیں گے کہ مسجد میں خاموش رہتے ہیں۔ شرارت نہیں کرتے ہیں۔ اس کا ادب کرتے ہیں۔ تو وہ بچہ آپ کی بھی عزت کرے گا اور انشاء اللہ دوبارہ وہ شرارت نہیں کرے گا۔ لہٰذا جب آپ اس بچے کی عزت کریں گے، اس کا احترام کریں گے تو وہی بچہ بڑا ہو کر آپ کی خدمت کرے گا۔ بشرطیکہ آپ نے اس کے ساتھ شفقت کا معاملہ کیا ہو۔ لیکن اگر آج آپ اس کو اس طرح ڈانٹ دیں گے تو کل وہ آپ کی طرف رخ بھی نہیں کرے گا۔ لہٰذا جب ہم مسجد میں آنے والے بچوں کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کریں گے تو بچے ضروریات قبول کریں گے اور ان کے دل میں بات اترے گی۔ اور اگر اس طرح ان کے ساتھ نازیبا برتاؤ کریں گے تو ہم گناہ گار بھی ہوں گے اور بچوں کی بھی اصلاح نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ○

نماز کی بعض اہم کوتاہیاں

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ناشر: میمن اسلامک بکس

دکان نمبر ۲۹، نایاب جامع مسجد لیاقت آباد ڈاک خانہ، کراچی ۱۹

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ
وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ
عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ٥
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى
اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى
اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ٥

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نماز کی بعض اہم کوتاہیاں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ. وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا. مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ. وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ. وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ. صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط وَ ھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ○ لا (سورۂ ملک، آیت ۲)

اپنی اصلاح کریں

اس وقت میں ایک اہم عمل کی دو کوتاہیوں کی طرف آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں، تاکہ وہ کوتاہیاں دور ہو جائیں۔ ویسے تو ہماری ہر حالت قابل اصلاح ہے، اور ہمارا ہر عمل کوتاہیوں سے بھرا ہوا ہے، لیکن بعض اعمال جو بہت اہم ہیں۔ ان میں ہونے والی کوتاہی بہت زیادہ قابل توجہ اور قابل اصلاح ہے۔ یہ کوتاہی عام مردوں، عورتوں، لڑکوں اور لڑکیوں میں پائی جاتی ہے اور ہم سب کا اصل مقصد یہی ہے کہ ہم سب اپنی اصلاح کریں اور اپنے اعمال و اخلاق میں جو خرابیاں پائی جاتی ہیں، ان کو دور کرنے کی کوشش کریں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کوتاہیوں کو ختم کرنے اور اپنی اصلاح کی فکر عطا فرمائیں۔ آمین۔

نماز کی اہمیت

وہ اہم ترین عمل جس میں یہ دو کوتاہیاں پائی جاتی ہیں۔ وہ نماز ہے، یہ پانچ وقت کی نماز جو ہم پڑھتے ہیں۔ یہ معمولی عمل نہیں ہے، یہ بہت اہم ترین عمل ہے، اللہ تعالیٰ اس کی اہمیت ہمارے دلوں میں پیدا کر دے۔ آمین۔ اللہ تعالیٰ نے ابتداء، پچاس نمازیں فرض فرمائی تھیں، اور پھر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے صرف پانچ نمازیں باقی رہ گئیں۔ پینتالیس نمازیں اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیں، اور صرف معاف ہی نہیں فرمائیں، بلکہ یہ بھی فرمادیا کہ ہم پانچ نمازوں پر پچاس نمازوں کا ثواب بھی عطا فرمائیں گے۔ آپ اندازہ لگائیں کہ چوبیس گھنٹے میں پچاس نمازیں فرض ہونا معمولی بات نہیں، بلکہ یہ اس کی غیر معمولی اہمیت کی دلیل ہے، اور ان پانچ نمازوں کی اہمیت کے بارے میں

بعض روایت میں عجیب بات بیان کی گئی ہے۔ (مسند احمد، ج ۱، ص ۳۱۰)

سب سے پہلے نماز فجر حضرت آدم علیہ السلام نے ادا کی

وہ یہ کہ ہم جو فجر کی نماز ادا کرتے ہیں، اور اس میں دو رکعتیں فرض پڑھتے ہیں اس کی حکمت یہ ہے کہ فجر کی نماز سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے ادا فرمائی، جس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں اتارا، اس وقت دنیا میں رات چھائی ہوئی تھی، حضرت آدم علیہ السلام جنت کی روشنی سے نکل کر دنیا کی اس تاریک اور اندھیری رات میں دنیا میں تشریف لائے، اس وقت ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا، حضرت آدم علیہ السلام کو بڑی تشویش اور پریشانی لاحق ہوئی کہ یہ دنیا اتنی تاریک ہے، یہاں زندگی کیسے گزرے گی؟ نہ کوئی چیز نظر آتی ہے، نہ جگہ سمجھ میں آتی ہے کہ کہاں ہیں اور کہاں جائیں؟ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے، چنانچہ خوف محسوس ہونے لگا، اس کے بعد آہستہ آہستہ روشنی ہونے لگی، اور صبح کا نور چمکنے لگا، صبح صادق ظاہر ہوئی تو حضرت آدم علیہ السلام کی جان میں جان آئی، اس وقت حضرت آدم علیہ السلام نے سورج نکلنے سے پہلے دو رکعتیں بطور شکرانہ ادا فرمائیں۔ ایک رکعت رات کی تاریکی جانے کے شکرانے میں ادا فرمائی، اور ایک رکعت دن کی روشنی نمودار ہونے کے شکرانے میں ادا فرمائی، یہ دو رکعتیں اللہ تعالیٰ کو اتنی پسند آئیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر فرض فرما دیا۔

نماز ظہر کی فرضیت

اسی طرح ظہر کی چار رکعت ہم ادا کرتے ہیں۔ یہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ادا فرمائی تھیں، اور اس وقت ادا فرمائی تھیں جس وقت

وہ اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کے امتحان میں کامیاب ہو گئے تھے، ایک رکعت تو اس امتحان میں کامیابی پر شکرانہ کے طور پر ادا فرمائی کہ یا اللہ! آپ کا شکر ہے کہ آپ کی مدد سے میں اس مشکل امتحان میں کامیاب ہوگیا۔ دوسری رکعت اس بات کے شکرانے میں ادا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے عوض جنت سے ایک مینڈھا اتار دیا، چونکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ایک خصوصی انعام تھا، اس لئے اس کے شکرانے کے طور پر دوسری رکعت ادا فرمائی۔ تیسری رکعت اس شکرانے میں ادا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر براہ راست حضرت ابراہیم علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰۤاِبْرٰهِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ (الصافات: ۱۰۴،۱۰۵)

یعنی ہم نے آواز دی! اے ابراہیم (علیہ السلام) بلاشبہ تم نے اپنا خواب سچا کر دکھایا۔ ہم نیکوکاروں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔

اس خطاب کے شکرانے میں تیسری رکعت ادا فرمائی۔ چوتھی رکعت اس بات کے شکرانے میں ادا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا صابر بیٹا عطا فرمایا جو اس سخت امتحان کے اندر بھی نہایت صابر اور متحمل رہا اور صبر کا پہاڑ بن گیا۔ اگر وہ متزلزل ہو جاتا تو میرے لئے اللہ کا حکم پورا کرنا دشوار ہو جاتا، چنانچہ خواب دیکھنے کے بعد بیٹے ہی سے مشورہ کیا کہ اے بیٹے! میں نے یہ خواب دیکھا ہے۔ تم غور کرلو، تمہارا کیا ارادہ ہے؟ بیٹے نے جواب دیا: بابا جان! آپ کو جو حکم ملا ہے وہ آپ کر گزریئے، عنقریب انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ ایسے صابر اور متحمل بیٹا ملنے کے شکرانے میں چوتھی رکعت ادا فرمائی۔ اس طرح یہ چار رکعتیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ظہر کے وقت بطور شکرانے کے ادا فرمائی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کو ایسی پسند آئیں کہ سرکار دو عالم ﷺ کی امت پر فرض فرمادیں۔

(عنایہ مع فتح القدیر، ج ۱، ص ۱۹۴)

نماز عصر کی فرضیت

نماز عصر کی چار رکعتیں سب سے پہلے حضرت یونس علیہ السلام نے ادا فرمائیں۔ جس وقت وہ مچھلی کے پیٹ میں تھے، وہاں انہوں نے اللہ تعالیٰ کو پکارا جس کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح نقل فرمایا ہے:

فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾

(الانبیاء: ۸۷، ۸۸)

پس انہوں نے ہمیں تاریکیوں میں پکارا کہ ''لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۷﴾'' تو ہم نے ان کی دعا قبول کرلی، اور ہم نے ان کو اس گھٹن سے نجات دیدی (جو ان کو مچھلی کے پیٹ میں ہورہی تھی) اسی طرح ہم ایمانداروں کو نجات دیتے ہیں۔

چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو مچھلی کے پیٹ سے باہر نکالا تو انہوں نے شکرانے کے طور پر چار رکعت نماز ادا کی، اور چار رکعتیں اس لئے ادا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو چار تاریکیوں سے نجات عطا فرمائی تھی، ایک مچھلی کے پیٹ کی

تاریکی سے، دوسرے پانی کی تاریکی سے، تیسرے بادل کی تاریکی سے اور چوتھے رات کی تاریکی سے، ان چار تاریکیوں سے نجات کے شکرانے میں عصر کے وقت حضرت یونس علیہ السلام نے چار رکعت نماز ادا فرمائی، اللہ تعالیٰ کو یہ چار رکعت اتنی پسند آئیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر ان کو فرض فرمادیا۔

(عنایہ)(فتح القدیر، ج۱، ص ۱۹۴)

نماز مغرب کی فرضیت

مغرب کی تین رکعتیں سب سے پہلے حضرت داؤد علیہ السلام نے ادا فرمائیں، اگرچہ انبیاء علیہم السلام سے گناہ سرزد نہیں ہوتے، وہ گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں، لیکن بعض اوقات کوئی نامناسب کام، یا کوئی لغزش، یا کوئی خلاف ادب کام بھی ان سے ذرہ برابر سرزد ہو جائے تو اس پر بھی انہیں تنبیہ کی جاتی ہے، اور ان کو توجہ دلائی جاتی ہے، اور ان کی اصلاح کی جاتی ہے۔ بہرحال! حضرت داؤد علیہ السلام کی کسی لغزش کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے ان کی بخشش کا اعلان فرمایا کہ! "فغفرناله ذلك" یعنی ہم نے ان کی مغفرت کردی تو اس وقت حضرت داؤد علیہ السلام نے اس بخشش کے شکرانے میں مغرب کے وقت چار رکعت نماز کی نیت باندھی۔ جب تین رکعت ادا فرمالیں تو اس کے بعد آپ پر اپنی لغزش کے احساس کا ایسا غلبہ ہوا کہ آپ پر بے ساختہ گریہ طاری ہوگیا، اور ایسا گریہ طاری ہوا کہ اس کی شدت کی وجہ سے چوتھی رکعت نہ پڑھ سکے۔ چنانچہ تین رکعت ہی پر آپ نے اکتفا فرمایا اور چوتھی رکعت پڑھنے کی ہمت نہ رہی، یہ تین رکعت اللہ تعالیٰ کو اتنی پسند آئیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر ان کو مغرب کے وقت فرض فرمادیا۔

نمازِ عشاء کی فرضیت

عشاء کے وقت چار رکعت ہم ادا کرتے ہیں۔ اس کے بارے میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ نماز ادا فرمائی، جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس دس سال قیام کرنے کے بعد اپنے اہل وعیال کے ساتھ مصر واپس تشریف لا رہے تھے، اور آپ علیہ السلام کی اہلیہ امید سے تھیں، ولادت کا وقت قریب تھا، اور سفر بھی خاصا طویل تھا۔ اس وجہ سے آپ کو بڑی فکر لاحق تھی کہ یہ اتنا لمبا سفر کیسے پورا ہوگا؟ دوسرے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی فکر تھی، تیسرے فرعون جو آپ کا جانی دشمن تھا۔ اس کا خوف اور اس کی طرف سے فکر لاحق تھی، اور چوتھے ہونے والی اولاد کی فکر لاحق تھی۔ ان چار پریشانیوں کے ساتھ آپ سفر کر رہے تھے، پھر سفر کے دوران صحیح راستے سے بھی ہٹ گئے جس کی وجہ سے پریشانی میں اور اضافہ ہوگیا، اسی پریشانی کے عالم میں چلتے چلتے آپ کوہ طور کے قریب اس کے مغربی اور داہنی جانب پہنچ گئے، رات اندھیری ٹھنڈی اور برفانی تھی، اہلیہ محترمہ کو ولادت کی تکلیف شروع ہوگئی، چقماق پتھر سے آگ نہ نکلی، اسی حیرانی و پریشانی کے عالم میں دیکھا کہ کوہ طور پر کچھ آگ جل رہی ہے، آپ علیہ السلام نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ آپ یہاں ٹھریں، میں کوہ طور سے آگ کا کوئی شعلہ لے کر آتا ہوں۔ جب کوہ طور پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا اور آپ کو بطور خاص ہم کلامی کی نعمت سے نوازا گیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ۝ اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ

فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿١٢﴾ وَ
أَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحَىٰ ﴿١٣﴾ (طٰہٰ، آیت ۱۱ تا ۱۳)

پھر جب وہ اس آگ کے پاس پہنچے تو ان کو منجانب اللہ آواز دی گئی کہ اے موسیٰ! میں تمہارا رب ہوں، آپ اپنے جوتے اتار دیں۔ اس لئے کہ آپ مقدس وادی طوی میں ہیں، اور میں نے آپ کو اپنی رسالت کے لئے منتخب کرلیا ہے۔ لہٰذا جو وحی آپ کی طرف بھیجی جا رہی ہے۔ اس کو غور سے سنیں۔

بہر حال! جب اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ انعام حاصل ہوا تو آپ کی چاروں پریشانیوں کا خاتمہ ہوگیا۔ کسی نے بڑا اچھا شعر کہا ہے۔

تو ملے تو کوئی مرض نہیں
نہ ملے تو کوئی دوا نہیں

اس موقع پر عشاء کے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان چار پریشانیوں سے نجات کے شکرانے میں چار رکعت نماز ادا فرمائی، یہ چار رکعت اللہ تعالیٰ کو اتنی پسند آئیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر ان کو فرض کردیا۔
(عنایہ) (فتح القدیر، ج ۱، ص ۱۹۶)

دوسری روایت یہ ہے کہ یہ عشاء کی نماز سب سے پہلے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا فرمائی (**بذل المجهود**) اس لئے یہ نماز بہت اہم عمل ہے۔

اسی وجہ سے آخرت میں عقائد کے بعد سب سے پہلے نماز ہی کے بارے میں سوال ہوگا، حدیث شریف میں ہے کہ جس شخص کی نماز صحیح نکلے گی،

اس کے باقی اعمال بھی صحیح نکلتے چلے جائیں گے، اور خدانخواستہ اگر اس کی نماز صحیح نہ نکلی تو پھر اس کے باقی اعمال بھی بگڑے ہوئے اور خراب نکلیں گے اور وہ مصیبت میں گرفتار ہوتا چلا جائے گا، اس لئے نماز کو بہت زیادہ اہتمام کے ساتھ سدھارنے اور سنوارنے کی ضرورت ہے، اور یوں تو کسی عمل میں بھی کوتاہی نہ ہونی چاہئے۔ لیکن نماز کے معاملے میں بہت زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔

نمازی آدمی دوسرے فرائض بھی بخوبی انجام دیتا ہے

ہمارے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان سنایا کرتے تھے کہ انہوں نے اپنی خلافت کے دور میں تمام گورنروں کے نام یہ فرمان جاری کیا تھا کہ:

> "تمہارے جتنے فرائض اور جتنی ذمہ داریاں ہیں، میرے نزدیک ان میں سب سے اہم چیز نماز ہے، جس نے اس کا حق ادا کیا تو میں توقع کرتا ہوں کہ وہ باقی فرائض بھی خوش اسلوبی سے انجام دے گا، اور جس شخص نے نماز کو ضائع کردیا۔ تو وہ دوسرے فرائض کو اس سے زیادہ ضائع کریگا اور ان میں کوتاہی کرے گا۔"

حقیقت یہ ہے کہ ایک مومن کی کسوٹی اس کی نماز ہے۔ جس شخص کی نماز مکمل ہوگی، وہ انشاء اللہ روزے بھی رکھے گا۔ وہ حج بھی کرے گا۔ زکوۃ بھی دے گا، اور دوسرے حقوق بھی ادا کرے گا، اور جو شخص نماز ہی نہیں پڑھتا تو وہ روزے کیسے رکھے گا؟ دوسرے اعمال صالحہ اور حقوق کی طرف کیسے توجہ دے

گا؟ اس لئے یہ ضروری ہے کہ نماز کی طرف ہماری خاص توجہ ہو، اور نماز میں جو کوتاہیاں ہم سے سرزد ہو رہی ہیں۔ وہ ہم سے دور ہوں اور ہم ان کوتاہیوں کو دور کرنے کی فکر کریں۔

بدترین چور

نماز کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور ارشاد ہے، آپ نے فرمایا بدترین چور وہ ہے جو نماز میں سے چوری کرے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، نماز میں سے کیسے چوری کرے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ (نماز میں چوری یہ ہے کہ نمازی) اس کا رکوع سجدہ صحیح نہ کرے، اچھی طرح نہ کرے (الترغیب) جس طرح سنت کے مطابق ادائیگی ہونی چاہئے، اس طرح ان کی ادائیگی نہ کرے۔ یہ نماز کی چوری ہے۔ یہ کوتاہیاں جو میں ابھی عرض کرنے والا ہوں، ان سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ ان کی وجہ سے نماز میں کس قدر خرابی اور بگاڑ پیدا ہوتا ہے، اور افسوس، ان کی طرف ہماری توجہ نہیں۔

قومہ اور جلسہ کی کوتاہیاں

عام طور پر نماز میں چار جگہوں پر ہم سے کوتاہی ہوتی ہے۔

- ایک رکوع میں
- دوسرے سجدے میں
- تیسرے قومہ میں
- چوتھے جلسہ میں

جہاں تک رکوع اور سجدہ کا تعلق ہے، وہ تو کسی نہ کسی طرح ہم ادا کر ہی لیتے ہیں، اگرچہ اکثر سنت کے مطابق نہیں کرتے، لیکن ''قومہ'' اور ''جلسہ'' میں بہت زیادہ کوتاہی پائی جاتی ہے۔ رکوع اور سجدہ فرض ہیں، ''قومہ'' اور ''جلسہ'' واجب ہیں، رکوع سے سیدھا کھڑے ہونے کو ''قومہ'' کہتے ہیں اور دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے کو ''جلسہ'' کہتے ہیں، ''قومہ'' کا حکم یہ ہے کہ جب ہم رکوع کر کے کھڑے ہوں تو بالکل سیدھے کھڑے ہو جائیں، اس کے بعد سجدہ میں جائیں، ''جلسہ'' میں حکم یہ ہے کہ پہلا سجدہ ادا کرنے کے بعد کمر سیدھی کر کے اطمینان سے بیٹھ جائیں۔ پھر دوسرے سجدہ میں جائیں۔ لیکن آپ حضرات نے دیکھا ہوگا کہ بعض لوگ جلدی کی وجہ سے ان دونوں جگہوں پر اپنی کمر سیدھی نہیں ہونے دیتے، رکوع سے ذرا سا سر اٹھائیں گے، اور ابھی کمر آدھی سیدھی اور آدھی ٹیڑھی ہوگی، بس فوراً اسی وقت سجدہ میں چلے جائیں گے، اسی طرح ایک سجدہ کر کے جب بیٹھیں گے، تو ابھی پوری طرح بیٹھنے بھی نہیں پائیں گے، اور کمر بھی سیدھی نہیں ہوگی کہ فوراً دوسرے سجدے میں چلے جائیں گے۔ اس جلد بازی نے ''قومہ'' کو خراب کر دیا اور جلسہ کو بھی خراب کر دیا ہے۔ یاد رکھیں! قومہ میں کمر کو معمولی سا سیدھا کر کے اور ذرا سی گردن اٹھا کر اور کھڑے ہونے کا صرف ہلکا سا اشارہ کر کے سجدے میں چلے جانے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، اور نماز کو لوٹانا واجب ہو جاتا ہے، اس لئے سختی کے ساتھ اس سے پرہیز کریں اور اس کی تفصیل سمجھیں!

قومہ اور جلسہ میں تین درجات

''قومہ'' کے اندر تین درجے ہیں، اور ''جلسہ'' کے اندر بھی تین درجے

ہیں، ایک درجہ فرض کا ہے، ایک درجہ واجب کا ہے، اور ایک درجہ سنت کا ہے (معارف السنن) اور فرض کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ چھوٹ جائے تو نماز نہیں ہوتی۔ جیسے رکوع چھوڑنے اور سجدہ چھوڑنے سے نماز نہیں ہوتی، اس لئے کہ فرض چھوٹ رہا ہے، اور فرض کی تلافی سجدہ سہو کرنے سے بھی نہیں ہوسکتی، لہٰذا اگر فرض ادا نہیں کیا تو سرے سے نماز ہی نہیں ہوگی، دوبارہ پڑھنی پڑیگی۔

واجب کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ بھول سے چھوٹ جائے تو سجدہ سہو کرنے سے نماز درست ہو جائے گی، اور اگر جان بوجھ کر واجب چھوڑ دیا تو نماز نہیں ہوگی، دوبارہ پڑھنی ہوگی۔ اور سنت کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کو ادا کرے تو وہ باعث اجر وثواب ہے، بلکہ سنت پر عمل کرنے سے عمل کے اندر نورانیت پیدا ہو جاتی ہے، مقبولیت اور محبوبیت پیدا ہو جاتی ہے، اور سرکار دوعالم ﷺ کی ہیئت اور آپ کا نمونہ اور آپ کے فعل کی نقل کی بدولت وہ عمل بھی اللہ تعالیٰ کے یہاں پاس ہو جاتا ہے اور اگر سنت ادا نہیں کی، صرف فرض و واجب ادا کر لئے تو یہی کہا جائے گا کہ نماز ہو گئی۔

اب قومہ کے تین درجات کی تفصیل سنیے:

”قومہ اور جلسہ“ کا فرض درجہ

جب نمازی رکوع سے کھڑا ہوتا ہے تو اپنے جسم کو سیدھا کرنے کے لئے جسم کے اوپر والے حصے کو حرکت دیتا ہے، جس جگہ پر جا کر وہ حرکت ختم ہو جائے اور نمازی کا جسم بالکل سیدھا ہو جائے، تو بس قومہ کا فرض ادا ہو گیا، اسی طرح جب پہلا سجدہ کر کے آپ سیدھے بیٹھ گئے، اور جہاں جا کر یہ حرکت ختم ہو جائے

اور نمازی بالکل سیدھا بیٹھ جائے تو بس جلسہ کا فرض ادا ہو گیا۔ لہٰذا اگر کسی شخص نے جلسہ میں ابھی اپنی کمر سیدھی ہی نہیں کی تھی، اور اس کی ابھی یہ حرکت ختم نہیں ہوئی تھی کہ فوراً دوسرے سجدے میں چلا گیا یا رکوع سے اٹھکر قومہ میں ابھی سیدھا نہ ہوا تھا کہ سجدہ میں چلا گیا تو اس صورت میں قومہ اور جلسہ کا فرض ادا نہیں ہوا اور جب فرض ادا نہ ہوا تو نماز بھی نہیں ہوگی۔

نماز میں جلد بازی کا نتیجہ

ہم اگر اپنی نمازوں پر غور کریں گے تو یہی نظر آئے گا کہ ہم نماز بھی جلدی پڑھنے کے عادی ہیں۔ عام طور پر مردوں کو دکانداری کی وجہ سے جلدی ہوتی ہے، یا ملازمت کی وجہ سے جلدی ہوتی ہے اور خواتین کو امور خانہ داری کی وجہ سے اور تقریبات میں آنے اور جانے کی وجہ سے جلدی ہوتی ہے، گویا دنیا کے ہر کام کی وجہ سے ہماری نمازوں میں تیزی آجاتی ہے، اور ایسی عجلت آجاتی ہے کہ اس وقت ہماری نماز اٹھک بیٹھک کے سوا کچھ نہیں رہتی، الا ماشاء اللہ، ایسے موقع پر نہ قومہ صحیح ہوتا ہے، اور نہ جلسہ صحیح ہوتا ہے، رکوع سے اٹھنے کے بعد ابھی کمر سیدھی نہیں ہوتی کہ فوراً سجدے میں چلے جاتے ہیں، اور پہلے سجدے سے ابھی سیدھے بیٹھنے بھی نہیں پاتے کہ فوراً دوسرے سجدے میں چلے جاتے ہیں، جس کی وجہ سے قومہ اور جلسہ کے اندر فرض کا درجہ بھی چھوٹ جاتا ہے، اور جب فرض چھوٹ گیا تو نماز نہیں ہوئی۔ بعض خواتین بہت جلدی نماز پڑھنے کی عادی ہوتی ہیں، جس کی وجہ سے یہ خطرہ ہوتا ہے کہ ان کے قومہ اور جلسے میں فرض کا درجہ بھی ادا نہ ہوا ہو۔ لہٰذا قومہ اور جلسہ کا فرض درجہ ادا کرنے کا

خاص اہتمام کرنا چاہئے۔

"قومہ اور جلسہ" کا واجب درجہ

دوسرا درجہ واجب ہے، وہ یہ کہ رکوع سے اٹھنے کے بعد اتنی دیر کھڑے رہیں جتنی دیر میں ایک مرتبہ "اللہ اکبر" یا "سبحان اللہ" کہہ سکیں، اتنی مقدار سیدھا کھڑے رہنا واجب ہے، اسی طرح جلسہ میں بھی ایک سجدہ کرنے کے بعد اتنی دیر بیٹھنا واجب ہے جتنی دیر میں ایک مرتبہ "سبحان اللہ" کہہ سکیں۔ لہٰذا اگر کسی نے اس میں کوتاہی کی اور ایک سجدہ ادا کرنے کے بعد فوراً ہی دوسرا سجدہ کرلیا، اور جلسہ میں ایک تسبیح کے مقدار بھی نہیں بیٹھا، یا قومہ کے اندر ایک تسبیح کے برابر کھڑے رہنے کے بجائے فوراً سجدہ میں چلا گیا، تو اس صورت میں واجب درجہ چھوڑ دیا، اگر جان بوجھ کر چھوڑ دیا یا مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے ایسا کیا ہو تو چونکہ احکام شریعت میں جہالت معتبر نہیں، اس لئے دونوں صورتوں میں اس کو نماز دوبارہ لوٹانی پڑے گی، البتہ اگر بھول کر ایک تسبیح کی مقدار کے برابر نہ قومہ کیا اور نہ جلسہ کیا تو ایسی صورت میں سجدہ سہو کرنا ضروری ہے، سجدہ سہو کرنے سے نماز درست ہو جائے گی، اگر سجدہ سہو نہیں کیا تو نماز دوبارہ پڑھنا ضروری ہے۔ اس کا اعادہ واجب ہے۔

نماز میں ٹھیراؤ اور سکون ضروری ہے

ہم لوگوں سے عام طور پر قومہ کا واجب درجہ چھوٹ جاتا ہے اور اس طرف توجہ نہیں رہتی، نہ مردوں کو توجہ رہتی ہے اور نہ خواتین کو توجہ رہتی ہے، ذرا بھی کوئی عجلت کا کام سامنے آتا ہے تو ہم اتنی تیزی سے نماز ادا کرلیتے ہیں کہ

اس میں قومہ اور جلسہ برائے نام ہی ہوتا ہے، اور اس میں اس بات کا خطرہ رہتا ہے کہ کہیں واجب درجہ نہ چھوٹ گیا ہو بلکہ بعض اوقات درجہ فرض بھی چھوٹ جاتا ہو تو کچھ بعید نہیں، لہٰذا یہ ضروری ہے کہ ہماری انفرادی نماز میں امام کے ساتھ پڑھی جانے والی نماز سے بھی زیادہ ٹھیراؤ ہو۔ لیکن معاملہ بالکل الٹا ہے، امام کے پیچھے تو ہمیں مجبوراً اطمینان کے ساتھ نماز پڑھنی پڑتی ہے، لیکن انفرادی نماز کو اپنے معمول کے مطابق نہایت جلد بازی کے ساتھ ادا کرتے ہیں، حالانکہ ہونا یہ چاہئے کہ ہماری انفرادی نماز امام کے ساتھ پڑھی جانے والی نماز سے زیادہ سکون اور اطمینان اور وقار کے ساتھ ادا ہو۔

رکوع، سجدہ، قومہ اور جلسہ کا برابر ہونا

ایک حدیث میں ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کا رکوع، سجدہ، قومہ اور جلسہ تقریباً سب برابر ہوتے تھے۔

(ترمذی ج ۱، ص ۶۳، میر محمد مسلم، ج ۱، ص ۱۸۹)

لہٰذا جتنا وقفہ رکوع اور سجدہ میں ہوتا تھا، اتنا ہی وقفہ قومہ اور جلسہ میں ہوتا تھا، البتہ قیام اور قعدہ طویل ہوتا تھا، اس لئے کہ قیام کے اندر تلاوت ہوتی تھی، اور قعدہ کے اندر تشہد پڑھنا ہوتا تھا، اس لئے یہ دونوں ارکان تو رکوع سجدہ کے مقابلے میں طویل ہوتے تھے، لیکن باقی چاروں ارکان یعنی قومہ، جلسہ، رکوع اور سجدہ تقریباً برابر ہوتے تھے۔ البتہ کبھی کبھار کسی رکن میں اتنا طویل وقفہ بھی ہوتا تھا کہ دیکھنے والوں کو یہ خیال ہوتا تھا کہ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ حضور اقدس ﷺ بھول گئے ہوں یا کہیں حضور اقدس ﷺ کی روح پرواز کر گئی ہو۔ (ترمذی، ج ۱، ص ۶۳، میر محمد مسلم، ج ۱، ص ۱۸۰)

قومہ اور جلسہ کا مسنون درجہ

اس حدیث کی روشنی میں قومہ اور جلسہ کا جو مسنون درجہ معلوم ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ قومہ کے اندر آدمی اتنی دیر وقفہ کرے جتنی دیر میں تین مرتبہ "سبحان اللہ" کہہ سکے، اسی طرح جلسہ میں بھی اتنی دیر وقفہ کرنا مسنون ہے جتنی دیر میں تین مرتبہ "سبحان اللہ" کہہ سکے۔

خلاصہ یہ کہ قومہ اور جلسہ کا فرض درجہ یہ ہے کہ رکوع سے اٹھنے کے بعد اور پہلے سجدہ سے اٹھنے کے بعد آدمی اپنی کمر بالکل سیدھی کر لے، اور جسم کی حرکت اپنی جگہ پر جا کر ختم ہو جائے۔ یہ درجہ فرض ہے۔ اور ایک تسبیح کے برابر توقف کرنا واجب ہے، اور تین تسبیح کے برابر وقفہ کرنا سنت ہے۔

سنت پر عمل کی برکت

اور سنت پر عمل کرنے کی ایسی برکت ہے کہ آپ جہاں کہیں کسی فرض و واجب والے عمل میں سنت پر عمل کریں گے تو ایک تو اس عمل میں سہولت اور آسانی ہوگی، اور دوسرے اس کے ذریعہ فرض کی ادائیگی ہو جائے گی، اور واجب کی ادائیگی بھی ہو جائے گی، اور سب سے بڑی چیز جو حاصل ہوگی وہ یہ کہ ؎

تیرے محبوب کی یارب شباہت لیکر آیا ہوں
حقیقت اسکو تو کر دے میں صورت لیکر آیا ہوں

کم از کم ہماری نماز کی صورت تو محبوب کی نماز کی سی بن جائے گی، اور سنت یہ ہے کہ قومہ اور جلسہ دونوں جگہوں پر کم از کم تین مرتبہ "سبحان اللہ" کہنے کی

مقدار کے برابر وقفہ کریں، اسی وجہ سے رکوع میں بھی سنت یہ ہے کہ کم از کم تین مرتبہ ''سبحان ربی العظیم'' کہا جائے، اور سجدہ میں بھی سنت یہ ہے کہ کم از کم تین مرتبہ ''سبحان ربی الاعلیٰ'' کہا جائے، اس طرح چاروں چیزوں کا وقفہ تقریباً برابر ہوگیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے مطابق ہوگیا جس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے یہ چاروں ارکان تقریباً برابر ہوا کرتے تھے۔

نماز میں جلد بازی کا انجام

حقیقت یہ ہے کہ ترک واجب کی یہ کوتاہی اکثر ہم جان بوجھ کر کرتے ہیں اور ہمیں اس کی عادت پڑ گئی ہے، چنانچہ جب ہم امام کے ساتھ فرض نماز پڑھ کر فارغ ہو جاتے ہیں، تو دیکھئے! کس قدر تیز رفتاری کے ساتھ سنتیں اور نوافل ادا کرتے ہیں، اس وقت ہماری نماز کس قدر تیز رفتاری کے ساتھ ادا ہوتی ہے، رکوع سجدے کتنی تیزی کے ساتھ ادا ہوتے ہیں، ایسے موقع پر ہمیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث یاد رکھنی چاہئے جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

> جب کوئی شخص نماز کو بری طرح پڑھے، وقت کو بھی ٹال دے، وضو بھی اچھی طرح نہ کرے، رکوع سجدہ بھی اچھی طرح نہ کرے تو وہ نماز بری صورت سے سیاہ رنگ میں بددعا دیتی ہوئی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے بھی ایسا ہی برباد کرے جیسا تو نے مجھے ضائع کیا، اس کے بعد وہ نماز پرانے کپڑے

میں لپیٹ کر نمازی کے منہ پر ماردی جاتی ہے۔(الترغیب)

یعنی جو شخص عجلت، تیزی اور جلدی بازی کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے اور کوے کی طرح چند ٹھونگیں مارلیتا ہے، پھر جب وہ سلام پھیر کر نماز سے فارغ ہوتا ہے، تو وہ نماز ایک کالے کپڑے میں لپیٹ کر نمازی کے منہ پر ماردی جاتی ہے، وہ نماز اس کے لئے نہ تو باعث نور ہوتی ہے، اور نہ باعث نجات ہوتی ہے، اور جس نماز کو بڑے آرام، سکون اور وقار کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے، وہ نماز ایک روشن اور چمکدار شکل میں اس سے جدا ہوتی ہے۔اور نمازی کے لئے باعث نجات بنتی ہے۔

سکون سے نماز ادا کرنے کی تاکید

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد نبوی میں ایک صاحب تشریف لائے، انہوں نے آکر جلدی جلدی نماز پڑھی، اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر سلام کیا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دینے کے بعد فرمایا:

قم فصل فانك لم تصل (مشکوٰۃ ج۱،ص۷۵، متفق علیه)

تم جاکر دوبارہ نماز پڑھو، تم نے نماز نہیں پڑھی، چنانچہ وہ صاحب گئے، اور جاکر دوبارہ اسی طرح جلدی جلدی نماز پڑھی، جیسے پہلے پڑھی تھی، نماز کے بعد پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دینے کے بعد پھر وہی فرمایا کہ:

قم فصل فانك لم تصل

جاکر دوبارہ نماز پڑھو، اس لئے کہ تم نے نماز نہیں پڑھی، وہ صاحب پھر گئے،

اور اسی طرح جلدی جلدی نماز پڑھی، اور پھر آکر حاضر خدمت ہو کر سلام کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دیا، اور فرمایا کہ:

قم فصل فانك لم تصل

تم دوبارہ جا کر نماز پڑھو، اس لئے کہ تم نے نماز نہیں پڑھی، اب ان صاحب نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے تو اسی طرح نماز پڑھنی آتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ارشاد فرمائیں کہ مجھے کس طرح نماز پڑھنی چاہئے؟ تاکہ میں اس طریقے سے نماز ادا کروں۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو اطمینان کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کرو، قرأت کرو، اس کے بعد اطمینان کے ساتھ رکوع کرو، اور پھر جب قومہ کرو تو پورے اطمینان اور سکون کے ساتھ کھڑے رہو، اس کے بعد جب تم سجدہ میں جاؤ تو سجدہ میں بھی تم پر اطمینان اور سکون کی کیفیت طاری رہے، اور سجدہ کے بعد جب تم جلسہ کرو تو جلسہ میں بھی تم پر اطمینان اور ٹھیراؤ کی کیفیت باقی رہے، اسی طرح باقی نماز بھی ٹھیر ٹھیر کر اطمینان اور سکون کے ساتھ انجام دو۔ یہ آپ نے ان صاحب کو تعلیم دی۔

اس حدیث میں بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع، سجدہ، قومہ اور جلسہ کو خاص طور پر ذکر فرمایا ہے، یہ چاروں ارکان بھی نہایت اطمینان کے ساتھ ادا ہوں اور باقی نماز بھی سکون اور اطمینان کے ساتھ انجام پائے، مگر زیادہ تر عجلت انہیں چاروں ارکان میں پائی جاتی ہے۔

رکوع وسجدہ کی تسبیحات کی مقدار

سجدہ اور رکوع میں تو تسبیح مقرر ہے کہ تین تسبیح سے کم نہ کریں، اور یہ

ادنی درجہ ہے۔ اس سے زیادہ بھی پڑھ سکتے ہیں، پانچ مرتبہ یا سات مرتبہ یا نو مرتبہ یا گیارہ مرتبہ پڑھلیں اور جتنا زیادہ ہو جائے اتنا بہتر ہے۔ البتہ درمیانہ درجہ افضل ہے، اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

خیر الامور اوساطھا (السنن الکبریٰ للبیہقی، ج۳ ص۲۷۳)

یعنی درمیانہ درجہ بہتر ہے، اس لئے ادنیٰ درجے سے اوپر رہنا چاہئے۔ لہٰذا ہماری عام نمازوں میں رکوع اور سجدہ کی تسبیح کم از کم پانچ مرتبہ ہونی چاہئے۔

قومہ کی دعا

قومہ کے اندر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ دعائیں منقول ہیں۔ وہ دعائیں یاد کرلینی چاہئیں اس لئے کہ ایک طرف تو وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مانگی ہوئی دعائیں ہیں، وہ سرکاری دعائیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے وہ دعائیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر القا فرمائیں اور ان کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے مانگا اور اللہ تعالیٰ نے عطا فرمادیا۔ اسی طرح جو امتی بھی ان کو پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے مانگے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی انشاء اللہ تعالیٰ نواز دیں گے، قومہ کے اندر ایک دعا بہت ہی آسان ہے، جس کا واقعہ بھی بڑا عجیب وغریب ہے۔

فرشتوں کا جھپٹنا

وہ یہ کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز پڑھا رہے تھے، نماز کے دوران جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قومہ کے اندر "سمع اللہ لمن حمدہ" کہا تو ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے "ربنالک الحمد"

کہنے کے بعد "حمداً کثیراً طیبا مبارکافیه" کے کلمات بھی کہے، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ قومہ کے اندر یہ کلمات کس نے کہے تھے؟ جن صحابی نے وہ کلمات ادا کئے تھے، انہوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، یہ کلمات میں نے ادا کئے تھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت تم نے یہ کلمات ادا کئے اس وقت میں نے دیکھا کہ تیس فرشتے اس کلمے کو لینے کے لئے لپکے۔ تاکہ سب سے پہلے وہ اس کلمہ کو لے کر ثواب لکھیں۔ (بخاری، ج ۱، ص ۱۱۰)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ مبارک کلمات ہیں، اور ان کے پڑھنے سے تین مرتبہ ''سبحان اللہ'' کہنے کا وقفہ بھی حاصل ہو جاتا ہے، اور ان کو یاد کرنا بھی آسان ہے، اس لئے ان کو یاد کر لینا چاہئے۔ اور نماز میں قومہ کے اندر ان کلمات کو پڑھ لینا چاہئے۔

ربنا لك الحمد، حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیه

ان کے پڑھنے سے درجہ فرض بھی ادا ہو جائے گا، واجب درجہ بھی ادا ہو جائے گا، اور سنت درجہ بھی ادا ہو جائے گا۔ ویسے تو اور دعائیں بھی منقول ہیں لیکن ان میں سے یہ دعا اور یہ کلمات بہت آسان ہیں۔

دونوں سجدوں کے درمیان کی دعا

اور دو سجدوں کے درمیان بھی مختلف دعائیں منقول ہیں، ان میں سے ایک دعا بہت سہل اور آسان ہے، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ پہلا سجدہ کر کے بیٹھتے تھے تو اس وقت یہ پڑھتے تھے۔

اللهم اغفرلی۔ اللهم اغفرلی۔ اللهم اغفرلی

اے اللہ، مجھے بخش دیجئے۔ اے اللہ، میری مغفرت فرما دیجئے۔ یہ کلمات تین مرتبہ پڑھ لیں، اور تین مرتبہ پڑھنے میں جلسہ کا فرض درجہ بھی ادا ہو جائے گا، واجب درجہ بھی ادا ہو جائے گا، اور سنت درجہ بھی ادا ہو جائے گا اور اگر ہو سکے تو وہ دعا بھی پڑھ لیں جو ابوداؤد شریف میں منقول ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دو سجدوں کے درمیان یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

اللھم اغفرلی وارحمنی وعافنی واھدنی وارزقنی۔ (ابوداؤد ج۱، ص۱۳۰)

اے اللہ، میری بخشش فرما، اے اللہ، مجھ پر رحم فرما، اے اللہ، مجھے عافیت عطا فرما، اور ہدایت عطا فرما، اور مجھے روزی عطا فرما، یعنی رزق جسمانی بھی عطا فرما اور رزق روحانی بھی عطا فرما۔ یہ کلمات کتنے پیارے اور کتنے آسان ہیں، اور دنیا و آخرت کی تمام بھلائیاں اس میں جمع ہوگئی ہیں۔ دوسری روایات میں اور بھی کلمات ہیں لیکن یہ کلمات آسان ترین ہیں، اور اگر یہ یاد نہ ہوں تو "**اللھم اغفرلی**" تو سب کو یاد ہوگا، لہٰذا آج ہی تمام خواتین و حضرات اس بات کا تہیہ کر لیں کہ جب وہ نماز میں قومہ کریں تو قومہ میں "**حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ**" پڑھا کریں گے اور جب پہلا سجدہ کر کے بیٹھیں گے تو تین مرتبہ "**اللھم اغفرلی**" کہیں گے یا "**اللھم اغفرلی۔ وارحمنی وعافنی واھدنی وارزقنی**" پڑھیں گے۔

خلاصہ یہ کہ ہمیں اپنی انفرادی نمازوں میں ان دعاؤں کو پڑھنے کا معمول بنا لینا چاہئے، ان کو پڑھنا اگرچہ سنت غیر مؤکدہ ہے، مگر ہمیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ان دعاؤں کو انجام دینا ہے، اور امام چونکہ ہلکی نماز پڑھانے کا پابند ہے، کیونکہ امام کے پیچھے ہر قسم کے مقتدی ہوتے ہیں، کوئی بیمار

ہوتا ہے، کوئی کمزور ہے کوئی ضرورتمند ہے، اور ان دعاؤں کے پڑھنے کی وجہ سے نماز طویل ہوسکتی ہے اس لئے اگر امام ان دعاؤں کو نہ پڑھے تو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن جب ہم اپنی نماز انفرادای پڑھیں، چاہے وہ فرض نماز ہو یا واجب، سنت ہو یا نفل، سب میں ان دعاؤں کو پڑھ سکتے ہیں۔

''نمازیں سنت کے مطابق پڑھیں'' یہ کتابچہ لے لیں

بہرحال! یہ وہ کوتاھیاں ہیں جو ہماری نمازوں میں پائی جاتی ہیں، خواتین کی نمازوں میں بھی، اور مردوں کی نمازوں میں بھی، اس لئے ہم سب کو ان کوتاہیوں کو دور کرنے کی طرف توجہ کرنی چاہئے، تاکہ ہماری نماز ان تمام کوتاہیوں سے پاک ہوکر سنت کے مطابق ہوجائے۔ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے ایک رسالہ لکھا ہے، جس کا نام ہے: ''نمازیں سنت کے مطابق پڑھیں'' وہ کتابچہ پڑھنے کے لائق ہے، اور ہر گھر میں اس کا ہونا ضروری ہے، اور اس کے مطابق نماز پڑھنے کی عادت ڈالنی چاہئے۔ ہر کام توجہ اور محنت ہی سے ہوتا ہے، اگر توجہ دیں گے اور محنت کریں گے تو انشاء اللہ ہماری نماز درست ہوجائے گی اور یہ تمام کوتاہیاں دور ہوجائیں گی۔

خواتین کا طریقہ نماز

مردوں کی نماز کا طریقہ تو حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے کتابچے کی شکل میں لکھدیا ہے اور حضرت والا مدظلہم نے اگرچہ اس رسالے کے آخر میں خواتین کے طریقہ نماز کے بارے میں ضروری ہدایات دی ہیں۔ لیکن جب میں نے حضرت والا کا یہ رسالہ دیکھا تو مجھے خیال آیا کہ اسی طریقہ سے

خواتین کے طریقہ نماز کے بارے میں بھی ایک کتابچہ ہونا چاہئے جس میں تکبیر اولیٰ سے لے کر سلام تک تمام ارکان کی ادائیگی صحیح کیفیت کے ساتھ موجود ہو، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے میں نے حضرت والا کا یہ رسالہ سامنے رکھ کر اسی کے مطابق تکبیر اولیٰ سے لے کر سلام تک کا خواتین کا طریقہ نماز الگ سے تحریر کردیا ہے، اس کا نام ہے ''خواتین کا طریقہ نماز'' یہ رسالہ آپ ضرور حاصل کریں اور یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اپنی ماں، اپنی بہن، اپنی بیٹی اور بہو کی نماز صحیح کرنے کی ان کو تلقین کریں اور ان کو اس کی تاکید کریں کہ وہ اپنی نمازیں اس کے مطابق ادا کریں۔ اسی طرح اپنے بچوں کی نمازیں بھی درست کرائیں۔ اپنے سامنے ان سے نمازیں پڑھوائیں، اور کتاب لے کر بیٹھ جائیں، کتاب کے مطابق وہ نماز پڑھتے ہیں، یا نہیں؟ یہ سب ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اپنی اور اپنے ماتحتوں کی نماز کی فکر کریں، اور ان کا جائزہ لیتے رہیں، تاکہ نماز میں کسی قسم کی کوتاہی باقی نہ رہے، اور اس بات کا خاص خیال رکھیں کہ نماز میں ایسی جلدی نہ ہونے پائے جس کی وجہ سے نماز کے ارکان میں واجب یا فرض درجہ چھوٹ جائے اور ہماری نماز ہی ادا نہ ہو، اور ہم یہ سمجھتے رہیں کہ ہماری نماز ادا ہوگئی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی اصلاح کی کامل فکر عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ○

✿✿✿

✿

خواتین کا مسجد کی تراویح میں شرکت کا حکم

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ناشر: میمن اسلامک بکس

دکان نمبر ۲۹، نایاب جامع مسجد لیاقت آباد ڈاک خانہ، کراچی ۱۹

الحمد لله رب العالمين

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خواتین کا مسجد کی تراویح میں شرکت کا حکم

خواتین کا باجماعت مسجد میں تراویح ادا کرنا

سوال نمبرا: بخدمت اقدس جناب محترم و مکرم حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی دامت برکاتہم

ایک سوال یہ ہے کہ ہر سال سینکڑوں بچے حافظ قرآن ہو رہے ہیں، الحمدللہ! اور مساجد تھوڑی ہیں، ہر والدین کی تمنا ہوتی ہے کہ ہمارا بچہ گھر میں تراویح میں قرآن کریم سنائے، اس میں محلہ کے احباب، پڑوسی، رشتہ دار مرد اور عورتیں دونوں مدعو کئے جاتے ہیں، پردہ کی اہمیت نہ ہونے کی وجہ سے اکثر جگہوں میں بے پردگی بھی دیکھنے میں آئی ہے، جبکہ پردہ کے انتظام کامل کے ساتھ عورتوں کا اپنے اپنے گھروں میں انفرادی طور پر بیس رکعات تراویح پڑھ لینا اور اپنے گھر سے باہر نہ جانا ہی افضل ہے، اگرچہ حرمین شریفین جیسی مقدس و بابرکت جگہ ہو۔

ہم جس محلہ میں رہتے ہیں آدم جی نگر، محمد علی سوسائٹی کا علاقہ ہے جس میں کئی مساجد ہیں اور ہر مسجد کے قریب دو چار جگہوں پر دس بارہ روز میں ختم قرآن کریم کا انتظام ہوتا ہے جہاں مرد اور عورتیں دونوں تراویح پڑھتے ہیں۔

اس فتنہ کے زمانے میں یہ سلسلہ ہر سال بڑھتا ہوا نظر آرہا ہے، اس لئے مفصل اور مدلل فتویٰ لکھنے کی ضرورت ہے اور اس کو تمام ذرائع ابلاغ استعمال کر کے زیادہ سے زیادہ عام کرنیکی ضرورت ہے تاکہ خواتین باجماعت تراویح ادا کرنے کے لئے گھروں سے نہ نکلیں، گھروں میں تراویح ادا کرنے کا اہتمام کریں تو انشاء اللہ تعالیٰ آہستہ آہستہ اس میں کمی آنے لگے گی ورنہ فی الحال یہ بدعت تیزی سے پھیل رہی ہے جس میں مفاسد اور خرابیاں غالب ہیں، جواب مناسب الفاظ میں آپ خود ہی لکھدیں، اللہ پاک آپ کو جزاء خیر عطا فرمائیں آمین۔ کچھ سوالات آگے بھی آرہے ہیں ان کے جوابات بھی مطلوب ہیں۔

از

محمد زکریا (آدم جی نگر۔ کراچی نمبر ۸)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب حامداً ومصلیاً

اس فتنہ اور فساد کے زمانہ میں خواتین کو گھروں سے نکل کر فرض نمازیں، تراویح کی نماز اور عیدین کی نمازیں، مردوں کے ساتھ باجماعت ادا کرنے کے لئے مسجد اور عیدگاہ میں حاضر ہونے کی اجازت نہیں، مکروہ اور منع ہے۔ لہٰذا رمضان المبارک میں چند سالوں سے تراویح میں شرکت کرنے کے لئے مساجد میں آنے کا جو طریقہ خواتین میں رائج ہو رہا ہے وہ درست نہیں، مساجد کے منتظمین کو ایسا انتظام نہیں کرنا چاہئے، اماموں اور خطیبوں کو اس سے منع کرنا چاہئے اور خواتین کو مساجد میں آکر تراویح ادا کرنے سے بچنا چاہئے،

اُنہیں چاہئے کہ وہ دیگر نمازوں کی طرح تراویح بھی گھروں میں ادا کریں، یہی ان کے لئے افضل ہے جیسا کہ ابھی احادیث طیبہ سے معلوم ہوگا ـــــ رہی یہ بات کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خواتین مسجد نبوی میں جا کر نمازیں ادا کرتی تھیں، اب اُس سے منع کیا جاتا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ:۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ بہت عمدہ اور خیر کا زمانہ تھا، فتنوں سے محفوظ تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس موجود تھے، وحی کا نزول ہوتا تھا، نئے نئے احکام آتے تھے، نئے مسلمان تھے، نماز روزے وغیرہ کے احکام سیکھنے کی ضرورت تھی، اور سب سے بڑھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کا شرف حاصل ہوتا تھا، ان وجوہات کی بنا پر عورتوں کو فی نفسہٖ مساجد میں حاضر ہونے کی اجازت تھی، لیکن ان ساری وجوہات کے باوجود جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے لئے اپنے گھروں میں نماز پڑھنے کو زیادہ باعث فضیلت قرار دیا، اور باجماعت نماز پڑھنے کی صورت میں ستائیس نمازوں کا ثواب، مسجد نبوی میں ادا کرنے پر پچاس ہزار نمازوں کا ثواب اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھنے کی عظیم سعادت کے باوجود خواتین کے لئے ان کے گھروں کی اندرونی کوٹھری کی نماز کو مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کے مقابلے میں بہتر قرار دیا۔ چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: خیر مساجد النساء قعر بیوتھن (رواہ احمد والطبرانی فی الکبیر.

وقال الحاکم صحیح الاسناد الترغیب والترھیب: ۲۲۶/۱)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورتوں کی سب سے بہترین مسجد ان کے گھر کا اندرونی حصہ ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے دوسری روایت ہے کہ:

قال رسول اللہ ﷺ صلاۃ المرأۃ فی بیتھا خیر من صلاتھا فی حجرتھا، وصلاتھا فی حجرتھا خیر من صلاتھا فی دارھا، وصلاتھا فی دارھا خیر من صلاتھا فی مسجد قومھا۔

(رواہ الطبرانی فی الاوسط باسناد جید الترغیب والترھیب: ۱/۲۲۶)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت کی وہ نماز جو اس کے کمرہ میں ہو، اس نماز سے بہتر ہے جو دالان میں ہو، اور اس کی وہ نماز جو دالان میں ہو اس نماز سے بہتر ہے جو گھر کے صحن میں ہو اور اس کی وہ نماز جو گھر کے صحن میں ہو اس نماز سے بہتر ہے جو اس کی قوم (یعنی محلہ) کی مسجد میں ہو۔

ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

ما صلّت امرأۃ من صلاۃ احبّ الی اللہ من اشدّ مکان فی بیتھا ظلمۃ

(رواہ الطبرانی: الترغیب والترھیب: ۱/۲۲۷)

ترجمہ: عورت کی سب سے زیادہ محبوب نماز خدا کے نزدیک وہ ہے جو اس نے اپنے گھر کی بہت ہی تاریک کوٹھری میں پڑھی ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے:

قال رسول اللہ ﷺ: لا تمنعوا نساء کم المساجد وَبُيُوتُهُنَّ خیرلهن

(رواہ ابوداؤد، الترغیب والترهیب: ۱/۲۲۶)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی عورتوں کو مسجد میں آنے سے نہ روکو مگر ان کا گھران کے لئے (مسجد سے) بہتر ہے۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے:

عن النبی ﷺ قال لولا ما فی البیوت من النساء والذریۃ اقمت صلاۃ العشاء وأمرت فتانی یحرقون ما فی البیوت بالنار۔

(رواہ احمد مشکوۃ المصابیح، ص ۹۷)

ترجمہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں نماز عشاء قائم کرتا اور اپنے نوجوانوں کو حکم کرتا کہ (جو لوگ بلا عذر جماعت میں حاضر نہیں ہوتے ان کے) گھروں میں آگ لگا دیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھنے کی سزا ان لوگوں کے لئے تجویز فرمانا چاہتے تھے جن کے لئے جماعت میں حاضر ہونا ضروری تھا اور وہ اس کے باوجود حاضر نہ ہوتے تھے، مگر عورتوں اور بچوں کا گھر میں ہونا گھروں کو جلا دینے کی سزا دینے میں رکاوٹ

ہوا، عورتوں کا اس حدیث میں ذکر فرمانا اس کی دلیل ہے کہ وہ جماعت میں حاضر ہونے کی مکلف نہ تھیں اور جماعت ان کے حق میں ضروری نہیں تھی۔

ایک اور حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:۔

عن رسول الله ﷺ قال: المرأة عورة. وانها اذا خرجت من بيتها استشرفها الشيطان وانها لاتكون اقرب الى الله منها في قعر بيتها.

(رواه الطبراني في الاوسط ورجاله رجال الصحيح، الترغيب والترهيب: ۲۲۶/۱)

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ عورت چھپانے کی چیز ہے، وہ جب گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو تکنے لگتا ہے اور عورت اپنے گھر کے سب سے اندرونی حصے ہی میں اللہ تعالیٰ سے بہت قریب ہوتی ہے۔

عن أم حميد امرأة أبي حميد الساعدي رضي الله تعالى عنها انها جاءت إلى النبي ﷺ فقالت: يا رسول الله! إنّي احب الصلاة معك، قال قد علمت انك تحبّين الصلاة معي، وصلاتك في بيتك خير من صلاتك في حجرتك وصلاتك في حجرتك خير من صلاتك في دارك وصلاتك في دارك خير من صلاتك في مسجد قومك وصلاتك في مسجد قومك خير من صلاتك في مسجدي قال: فامرت فبني لها مسجد في اقصى شئي من بيتها واظلمه وكانت تصلي فيه حتى لقيت الله

عزوجل (رواہ احمد وابن خزیمہ وابن حبان فی صحیحھا، الترغیب والترھیب: ۲۲۵/۱)

ترجمہ: حضرت ام حمید رضی اللہ عنہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا، یا رسول اللہ! مجھے آپ کے ساتھ نماز پڑھنے کا شوق ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ تم میرے ساتھ نماز پڑھنے کا شوق رکھتی ہو، مگر تمہاری وہ نماز جو اندرونی کوٹھری میں ہو اس نماز سے بہتر ہے جو کمرہ میں ہو اور تمہاری وہ نماز جو کمرہ میں ہو اس نماز سے بہتر ہے جو گھر کے احاطہ میں ہو اور تمہاری وہ نماز جو گھر کے احاطہ میں ہو، اس نماز سے بہتر ہے جو محلہ کی مسجد میں ہو، اور تمہاری وہ نماز جو محلہ کی مسجد میں ہو اس نماز سے بہتر ہے جو میری مسجد میں ہو، چنانچہ (حضرت ام حمید رضی اللہ عنہا نے) درخواست کر کے اپنے کمرے کے کونے میں جہاں سب سے زیادہ اندھیرا رہتا تھا، نماز پڑھنے کی جگہ بنوائی، وہیں نماز پڑھا کرتی تھیں، یہاں تک کہ ان کا انتقال ہوگیا۔

ان روایات سے چند باتیں ثابت ہوئیں:۔

۱۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں عورتوں کو جماعت میں حاضر ہونے کی تاکید نہیں تھی۔

۲۔ عورتوں کا مسجد میں آنا محض جائز تھا، کوئی فضیلت یا سنت یا مستحب امر نہ تھا۔

۳۔ باوجود اس رخصت اور اجازت کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اور تعلیم ان کے لئے یہی تھی کہ وہ اپنے گھروں میں نماز پڑھیں اور اسی کی ترغیب دیتے تھے اور فضیلت بیان فرماتے تھے۔

۴۔ حضرت ام حمید رضی اللہ عنہا نے اپنے شوق ومحبت کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وترغیب پر عمل کرنے ہی کی غرض سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے مسجد نبوی کی نماز چھوڑ دی اور پوری عمر اپنے کمرہ کے اندر پڑھتی رہیں اور یہ عین اتباع اور منشاء نبوی کی تکمیل تھی۔

پھر مسجد میں خواتین کے آنے کی اجازت بھی ان شرائط کے ساتھ تھی کہ خواتین بن سنور کر عمدہ لباس پہن کر، خوشبو لگا کر، بجتا ہوا زیور پہن کر نہ آئیں، شرعی پردہ کی پابندی تو لازمی تھی ہی، چنانچہ درج ذیل احادیث سے ان شرائط کا ثبوت ملتا ہے۔ لیکن آج کل ان کی پابندی ندارد ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

بينما رسول الله ﷺ جالس فى المسجد، اذ دخلت امرأة من "مزينة" ترفل فى زينة لها فى المسجد، فقال النبى ﷺ يا ايها الناس! انهوا نساء كم عن لبس الزينة والتبختر فى المسجد، فان بنى اسرائيل لم يلعنوا حتى لبس نساء هم الزينة و تبخترن فى المساجد.

(ابن ماجہ باب فتنة النساء، ص ۲۸۸)

ترجمہ: ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف

فرماتھے، اتنے میں قبیلہ "مزینہ" کی ایک عورت زیب و زینت کا لباس پہنے ہوئے اتراتی ہوئی مسجد میں آئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! اپنی عورتوں کو زیب و زینت کا لباس پہننے اور مسجد میں اترانے سے روک دو، کیونکہ بنی اسرائیل پر اس وجہ سے لعنت کی گئی کہ ان کی عورتوں نے زیب وزینت کا لباس پہننا اور مسجد میں اترانا شروع کردیا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

کانت تحدث عن رسول اللہ ﷺ اذا شہدت احداکن العشاء فلاتطیب تلک اللیلة۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی عورت عشاء کی نماز میں حاضر ہوتو اس رات خوشبو نہ لگائے۔
(رواہ مسلم: ۱/ ۱۸۳)

انہی سے دوسری روایت میں ہے:

عن النبی ﷺ اذا شہدت احداکن العشاء فلا تمس طیبا۔ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ المصابیح، ص۹۶)

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی عورت عشاء کی نماز میں حاضر ہوتو خوشبو نہ لگائے۔

اور حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

ان رسول اللہ ﷺ قال: لاتمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ ولکن لتخرجن وھن تفلات

(رواہ ابوداؤد: ۱/ ۹۱)

فرماتے ہیں۔

ولا يباح للشواب منهن الخروج الى الجماعات بدليل ماروی عن عمر رضی الله تعالیٰ عنه ان نهى الشواب عن الخروج ولأن خروجهن إلى الجماعة سبب الفتنة والفتنة حرام وما أدى الى الحرام فهو حرام۔

ترجمہ: جوان عورتوں کے لئے جماعتوں میں حاضر ہونا مباح نہیں، اس روایت کے پیش نظر جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے جوان عورتوں کو نکلنے سے منع فرمادیا تھا اور اس لئے بھی کہ عورتوں کا گھروں سے نکلنا فتنہ کا سبب ہے اور فتنہ حرام ہے اور جو چیز حرام تک پہنچائے وہ بھی حرام ہے۔

(بدائع الصنائع: ۱/۵۱۷، بیان من یصلح للامامة فی الجملة)

وكان ابن عمر يقوم يحصب النسآء يوم الجمعة بخروجهن من المسجد

(عمدة القاری: ۶/۱۵۷، باب خروج النساء الی المساجد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت میں ہے کہ وہ جمعہ کے روز کھڑے ہو کر عورتوں کو کنکریاں مار کر مسجد سے نکالتے۔ (اور ظاہر ہے کہ یہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں ہوتا تھا)

عن أبي عمرو الشيباني انه رأى عبد الله يخرج النساء من المسجد يوم الجمعة ويقول اخرجن

الی بیوتکن خیر لکن۔
(رواه الطبرانی فی الکبیر باسناد لا بأس به۔ الترغیب والترهیب: ۲۲۸/۱)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن عورتوں کو مسجد سے نکال دیتے اور فرماتے کہ اپنے گھروں کو جاؤ، تمہارے گھر تمہارے لئے بہتر ہیں۔

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بھی اس فتنہ کو محسوس کیا اور فرمایا:

لو ادرک رسول اللہ ﷺ ما احدث النساء لمنعهن المسجد کما منعت نساء بنی اسرایل

(بخاری ج۱، ص۱۲۰، مسلم، ج۱، ص۱۸۳)

ترجمہ: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ حالت دیکھتے جو عورتوں نے اب ایجاد کرلی ہے تو ان کو مسجد میں آنے سے ضرور روک دیتے جس طرح بنی اسرایل کی عورتیں روک دی گئی تھیں۔

ان تمام روایات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے ہی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو گھر میں نماز پڑھنے کی ترغیب دی اور اس کی فضیلت بیان فرمائی، البتہ عورتوں کو مساجد میں آنے کی مشروط اجازت تھی، لیکن آپ کے زمانے کے بعد ہی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سامنے حالت بدل گئی اور فتنہ وفساد اور بے حیائی شروع ہوگئی تو پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خود ہی عورتوں کو مساجد میں آنے سے منع کرنا شروع کردیا۔ اسی وجہ سے علماء احناف رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عورتوں کے لئے اب یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ

جماعتوں میں حاضر ہوں بلکہ ان کا گھروں میں نماز پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تو افضل اور بہتر تھا، لیکن اب ضروری ہوگیا ہے۔

علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ بالا روایت کے تحت فرماتے ہیں۔

لو شاهدت عائشة رضي الله عنها ما احدث نساء هذا الزمان من انواع البدع والمنكرات لكانت اشد انكارا ولا سيما نساء مصر. فان فيهن بدعا لا توصف ومنكرات لا تمنع .... الى قوله .... فانظر إلى ما قالت الصديقة رضي الله تعالى عنها من قولها لو ادرك رسول الله ﷺ ما احدث النساء وليس بين هذا القول وبين وفاة النبي ﷺ إلا مدة يسيرة على أن نساء ذلك الزمان ما احدثن جزأ من الف جزء مما احدثت نساء هذا الزمان۔

(عمدة القاري: ۶/۱۵۸، باب خروج النساء الى المساجد)

ترجمہ: اس زمانے کی عورتوں نے جو بدعات و منکرات ایجاد کی ہیں خصوصاً مصر کی عورتوں نے، اگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ان کو دیکھتیں تو نہایت شدت سے انکار فرماتیں۔ اور منع فرماتیں آخر میں فرماتے ہیں۔۔۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے تھوڑے عرصہ بعد کا ہے، جبکہ اس زمانے میں عورتوں نے جو منکرات ایجاد کی تھیں

وہ اس زمانہ کی عورتوں کی ایجاد کردہ منکرات کے مقابلے میں ہزارواں حصہ بھی نہیں تھیں (اندازہ لگائیے کہ اگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس زمانہ کی عورتوں کی ایجاد کردہ منکرات دیکھتیں تو کیا حکم لگاتیں)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نویں صدی ہجری کی عورتوں کا یہ حال بیان فرمارہے ہیں، آج تو پندرہویں صدی ہے، اس زمانے کی عورتوں کی بے حیائی و بے احتیاطی کی انتہا ہوچکی ہے، پردہ جو قرآنی حکم تھا وہی رخصت ہورہا ہے اور اس کی جگہ قسم قسم کے فیشن ایبل لباس آچکے ہیں، ایسے پرفتن دور میں عورتوں کو مسجد اور عیدگاہ میں نمازیں ادا کرنے کے لئے آنے کی اجازت دینا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بابرکت زمانے سے استدلال کرنا درست نہیں۔

اب قرآن و حدیث کی روشنی میں حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالی کے اقوال ملاحظہ فرمائیں، جن سے صاف صاف مسجد کی جماعتوں میں خواتین کا شرکت کے لئے حاضر ہونا ناجائز معلوم ہورہا ہے جن میں تراویح کی جماعت بھی شامل ہے۔

فی الدر المختار (۱/۵٦٦):۔ ویکرہ حضورھن الجماعۃ ولو لجمعۃ وعید و وعظ مطلقا ولو عجوزا لیلا، علی المذھب المفتی بہ لفساد الزمان۔

وفی البحر الرائق (۱/۳۵۸):۔ ولا یحضرن الجماعات، لقولہ تعالی وقرن فی بیوتکن، وقال ﷺ صلاتھا فی قعر بیتھا افضل من صلاتھا فی صحن دارھا و

صلاتها فی صحن دارها افضل من صلاتها فی مسجدها وبیوتهن خیر لهن، ولأنه لا یؤمن الفتنة من خروجهن، اطلقه فشمل الشابة والعجوز، والصلاة النهارية والليلة. قال المصنف فی الکافی، والفتوی الیوم علی الکراهة فی الصلاة کلها لظهور الفساد الخ اهـ۔

وفی فتح القدیر (۳۱۷/۱): (ویکره لهن حضور الجماعات) واعلم انه صح عنه ﷺ انه قال لا تمنعوا اماء الله مساجد الله. وقوله اذا استأذنت احدکم امرأته الی المسجد فلا یمنعها، والعلماء حصوه بأمور منصوص علیها ومقیسه، فمن الأول ما صح انه ﷺ قال ایما امرأة اصابت بخورا فلا تشهد معنا العشاء وکونه لیلا فی بعض الطرق فی مسلم: لا تمنعوا النساء من الخروج إلی المساجد الا باللیل، والثانی حسن الملابس، ومزاحمة الرجال، لأن اخراج الطیب لتحریکه الداعیه، فلما فقد الأن منهن هذا، لانهن یتکلفن للخروج مالم یکن علیه فی المنزل منعن مطلقا اهـ

وفی الهندیه ۸۹/۱: والفتوی الیوم علی الکراهة

فی کل الصلوات لظهور الفساد، کذا فی الکافی وھو

المختار کذا فی التبیین اھ

(یہاں تک جواب کا اکثر حصہ مولانا محمد یعقوب صاحب کے فتویٰ ۹۷/۲۲۷ سے ماخوذ ہے)

خلاصہ

ان تمام تصریحات کا خلاصہ یہ ہے کہ خواتین کو فرض نمازوں، تراویح کی نماز اور عید و بقرہ عید کی نماز ادا کرنے کے لئے مسجد کی جماعت میں شریک ہونے کے واسطے مسجد یا عیدگاہ میں حاضر ہونا مکروہ تحریمی ہے یعنی ناجائز ہے، اس لئے خواتین کو مسجد میں حاضر ہونے سے اجتناب کرنا چاہئے، مساجد کے ائمہ اور خطباء نرمی سے مسلمانوں کو یہ مسئلہ سمجھائیں اور مساجد کی جماعتوں میں خواتین کو آنے سے منع کریں اور مساجد کے منتظمین بھی اس کا انتظام کرنے سے پرہیز کریں۔۔۔ خواتین تمام نمازیں خواہ فرض ہوں یا نفل ہوں یا تراویح کی نماز ہو، سب اپنے اپنے گھروں میں بلکہ گھروں کے اندرونی حصوں میں ادا کریں یہی ان کے لئے افضل اور بہتر ہے، اسی میں فتنوں اور دیگر گناہوں سے عافیت اور سلامتی ہے اور یہی سیدھا اور صحیح راستہ ہے، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں مسجد الحرام اور مسجد نبوی میں خواتین کے لئے نمازیں ادا کرنے کا یہی حکم ہے جیسا کہ تفصیل سے اوپر گزرا۔

کسی کے گھر میں تراویح کے لئے جانا

سوال نمبر ۲: میری والدہ بوڑھی ہیں، محتاج خدمت ہیں، میری بہنیں وغیرہ پہلے ان کی خدمت کے ساتھ ساتھ تراویح گھر میں پڑھتی تھیں، اب محلہ کی مسجد میں دس دنوں میں ختم قرآن کریم تراویح میں کیا جاتا ہے، میری

بہنیں بھی مسجد میں تراویح پڑھنے چلی جاتی ہیں، جس کی وجہ سے والدہ کی خدمت متاثر ہوگئی ہے، شرعاً کیا حکم ہے؟

سوال نمبر ۳: میری اہلیہ پڑوس کی عورتوں کے ساتھ مل کر قریب کے محلہ میں رات کے وقت تراویح جماعت کے ساتھ پڑھنے کے لئے جانا چاہتی ہیں اور پندرہ راتوں میں ختم قرآن کریم ہوگا، کیا شرعاً اس کی اجازت ہے جبکہ فتنہ کا زمانہ ہے اور میں خود مسجد میں نماز پڑھنے جاتا ہوں، ان کی آمدورفت میں ان کے ساتھ نہیں جاسکتا۔

سوال نمبر ۴: میری والدہ بوڑھی ہیں، مگر پڑوس کے محلہ میں جاکر قرآن کریم باجماعت تراویح میں دس راتوں کے اندر سننا چاہتی ہیں، شرعاً کیا حکم ہے؟ مگر بوڑھی والدہ کے ساتھ جوان بیٹی کا خدمت کے لیے جانا ناگزیر ہوگا، کیا وہ جوان بیٹی کے ساتھ مسجد میں تراویح کی جماعت میں شمولیت کے لئے جاسکتی ہیں؟

سوال نمبر ۵: گزشتہ سال میری بیوی محلہ میں جاکر قرآن کریم باجماعت تراویح کی نماز میں پڑھنے جاتی تھی، رات دیر سے آتی تھی جس کی وجہ سے صبح سحری میں اٹھنے میں دشواری ہوتی تھی اور بچوں کے معاملات کا نظام درہم برہم ہو جاتا تھا، بچے نیند کے مارے دادی کے یہاں سو جاتے تھے، تراویح کے بعد وہاں سے انہیں اٹھا کر لانا مشکل کام تھا پھر صبح ان کے اسکول و مدرسہ کا نظام بھی متاثر ہو جاتا تھا، ایسی صورت میں آیا، عورتوں کو گھروں میں تراویح پڑھنا افضل ہے یا مسجد وغیرہ میں جاکر باجماعت تراویح پڑھنا افضل ہے۔۔ جبکہ واپسی پر ہر مرد ہر نکلنے والی عورت کو غور سے دیکھتا ہے کہ شاید یہی میری بیوی ہو۔

جواب نمبر ۲ تا ۵: جیسا کہ تفصیل سے اوپر لکھا گیا کہ خواتین کو تراویح

کی جماعت میں شریک ہونے کے لئے مسجد میں آنے کی اجازت نہیں ہے، اس لئے ان تمام صورتوں میں آپ کی بہنوں، بیوی، بیٹی اور والدہ کو گھر ہی میں تراویح کی نماز ادا کرنی چاہئیں، مسجد میں تراویح کی نماز ادا کرنے کے لئے ہرگز نہ جانا چاہئے، خاص طور پر جب اس میں وہ خرابیاں اور مفاسد بھی پائے جائیں جن کا آنجناب نے اپنے سوالات میں ذکر فرمایا ہے، اور جبکہ گھر میں تراویح ادا کرنا ان کے لئے افضل اور بہتر بھی ہے۔

تراویح کا مخلوط اجتماع

سوال نمبر ۶:۔ ہمارے رشتہ داروں کے گھر پر دس راتوں میں تراویح باجماعت ہوتی ہیں جس میں خواتین کے لئے علیحدہ جگہ کا انتظام ہے، مگر مردوں اور خواتین کے درمیان قنات یا پردہ نہیں ہوتا اور خواتین بھی شرعی پردہ کا اہتمام نہیں کرتیں، بالکل بے پردہ ہوتی ہیں، کیونکہ عام خیال یہ ہے کہ سب مسلمان خواتین وحضرات بہن بھائی ہیں، پھر ہوتے بھی سب رشتہ دار ہیں، کیا پردہ لگا کر جماعت سے تراویح ادا کرنا ضروری ہے۔

جواب:۔ تراویح کی جماعت میں شریک ہونے کے لئے اپنے کسی رشتہ دار کے یہاں جانا اور باجماعت تراویح ادا کرنا درست نہیں جیسا کہ اوپر لکھا گیا، نیز خواتین کا بے پردہ گھر سے نکلنا اور نامحرم مردوں کے ساتھ اختلاط کرنا خواہ وہ رشتہ دار ہی ہوں بالکل جائز نہیں، بڑا گناہ ہے اور پھر تراویح کی نماز میں نامحرم مردوں کے پیچھے بے پردہ کھڑا ہونا اور بھی زیادہ قبیح اور برا ہے جس سے بچنا لازم ہے۔

تراویح میں عورتوں کی جماعت

سوال:۔ تراویح میں عورتوں کی جماعت کیسی ہے؟ جب کہ امام بھی عورت ہو اور مقتدی بھی عورت ہو؟ اسی طرح جو عورت حافظ قرآن ہو اور تراویح میں سنائے بغیر اس کا قرآن کریم حفظ نہ رہ سکتا ہو، بھولنے کا اندیشہ ہو، تو کیا ایسی حافظ عورت گھر کے اندر عورتوں کی جماعت میں تراویح کے اندر قرآن کریم سنا سکتی یا نہیں؟

جواب:۔ عورتوں کی جماعت کے بارے اصل حکم یہی ہے کہ خود ان کی جماعت بھی ناجائز اور مکروہ تحریمی ہے اگرچہ تراویح میں ہو، اس لئے عورتوں کو تراویح اور وتر کی نماز بغیر جماعت کے الگ الگ پڑھنی چاہئے۔ البتہ جو عورت قرآن کریم کی حافظہ ہو اور تراویح میں سنائے بغیر حفظ رکھنا مشکل ہو اور بھولنے کا قوی اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں عورتوں کی جماعت تراویح میں حافظ عورت کو قرآن کریم سنانے کی کوئی تصریح تو نہیں ملی لیکن سیدی مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ بلا تداعی (بغیر اعلان کے) صرف گھر کی خواتین کو حافظ عورت کے قرآن کریم کی یاداشت محفوظ رکھنے کی غرض سے اس شرط کے ساتھ اجازت دیا کرتے تھے کہ حافظ عورت کی آواز گھر سے باہر نہ جائے اور تداعی سے پرہیز کیا جائے۔ تداعی سے پرہیز کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اندر دو باتیں پائی جائیں۔ ایک یہ کہ اس کے لئے باقاعدہ اہتمام کر کے خواتین کو نہ بلایا جائے۔ دوسری یہ کہ اگرچہ اہتمام سے خواتین کو نہ بلایا جائے، لیکن اقتداء کرنے والی خواتین کی تعداد امام خاتون کے علاوہ دو یا تین

سے زیادہ نہ ہو۔ حضرت مفتی اعظم رحمہ اللہ کی اس اجازت کی تائید ذیل کی تصریحات سے ہوتی ہے، بلکہ آخری تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ خاتون کی اگر صرف ایک ہی خاتون مقتدی ہو اور دونوں برابر کھڑی ہوں تو اس میں کچھ کراہت نہیں۔

بہر حال! جہاں تک ہو سکے حافظ خواتین کو بھی تراویح کی جماعت سے پرہیز کرنا چاہئے، البتہ بوقت ضرورت شرائط مذکورہ کے ساتھ وہ مذکورہ گنجائش پر عمل کر سکتی ہیں۔

وفی خلاصة الفتاوی، امامة المرأة للنساء جائزة إلا ان صلاتهن فرادیٰ افضل (صفحہ ۱۳۷، جلد۱)

قوله: ویکره تحریما جماعة النساء، لان الامام ان تقدمت لزم زیادة الکشف وان وقفت وسط الصف لزم ترك المقام مقامه وکل منهما مکروه کما فی العنایة وهذا یقتضی عدم الکراهة لو اقتدت واحدة محاذیة لفقد الامرین۔

(طحطاوی علی الدر، ص ۲۴۵، ج ۱، تبویب ۲۵۷، ۳۸ الف) واللہ اعلم

مسجد الحرام اور مسجد نبوی کی جماعت میں خواتین کی شرکت کا حکم

سوال: جو خواتین حج کرنے یا عمرہ کرنے جاتی ہیں وہ مکہ مکرمہ اور

مدینہ منورہ پہنچ کر عموماً پانچوں نمازیں، جمعہ کی نماز، اور رمضان المبارک میں تراویح کی نماز مسجد الحرام اور مسجد نبوی میں باجماعت ادا کرنا ضروری سمجھتی ہیں، اسی لئے مردوں کی طرح وہ بھی تمام نمازیں مسجد میں جا کر پابندی سے ادا کرتی ہیں اور اس کو حج وعمرہ کا حصہ سمجھتی ہیں خواہ کتنا ہی ہجوم ہو اور آنے جانے میں کتنی ہی تکلیف ہو، نیز مسجد الحرام ومسجد نبوی میں خواتین کے نماز باجماعت ادا کرنے میں درج ذیل مفاسد بھی پائے جاتے ہیں۔

ا۔ خواتین کے ساتھ اکثر نابالغ بچے ہوتے ہیں، وہ مسجد میں کھیلتے ہیں، کودتے ہیں، دوڑتے بھاگتے ہیں اور چیختے چلاتے ہیں اور نمازوں کی ادائیگی کے دوران اکثر روتے ہیں جس سے مسجد میں بڑا شور وغل مچتا ہے اور مردوں اور عورتوں کی نماز میں بہت خلل واقع ہوتا ہے۔

۲۔ اکثر بچے اور بعض عورتیں بھی مسجد میں پانی پھیلا دیتی ہیں، مسجد اور اس کے قالینوں کو گندہ کر دیتی ہیں، جس سے مسجد کی بڑی بے ادبی اور بے حرمتی ہوتی ہے۔

۳۔ اکثر خواتین بے پردہ ہوتی ہیں اور خواتین کی مخصوص جگہوں میں بھی نامحرم مردوں سے پردہ کا معقول انتظام نہیں ہوتا جس کی وجہ سے چاروں طرف سے نامحرم مردوں کے آنے جانے کی وجہ سے بے پردگی ہوتی ہے۔

۴۔ حج کے موقع پر اور رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں جب حج اور عمرہ کرنے والوں کی کثرت ہو جاتی ہے اور مسجد الحرام اور مسجد نبوی میں تل

دھرنے کی جگہ نہیں رہتی اکثر خواتین اس وقت بھی مسجد ہی میں نمازیں ادا کرنے کا اہتمام کرتی ہیں اور ہجوم کی وجہ سے اپنی مخصوص جگہ نہ پہنچنے کی وجہ سے مردوں کے ساتھ ان کی صف میں کھڑی ہو کر نمازیں ادا کرتی ہیں جس کی وجہ سے حنفی مذہب کے مطابق بعض مردوں کی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

۵۔ بعض خواتین نمازوں کے دوران جگہ کی تلاش میں نامحرم مردوں کی صفوں کے درمیان گھومتی رہتی ہیں جس سے وہ خود بھی پریشان ہوتی ہیں اور دوسروں کی نمازوں میں بھی بڑا خلل واقع ہوتا ہے۔

۶۔ مسجد الحرام اور مسجد نبوی میں نمازیں ادا کرنے کے بعد چونکہ اکثر خواتین مردوں کے ساتھ مسجد سے باہر نکلتی ہیں، اس سے نامحرم مردوں کے ساتھ عورتوں کا زبردست اختلاط ہوتا ہے، یہ صورتحال اکثر و بیشتر سامنے آتی ہے۔

مذکورہ بالا صورتحال میں اور ذکر کردہ مفاسد کی موجودگی میں خواتین کے لئے مسجد الحرام اور مسجد نبوی میں جا کر نمازیں باجماعت ادا کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں حج کے موقع پر یا رمضان المبارک میں یا دوسرے دنوں میں خواتین کے لئے مسجد الحرام اور مسجد نبوی میں جا کر نمازیں باجماعت ادا کرنا کوئی ضروری نہیں، اور حج وعمرہ کا ہرگز یہ حصہ نہیں بلکہ ان دونوں مساجد میں خواتین کا جماعت کے ساتھ نمازیں ادا کرنے کا وہی حکم ہے جو اس رسالہ کے شروع میں تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ

ہے کہ فرض نمازوں اور تراویح کی نماز باجماعت میں شریک ہونے کے لئے خواتین کو عام مساجد کی طرح ان مساجد میں بھی حاضر ہونے کی اجازت نہیں، خاص طور پر سوال میں ذکر کردہ مفاسد کے ساتھ ان کے حاضر ہونے کی کوئی گنجائش نہیں، اس لئے ان کو اس سے اجتناب کرنا چاہئے، اور تمام نمازیں اپنے گھروں میں ادا کرنی چاہئیں، یہی اُن کے لئے افضل ہے، ہاں خواتین مسجد الحرام میں عمرہ کرنے کے لئے، طواف کرنے کے لئے اور بیت اللہ کی زیارت کے لئے آسکتی ہیں اور مسجد نبوی میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صلوٰۃ و سلام پیش کرنے کے لئے جاسکتی ہیں اور اس دوران اتفاقاً کبھی نماز باجماعت کا وقت ہوگیا اور انہوں نے مسجد کی جماعت میں شریک ہوکر نماز ادا کرلی تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کی نماز ہوجائے گی، لیکن مستقل طور پر خواتین کا باجماعت نمازیں ادا کرنے کے لئے ان مساجد میں حاضر ہونے سے بچنا چاہئے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی النبی الکریم محمد وآلہ واصحابہ
اجمعین وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

عبدالرؤف سکھروی
۲۱/ شعبان المعظم ۱۴۲۲ھ
بروز جمعرات

گانا سننا اور سنانا

حضرت مولانا مفتی عبد الرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ناشر: میمن اسلامک پبلشرز

دکان نمبر ۲۹، نایاب جامع مسجد لیاقت آباد ڈاک خانہ، کراچی ۱۹

بسم الله الرحمن الرحيم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گانا سننا اور سنانا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ سَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

آج ہمارے معاشرے میں گانا سننا اور سنانا بہت عام ہو چکا ہے، گھر گھر، گلی گلی اور بازار فلمی گانوں اور میوزک کی آواز سے گونج رہے ہیں، ٹی وی، وی سی آر، اور ڈش انٹینا نے ان کو بامِ عروج پر پہنچایا ہوا ہے، بعض لوگ شادی بیاہ کی تقریبات میں گانوں کی آواز بلند کر کے پورے محلے کو بلکہ سارے علاقہ والوں کو فلمی گانے، موسیقی اور میوزک سناتے ہیں، چاہے اس وقت کوئی نماز پڑھ رہا ہو یا قرآنِ کریم کی تلاوت کر رہا ہو یا ذکر میں مشغول ہو یا مطالعہ میں مصروف ہو یا آرام کر رہا ہو لیکن انہیں تو محلہ اور علاقہ والوں کو ایک ایک گانا یاد کرانا ہے۔

گانے کی کیسٹوں کا کاروبار کرنے والے اور بعض دیگر تاجر اور ہوٹل والے اپنی دکان پر بلند آواز سے گانے چلائے رکھتے ہیں، اسی طرح ویگن اور بس والے بھی دورانِ سفر گانا سنانے کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں، ایئرپورٹ اور ہوائی جہازوں میں بھی ہلکی آواز سے موسیقی سنائی جاتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ عام مسلمانوں کے دل سے اس کا گناہ ہونا نکل رہا ہے اور دینی رہنما بھی تھک ہار کر اس کے بارے میں کہنا سننا چھوڑتے جا رہے ہیں۔

ایک زمانہ تھا کہ اگر کوئی غیر مسلم گانے باجے کے ساتھ اپنی بارات مسجد کے سامنے سے لے جاتا تو مسلمان اس کو مسجد کی بے حرمتی قرار دے کر ان سے لڑ جاتے اور جان دینے سے بھی دریغ نہ کرتے، لیکن آج مسلمان یا ان کی اولاد عین نمازوں کے اوقات میں مسجد کے سامنے فحش فلمی گانے بجاتے ہیں لیکن انہیں کوئی احساس نہیں، بلکہ اب تو گانا گانے کو اور گانا سننے کو روح کی غذا بتا کر حلال قرار دینے کی فکر کی جا رہی ہے جو نہایت سنگین صورتِ حال ہے اور ایمان شکن معاملہ ہے۔ اس لیے خیال آیا کہ اس بارے میں اللہ جل شانہٗ اور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ارشادات موجود ہیں، اختصار کے ساتھ انہیں جمع کر کے مسلمانوں کی خدمت میں پیش کیا جائے تا کہ وہ انہیں پڑھیں اور آگاہی حاصل کر کے خود بھی اس گناہ سے بچیں اور دوسرے مسلمانوں کو بھی بچائیں اور اب تک جو گناہ ہوا اس سے سچی توبہ کریں۔

گانا قرآنِ کریم کی رو سے حرام ہے

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے چار مقامات پر گانے سے منع فرمایا ہے۔ ان میں سے ایک مقام یہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۞ (سورہ لقمان: آیت ۶)

بعض لوگ ایسے ہیں جو ان باتوں کے خریدار ہیں جو اللہ تعالیٰ سے غافل کرنے والی ہیں، تاکہ بے سوچ سمجھے اللہ تعالیٰ کی راہ سے بھٹکائیں اور اس راہِ حق کا مذاق اڑائیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے ذلت آمیز عذاب ہے۔

فائدہ

اس آیت میں "لَهْوَ الْحَدِيْثِ" سے مراد گانا ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے جب اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا:

"قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں اس سے مراد گانا ہی ہے" آپ نے یہ جملہ تین مرتبہ دہرایا (تاکہ پوچھنے والا اچھی طرح سمجھ لے)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ: "لَهْوَ الْحَدِيْث" سے گانا اور اسی قسم کی چیزیں مراد ہیں۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ مذکورہ آیت گانے بجانے کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اس میں "لَهْوَ الْحَدِيْث" سے مراد گانا اور اسی قسم کی دوسری چیزیں ہیں، جیسے رات گئے تک قصے کہانیاں، لطیفہ گوئی اور خرافات وغیرہ سننا؛ بلکہ ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے اور اس کے ذکر سے غافل کر دے (سب اس میں شامل ہیں)۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ بعض لوگ اللہ تعالیٰ سے غافل کرنے والی چیزوں کے خواہش مند ہیں یعنی وہ گانا سننا اور سنانا اور اسی طرح کی دوسری چیزیں پسند کرتے ہیں، ان کا یہ طرزِ عمل راہِ حق سے بھٹکانے بلکہ دین متین کا مذاق اڑانے کے برابر ہے کیونکہ دین کا مقصد انسان کو اللہ تعالیٰ سے جوڑنا ہے اور اس کی عبادت میں لگانا ہے اور گانا وغیرہ بالکل اس کی ضد اور اس کے خلاف ہے، لہٰذا ایسے لوگوں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے، اور جس چیز پر عذاب کی دھمکی دی جائے وہ ناجائز ہوتی ہے، اس لیے گانا سننا اور سنانا حرام ہے۔

نیز آیتِ بالا جس سلسلے میں نازل ہوئی ہے، اس سے بھی گانے اور قصے کہانیوں کا اسلام کے خلاف ہونا معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ”نضر بن حارث“ کافروں میں ایک شخص تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت مخالف اور بدترین دشمن تھا، وہ چاہتا تھا کہ لوگ قرآن کریم کی طرف متوجہ نہ ہوں، وہ تجارت کی غرض سے ملک فارس جاتا اور وہاں سے رستم اور اسفندیار کے قصے خرید کر لاتا اور مکہ مکرمہ میں لوگوں کو جمع کر کے سناتا، تاکہ لوگ قرآن کریم سننے اور اسلام قبول کرنے سے باز رہیں، یہ دشمن اسلام لوگوں سے کہتا کہ یہ پیغمبر تم کو قوم عاد اور قوم ثمود کے قصے سناتے ہیں، میں تم کو ایران کی مشہور لڑائیوں اور مشہور پہلوانوں کے قصے سناتا ہوں، تم ہی بتاؤ! دونوں قسم کے قصوں میں دل چسپی کون سے قصوں میں ہے؟ بلکہ ایک دفعہ وہ ایک گانے والی لونڈی خرید کر لایا اور جس کو دیکھتا کہ وہ اسلام کی طرف مائل ہے، اس کو اپنے گھر لے جا کر کھانا کھلاتا اور گانا سنوا کر قرآن کریم سے مقابلہ کرتا اور پوچھتا بتاؤ! مزہ اور دل لگی گانے میں ہے یا قرآن کریم

میں؟ (العیاذ باللہ)

سوال کا مقصد صرف اور صرف یہ تھا کہ لوگ ان قصے کہانیوں میں اور گانے باجے میں لگ جائیں اور قرآنی ہدایت سے متنفر ہو جائیں، یہ آیت اسی شخص کے بارے میں نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعہ ہر اس چیز کو حرام قرار دے دیا جو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے اور اس کی یاد سے غافل کر دے، خواہ وہ قصے کہانیاں ہوں یا ہنسنے ہنسانے کی باتیں اور خرافات ہوں یا گانا سننا سنانا ہو، سب حرام اور ناجائز ہیں۔ (تفسیر کشف الرحمن تبصرف کثیر، ج ۲، ص ۶۵۵)

بہر حال! قرآنِ کریم کی مذکورہ آیت اور دیگر آیات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے والے بیسیوں ارشادات سے واضح طور پر ثابت ہے کہ فلمی اور غیر فلمی گانے، موسیقی، ڈھولک، سارنگی، ہارمونیم، بانسری، جھانجھ، ڈسکو، میوزک، ڈرامے، جھوٹی کہانیاں، ناولیں، برہنہ یا نیم برہنہ البم اور فلمیں وغیرہ سب ناجائز ہیں، ان میں مشغول ہونا یا دوسروں کو ترغیب دینا بلاشبہ گناہ ہے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر آج تک ناچ گانا دشمنانِ اسلام کی وہ ٹھنڈی تلوار ہے جس کو انہوں نے ہمیشہ اسلام کو مٹانے اور مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لیے استعمال کیا ہے، آج کل ٹی وی، وی سی آر اور ڈش انٹینا کے ذریعہ عریاں فلمیں، فحش ڈرامے، ناچ گانے، چوری ڈکیتی اور قتل و غارت گری کے پروگرام دکھا کر یہ مقصد خوب حاصل کیا جا رہا ہے، تا کہ مسلمان ان میں منہمک رہیں اور عیش پرستی میں غرق ہو کر اپنا دین و مذہب چھوڑ دیں اور آخرت سے غافل ہوں اور ان کے غلام رہیں اور پھر کبھی بھی ان کے مقابلہ میں نہ آسکیں۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ دشمنانِ اسلام کے

اس خفیہ ہتھیار سے اور خاموش تلوار سے بچیں۔

گانے کے بارے میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چند ارشادات یہ ہیں:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تشریف لانے کا مقصد

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: بلاشبہ میں (دنیا میں) بانسریاں (یعنی آلاتِ موسیقی) توڑنے کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ (نیل الاوطار)

حضرت اُمامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مسلمانوں کے لیے ہدایت و رحمت بنا کر بھیجا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں بانسری طنبور، صلیب اور امورِ جاہلیت کو مٹادوں۔ (ابوداؤد) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ ڈھول اور بانسری مٹادوں۔ (جمع الجوامع)

فائدہ

ان تینوں احادیث سے واضح ہوا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دنیا میں تشریف لانے کا مقصد جہاں کفر و شرک کو مٹانا اور توحید کی دعوت دینا تھا وہاں آپ کا مقصد یہ بھی تھا کہ آپ دنیا سے گانا باجا، ڈھولک، سارنگی اور تمام آلاتِ موسیقی توڑ دیں اور ان کا نام و نشان مٹادیں۔ اب آپ ذرا غور کریں جن پر ہم ایمان رکھتے ہیں اور جن کے ہم نام لیوا ہیں، وہ دنیا سے ناچ گانا مٹانے کے لیے تشریف لائیں اور ہم ناچ گانے اور موسیقی میں مشغول ہوکر آپ کے تشریف لانے کے مقصد کی مخالفت کریں، کتنے افسوس اور خطرہ کی بات

ہے! ہمارے دین وایمان کا ہم سے یہ مطالبہ ہے کہ ہم اپنے نبی محترم ﷺ کی تابعداری کرتے ہوئے ہر قسم کے ناچ اور گانا سننے سے بچیں اور اس مشغلہ کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ دیں۔

صورتیں مسخ ہونا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے قریب میری امت کے کچھ لوگوں کی صورتیں مسخ کر کے انہیں بندروں اور خنزیروں کی صورتوں میں بدل دیا جائے گا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! کیا وہ لوگ مسلمان ہوں گے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں وہ لوگ اس بات کی گواہی دیں گے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور وہ روزے بھی رکھیں گے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا یارسول اللہ ﷺ! پھر ان کا یہ حال کیوں ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ لوگ باجوں اور گانے والی عورتوں کے عادی ہو جائیں گے، شرابیں پیا کریں گے، ایک شب جب وہ شراب نوشی اور لہو ولعب میں مشغول ہوں گے تو صبح تک ان کی صورتیں مسخ ہو چکی ہوں گی۔ (ابن حبان)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

اس امت میں زمین میں دھنسنے، صورتیں بگڑنے اور پتھروں کی

بارش کے واقعات ہوں گے، عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ایسا کب ہوگا؟ آپ نے فرمایا: جب گانے والیاں عام ہو جائیں گی اور شراب حلال سمجھی جائے گی۔ (ابن ماجہ)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اس امت میں بھی زمین میں دھنسنے، صورتیں مسخ ہونے اور پتھروں کی بارش کے واقعات ہوں گے، مسلمانوں میں سے ایک شخص نے پوچھا: یا رسول اللہ! ایسا کب ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب گانے والی عورتوں اور باجوں کا عام رواج ہو جائے گا اور کثرت سے شرابیں پی جائیں گی۔ (ترمذی)

مسخ ہونے کا مطلب

ان احادیث میں گانا گانے اور گانا سننے والوں کے بارے میں کتنی خوفناک وعید مذکور ہے، پچھلی امتوں میں بنی اسرائیل پر ان کی نافرمانی کی وجہ سے بندر اور خنزیر بننے کا عذاب آیا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں گانا سننے اور سنانے والوں کے لیے اس عذاب کی دھمکی دی گئی ہے، اس لیے گانا سننے اور سنانے سے پرہیز کرنا چاہیے۔

البتہ احادیث بالا میں گانے کا مشغلہ رکھنے والوں کے خنزیروں اور بندروں کی شکل میں تبدیل ہونے کے متعلق علماء کرام کے دو قول ہیں، بعض علماء فرماتے ہیں کہ واقعۃً ان لوگوں کی شکلیں بندروں اور خنزیروں کی شکل میں تبدیل ہو جائیں گے اور وہ انسانوں کے بجائے بندر اور خنزیر بن کر رہ جائیں گے اور غالباً یہ اس زمانہ میں ہوگا جب قیامت کی بڑی بڑی نشانیاں

ظاہر ہو جائیں گی اور یہ بھی اس کی بڑی نشانی ہوگی۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہاں مسخ کے حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ مجازی معنی مراد ہیں اور وہ یہ ہیں کہ گانا گانے اور گانا سننے سے دو صفات پیدا ہو جائیں گی، ایک بے حیائی اور بے غیرتی، دوسرے بے وقاری اور نقالی، بے غیرتی کا اصل مالک خنزیر ہے، بے وقاری اور نقالی کا حقیقی مالک بندر ہے، لہٰذا گانا سنانے والوں اور گانا سننے والوں میں اس گناہ کی وجہ سے بے غیرتی، بے شرمی، نقالی اور بے وقاری پیدا ہوگی۔ چنانچہ گانے کا مشغلہ رکھنے والوں میں ان دو خصلتوں کا مشاہدہ آج بھی عام ہے کہ ایسے لوگوں میں شرم و حیا کا نام نہیں ہوتا اور دوسروں کی نقالی اور فیشن پرستی میں دن رات مبتلا رہتے ہیں، گویا ان کا باطن پوری طرح بندر اور خنزیر بن چکا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی پناہ!

بانسری کی آواز سے بچنا

حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ ایک چرواہے کی بانسری کی آواز سنی تو اپنے دونوں کانوں پر انگلیاں رکھ لیں اور اپنی سواری کو راستے سے موڑ لیا، پھر کہنے لگے نافع! آواز آرہی ہے؟ حتیٰ کہ میں نے عرض کیا اب آواز نہیں آرہی، تو آپ نے اپنے کانوں پر سے ہاتھ ہٹالیے، اور اسی راستے پر آگئے، پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے چرواہے کی بانسری کی آواز سن کر ایسا ہی کیا تھا۔ (ابوداؤد)

فائدہ

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے بندوں کا شیوہ ہے کہ وہ گانا اور بانسری

وغیرہ کی آوازیں جان بوجھ کر تو سنتے ہی نہیں لیکن اگر کبھی بلا قصد و ارادہ بھی سننے میں آجائیں تو کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں، ہمیں بھی ان کے نقش قدم پر چلنا چاہئے۔

بلا ارادہ کانوں میں گانے کی آواز آنا

آج کل گانوں کی آواز اتنی عام ہے کہ کوئی گلی، کوئی بازار اس سے خالی نہیں، جہاں سے گزریں بلا اختیار گانوں کی آواز کانوں میں آتی ہے، کسی بس یا ویگن میں سفر کریں تو ان میں بھی گانوں کے کیسٹ چلائے جاتے ہیں اور منع کرنے کے باوجود وہ بند نہیں کرتے اور سفر بھی ناگزیر ہوتا ہے، ایسی صورت میں مسئلہ یہ ہے کہ گانا سننے کے گناہ کا دارومدار قصد و ارادہ پر ہے یعنی جان بوجھ کر گانا سننے سے گناہ ہوتا ہے، لیکن اگر بلا قصد و ارادہ گانے باجے کی آواز کان میں پڑ جائے تو گناہ نہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو جو آواز سنائی دے رہی تھی، وہ بلا قصد و اختیار تھی اور ان کے لیے کان بند کرنا ضروری نہ تھا، لیکن انہوں نے ازراہِ تقویٰ کان بند کر لیے، خصوصاً اس وجہ سے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسے موقعہ پر کان بند کر لیے تھے، چنانچہ آج بھی اگر کوئی گانے وغیرہ کی آواز سے کان بند کر لے تو بہتر ہے، لیکن اگر کوئی کان بند نہ کرے اور یوں ہی گزر جائے یا سواری میں بیٹھا رہے اور قصداً گانا نہ سُنے تو گناہ نہیں۔

آلاتِ موسیقی حرام ہیں

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے شراب، جوا، طبل اور

طنبور کو حرام کیا ہے، نیز ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ (ابوداؤد)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے شراب، جوے اور طبل کو حرام کیا ہے، نیز ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ (ابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ طبل حرام ہے اور بانسریاں حرام ہیں۔ (رواہ مسدد)

فائدہ

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ طبل یعنی ڈھول، طنبور یعنی ستار اور بانسریوں کا استعمال حرام ہے اور ان آلات کا ذکر بطور مثال کے ہے ورنہ تمام آلاتِ موسیقی کا یہی حکم ہے۔

بہر حال! گانا گانا الگ گناہ ہے اور گانے کے ساتھ استعمال ہونے والے آلات جدا حرام ہیں، دونوں سے بچنا چاہئے۔

گانے والے کی نماز مقبول نہیں

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات کسی شخص کے گانے کی آواز سنی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا: اس کی نماز مقبول نہیں، اس کی نماز مقبول نہیں، اس کی نماز مقبول نہیں۔ (نیل الاوطار ۹)

فائدہ

گانا سننا اور سنانا ایسا منحوس عمل ہے کہ اس میں مشغول ہونے والا شخص

اگر نماز ادا کرے تو گو فرض اس کے ذمہ سے اتر جائے، لیکن اس کی نماز مقبول نہ ہوگی اور باعث اجر وثواب نہ ہوگی، اور پیچھے حدیث میں گزر چکا ہے کہ گانا سننے والے باوجود مسلمان ہونے کے اور نماز روزہ ادا کرنے کے ان کی شکلیں بندروں اور خنزیروں کی صورتوں میں بدل جائیں گی۔ لہٰذا گانے کا شغل رکھنے والے اپنے انجام پر غور کرلیں۔

گانے سے لطف اندوزی کفر ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گانا باجا سننا گناہ ہے اور (گانا) سننے کے لیے بیٹھنا نافرمانی ہے اور اس سے لطف لینا کفر ہے۔ (نیل الاوطار)

فائدہ

حدیث میں کفر سے ''کفرانِ نعمت'' مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ اعضاء وجوارح اس لیے دیئے ہیں کہ ان سے وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات بجا لائے اور اپنی تمام طاقتوں اور صلاحیتوں کو اس کی عبادات میں لگائے، لیکن اگر وہ ایسا کرنے کے بجائے انہی چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اور گناہوں میں صرف کرنے لگے تو یہ سب سے بڑی ناشکری اور ناقدری ہے، اس لیے گانا سننے سنانے سے بچنا چاہیے۔

گانے کی اجرت حرام ہے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: گانے والی عورت کی اُجرت اور اس کا گانا دونوں حرام ہیں۔ (طبرانی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گانے والی اور نوحہ کرنے والی عورتوں سے روکا ہے اور ان کی خرید و فروخت سے منع کر دیا ہے اور فرمایا کہ ان عورتوں کی کمائی حرام ہے۔ (ترمذی)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں گانے کے آلات توڑنے کے لیے بھیجا گیا ہوں (اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ) گانے والے مرد اور گانے والی عورت کی کمائی حرام ہے اور فاحشہ عورت کی آمدنی بھی حرام ہے اور اللہ تعالیٰ نے ضابطہ بنالیا ہے کہ جنت میں حرام آمدنی سے پرورش پانے والے جسم کو داخل نہیں کریں گے۔ (کنز العمال)

ایک دوسری روایت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ گانے والی عورت کی کمائی حرام ہے اور اس کا گانا سننا اور اس کی طرف دیکھنا بھی حرام ہے، نیز اس کی اجرت لینا اسی طرح حرام ہے جس طرح کتے کی قیمت لینا حرام ہے اور جو گوشت حرام کی کمائی سے پروان چڑھتا ہے، دوزخ کی آگ اس کی زیادہ مستحق ہے۔ **(المعجم الکبیر)**

فائدہ

ان احادیث سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

① گانا گانا حرام ہے۔

② گانا گانے کا معاوضہ لینا دینا حرام ہے۔

③ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گانے کے آلات توڑنے کے لیے بھیجے گئے ہیں۔

④ گانا سننا اور گانے والی عورت کی طرف دیکھنا حرام ہے۔

⑤ حرام کی کمائی سے پرورش پانے والا جسم جنت میں نہ جائے گا، وہ صرف دوزخ کے لائق ہے۔

آج کل فلمی دنیا میں گانا گانے والے مرد و عورت گانے کی بھاری اجرت وصول کرتے ہیں اور کمائی کا یہ اعلیٰ ذریعہ ہے، لیکن حرام کی اجرت بہرحال حرام ہوتی ہے، لہٰذا جب گانا حرام ہے تو اس کا معاوضہ بھی حرام ہے اور گانے والی عورت کی طرف شہوت سے دیکھنا اور گانا سننا بھی حرام ہے، آج گھر گھر ٹی وی، وی سی آر اور ڈش انٹینا کے ذریعہ یہ گناہ عام ہو چکا ہے، افسوس کہ اب مسلمانوں کے ذہن سے اس کا گناہ ہونا بھی نکلتا جا رہا ہے۔ بہرحال! ہر مسلمان مرد و عورت کو گناہ کی ان تمام صورتوں سے بچنا چاہئے۔

گانے سے نفاق پیدا ہوتا ہے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گانا دل میں اسی طرح نفاق پیدا کرتا ہے جس طرح پانی کھیتی اگاتا ہے۔ (رواہ البیہقی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گانے کی محبت دل میں اس طرح نفاق

پیدا کرتی ہے جس طرح پانی سبزہ اگاتا ہے۔ (دیلمی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گانا باجا سننے سے بچو! اس لیے کہ یہ دل میں نفاق پیدا کرتا ہے جس طرح پانی کھیتی اگاتا ہے۔ (رواہ الصعری)

فائدہ

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ گانا سننے سنانے سے انسان میں نفاق پیدا ہوتا ہے اور نفاق کی حقیقت یہ ہے کہ ظاہر میں کچھ اور باطن میں کچھ۔

جو شخص گانے باجے میں مشغول رہتا ہے، عام طور پر اس کا دو حال میں سے ایک حال ضرور ہوتا ہے یا وہ باوجود مسلمان ہونے کے نماز، روزہ اور دیگر احکام کا تارک ہوگا اور کھلم کھلا گانا گانے اور گانا سننے کا گناہ کرے گا، اس حالت میں وہ بدترین قسم کا فاسق وفاجر انسان ہوگا، آج بھی گانے کا مشغلہ رکھنے والے بہت سے مسلمانوں کا یہی حال ہے۔ یا پھر بظاہر وہ نماز روزہ کا پابند ہوگا اور دوسرے احکام بھی بجالائے گا، لیکن ساتھ ساتھ ناچ گانے سے بھی لطف اندوز ہوتا ہوگا تو اس صورت میں وہ جیسا نظر آتا ہے ویسا نہیں ہے، ظاہر سے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ظاہر کرتا ہے کیونکہ ظاہری احکام ادا کر رہا ہے لیکن دل میں گانے اور موسیقی کی محبت بھری ہوئی ہے، جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی ممانعت اور ان کی ناراضگی کو بھی نظر انداز کر رہا ہے اور اس کے دل میں ناچ گانے کی محبت خدا اور اس کے رسول

صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے زیادہ ہے اور یہ بھی نفاق ہے۔

گانے سے غفلت پیدا ہوتی ہے

نیز گانا اور موسیقی انسان میں اس قدر غفلت پیدا کرتے ہیں کہ آدمی میں قرآن کریم کو سمجھنے، اس پر غور کرنے اور اس پر عمل کرنے کا جذبہ اور شوق ہی ختم ہو جاتا ہے بلکہ رفتہ رفتہ وہ انسان کے شہوانی جذبات میں تیزی پیدا کر کے اس کو بدنظری، جنسی بے راہ روی، بدکاری اور زنا جیسے بدترین گناہ میں مبتلا کرتا ہے جو قرآن کریم کی تعلیم کے بالکل الٹ ہے، کیونکہ قرآن کریم انسان کو نفسانی خواہشات کی پیروی سے روکتا ہے، عفت اور پاکدامنی کا حکم دیتا ہے، شہوانی جذبات میں کنٹرول پیدا کر کے بدکاری اور زناکاری سے باز رکھتا ہے۔ اس طرح گانا قرآنی تعلیم کے بالکل خلاف محض شیطان کی پیروی کی دعوت دیتا ہے جو سراسر نفاق ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان کو اپنا دین وایمان نفاق سے اور شیطان کے اس سلو پائزن سے بچانا چاہیے جس کا واحد طریقہ یہی ہے کہ وہ ناچ گانے کے گناہ سے سچی توبہ کرے اور نکاح کی تقریبات میں بھی اس گناہ سے بچے اور عام زندگی میں بھی اس سے اجتناب کرے۔

کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی گانے والی باندی کے پاس اس لیے بیٹھے تاکہ اس کا گانا سنے تو قیامت کے دن اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا۔ (ابن عساکر)

فائدہ

فلمیں خواہ سینما ہال میں دیکھیں یا ٹی وی، پر ان میں جہاں یہ اہم مقصد ہوتا ہے کہ گانے اور ناچنے والی عورت کو دیکھیں اور اس کے حسن و جمال سے جنسی لطف اٹھائیں، وہاں یہ مقصد بھی ہوتا ہے کہ اس کا گانا سنیں، بلکہ گانا سننے کے ذرائع بہ نسبت دیکھنے کے زیادہ وسیع ہیں، کیونکہ گانے ریڈیو اور کیسٹ کے ذریعہ ٹیپ ریکارڈ پر بھی عام سنے اور سنائے جاتے ہیں، لیکن گانا سننا اور سنانا کسی ذریعہ سے بھی ہو، ہر حال میں گناہ ہے، دنیا کی چند روزہ زندگی میں شاید کچھ پتہ نہ چلے لیکن اس کا انجام قیامت کے دن یہ ہوگا کہ جہنم کی آگ میں پگھلا ہوا سیسہ اس کے کانوں میں ڈالا جائے گا اور قیامت کا دن، حساب و کتاب اور عذاب وثواب سب بالکل برحق ہے۔ اب آپ سوچ لیں!

دوملعون آوازیں

حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو قسم کی آوازیں ایسی ہیں جن پر دنیا اور آخرت دونوں میں لعنت کی گئی ہے، ایک خوشی کے موقع پر باجے تاشے کی آواز، دوسرے مصیبت کے موقع پر رونے اور نوحہ کی آواز۔ (رواہ البزاز)

فائدہ

ہر انسان کو عموماً دو حالتیں پیش آتی ہیں، ایک غم کی حالت اور دوسری خوشی کی حالت، دونوں حالتوں میں دو عبادتوں کا حکم ہے، غم کی حالت میں صبر

کرنا اور اللہ تعالیٰ کی مشیت پر راضی رہنا اور خوشی کی حالت میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا۔ اور صبر وشکر دونوں بڑی عظیم عبادتیں ہیں، قرآن وحدیث ان کے اجر و ثواب سے بھرے ہوئے ہیں، شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے، وہ ہر موقع پر انسان کو عبادت سے ہٹا کر گناہ میں لگانے کی کوشش کرتا ہے، تاکہ وہ ثواب سے اور اللہ تعالیٰ کی رضا سے محروم ہو، یہاں بھی اس نے یہی کیا کہ غم کے موقع پر سینہ پیٹنے، گریبان پھاڑنے اور حد سے زیادہ رونے دھونے میں لگا دیا اور خوشی کے موقع پر گانے بجانے اور ناچنے میں مشغول کر دیا اور یہ دونوں ہی بڑے گناہ ہیں، اسی لیے ان پر لعنت ہے، راہِ نجات یہی ہے کہ گانے باجے سے اور نوحہ سے پرہیز کریں۔

دو احمقانہ اور فاجرانہ آوازیں

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا ہاتھ تھاما اور میں آپ کے ساتھ آپ کے بیٹے حضرت ابراہیم کے پاس چلا گیا، حضرت ابراہیم اس وقت نزع کی حالت میں تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنی گود میں اٹھالیا، یہاں تک کہ ان کا انتقال ہو گیا، پھر آپ نے انہیں گود سے اتار دیا اور رونے لگے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ رو رہے ہیں، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رونے سے منع فرمایا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا: میں نے رونے سے منع نہیں کیا، البتہ دو احمقانہ اور فاجرانہ آوازوں سے منع کیا ہے، ایک خوشی کے موقع پر

کھیل کود اور شیطانی باجوں کی آواز سے، دوسرے مصیبت کے وقت چہرہ پیٹنے، گریبان چاک کرنے اور رونے کی آواز سے۔ (حاکم)

فائدہ

کسی کے انتقال پر حدِ اعتدال میں رونا اور اس کی جدائی پر آنسو بہانا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے، اس کی کوئی ممانعت نہیں، ممانعت اس رونے کی ہے جو حد سے زیادہ ہو، جس میں چہرہ نوچا جائے، سینہ پیٹا جائے، گریبان چاک کیا جائے اور بین کر کے رویا جائے اور شادی بیاہ یا کسی اور خوشی کے موقع پر گانا باجا اور کھیل تماشا بھی گناہ ہیں، کیونکہ یہ سب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت کے خلاف ہیں اور آخرت سے غافل کرنے والی ہیں۔

گھنٹی اور گھنگرو کے استعمال کی ممانعت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: گھنٹی شیطان کے باجے ہیں۔ (مسلم وابوداؤد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: فرشتے اس جماعت میں شریک نہیں ہوتے جس میں کتا یا گھنٹی ہو۔ (مسلم وابوداؤد)

حضرت خوط بن عبدالعزیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مصر سے ایک قافلہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا، ان کے جانوروں

پر گھنٹیاں بندھی ہوئی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ گھنٹیاں کاٹ دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھنٹی کو مکروہ قرار دیا اور فرمایا کہ فرشتے ایسی جماعت کے ساتھ نہیں رہتے جس میں گھنٹی ہو۔ (رواہ مسدد)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک مرتبہ ایک بچی لائی گئی جو گھنگرو پہنے ہوئے تھی اور گھنگرو بول رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کو میرے پاس نہ لایا کرو جب تک ان کے گھنگرو نہ کاٹ دو! اس لیے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے جس میں گھنٹی ہو۔ (ابوداؤد)

فائدہ

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف گانے باجوں سے منع فرمایا ہے بلکہ گھنٹی اور گھنگرو باندھنے سے بھی منع فرمایا ہے، کیونکہ یہ بھی گانے باجے کے آلات میں داخل ہیں اور ناچ گانے میں زبردست مددگار ہیں بلکہ گھنگرو کے بغیر ناچ ورنگ میں جان ہی نہیں پڑتی۔ اسی ممانعت میں جانوروں کے گلے اور پیروں میں گھنٹی اور گھنگرو باندھنا بھی داخل ہے۔ اسی طرح بعض عورتیں گھنگرو، پازیب اور کنگن آواز دار استعمال کرتی ہیں، ان کو بھی اس سے بچنا چاہیے، البتہ سادہ پازیب اور کنگن جن سے آواز پیدا نہ ہو، ان کا استعمال درست ہے۔

گانا سُننے والوں کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بددعا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ سفر میں تھے کہ آپ نے دو آدمیوں کے گانے کی آواز سنی، ان میں سے ایک شعر پڑھتا تھا اور دوسرا اس کا جواب دیتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ذرا دیکھو! یہ کون لوگ ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا، فلاں فلاں ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے بددعا فرمائی اور کہا اے اللہ! انہیں جہنم میں الٹ دے اور آگ میں دھکیل دے۔

(مجمع الزوائد)

مذکورہ بالا آیات واحادیث سے واضح ہوگیا کہ گانا سننا اور سنانا حرام ہے اور اس کے ناجائز ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، لہٰذا ہر مسلمان مرد وعورت کو اس گناہ سے بچنا چاہیے۔

گانے کو جائز کہنے والوں کے بے وزن دلائل

بعض لوگ گانے کو جائز قرار دینے کے لیے عجیب وغریب دلائل دیا کرتے ہیں، جنہیں سن کر بعض سادہ لوح مسلمان بھی شک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اختصار سے ان کا بھی ذکر کیا جاتا ہے۔

عید کے دن گانے کا جواز

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے یہاں تشریف لائے، اس وقت دو لڑکیاں میرے

پاس بیٹھی جنگِ بُعاث کے گیت گا رہی تھیں، حضور ﷺ بستر پر لیٹ گئے اور دوسری طرف منہ پھیر لیا، اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آگئے، انہوں نے مجھے ڈانٹا اور فرمایا: یہ شیطانی راگ حضور ﷺ کے سامنے؟ آنحضرت ﷺ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: جانے بھی دو، جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دوسرے کاموں میں لگے تو میں نے ان دونوں لڑکیوں کو اشارہ کیا اور وہ باہر نکل گئیں، یہ عید کا دن تھا۔ (صحیح بخاری)

بخاری شریف کی دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو اس وقت دو انصاری لڑکیاں میرے پاس بیٹھی وہ اشعار گا رہی تھیں جو انصار نے جنگ بعاث میں کہے تھے، یہ دونوں لڑکیاں کوئی پیشہ ور گانے والیاں نہیں تھیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھتے ہی کہا: یہ شیطانی راگ حضور ﷺ کے گھر میں؟" یہ عید کے دن کا واقعہ ہے، تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ابوبکر! ہر قوم کے لیے عید کا دن ہوتا ہے اور آج ہماری عید ہے۔ (صحیح بخاری)

فائدہ

بعض لوگ مذکورہ حدیثوں کے حوالے سے گانا گانے اور گانا سننے کو جائز قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب عید کے دن حضور ﷺ کے گھر لڑکیاں گانا

گا رہی تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دی تو ہمارے لیے بھی شادی بیاہ اور ہر خوشی کے موقع پر گانا سننا اور سنانا درست ہے۔ لیکن ایسے لوگوں کا ان احادیث سے گانے کی اجازت نکالنا درست نہیں، کیونکہ ان احادیث میں سرے سے گانے کا کوئی ذکر ہی نہیں بلکہ جنگ بعاث کے گیت اور اشعار ترنم سے پڑھنے کا ذکر ہے اور ایسے اشعار کا گانے سے کوئی تعلق نہیں اور جنگ بعاث اس جنگ کا نام ہے جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے سے تین سال پہلے قبیلہ اوس اور خزرج کے درمیان ہوئی تھی، یہ لڑکیاں جو اشعار پڑھ رہی تھیں وہ اس جنگ میں شجاعت اور بہادری کے جذبات ابھارنے سے متعلق تھے جو ایک طرح سے جہاد کے لیے معاون اور مفید تھے، نیز یہ لڑکیاں ابھی نابالغ اور غیر مکلف تھیں، کوئی پیشہ ور گانے والیاں نہیں تھیں، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہیں فرمایا، ورنہ گانے کی طرح اگر یہ اشعار عشقیہ اور ناجائز مضامین پر مشتمل ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز خاموش نہ رہتے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور منع فرماتے، اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان لڑکیوں کو اس لیے منع فرمایا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں عام طور پر یہ بات معروف تھی کہ گانا گانا ناجائز اور شیطانی کام ہے اور انہیں یہ اشعار بھی گانے کے مشابہ محسوس ہوئے، اس لیے منع کیا، جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا: ''جانے بھی دو، آج عید کا دن ہے'' درگزر سے کام لو۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان احادیث سے گانے باجے کا جائز ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

دف کے ذریعہ نکاح کا اعلان

حضرت رُبیع رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میری رخصتی ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اسی طرح بیٹھے جس طرح تم میرے سامنے بیٹھے ہو، اتنے میں ہماری کچھ بچیوں نے دف پر گا گا کر میرے مقتول باپ اور دادا کا مرثیہ کہنا شروع کیا، اس دوران ان میں سے ایک لڑکی نے یہ مصرعہ پڑھا جس کا ترجمہ یہ ہے: ''اور ہم میں ایک ایسا نبی ہے جو کل کی بات جانتا ہے''۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا: اسے رہنے دو اور جو پہلے کہہ رہی تھیں وہی کہتی رہو۔ (بخاری شریف)

فائدہ

حضرت رُبیع رضی اللہ عنہا وہ صحابیہ ہیں جن کے والد اور چچا حضرت معاذ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما غزوۂ بدر میں شہید ہوگئے تھے، گانے والی بچیاں غزوۂ بدر میں ان کے والد اور چچا کی دلیری اور بہادری پر مشتمل اشعار گا رہی تھیں، اور چونکہ غیب دان ہونا صرف اللہ تعالیٰ کی خصوصیت ہے اور ایک لڑکی کے مصرعہ میں علم غیب کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کی گئی تھی، اس لیے آپ نے اس مصرعہ کو پڑھنے سے منع فرمایا۔ نیز اشعار گانے والی کم سن بچیاں تھیں، بالغ عورتیں نہ تھیں اور وہ بھی دف پر شادی میں جنگی اشعار گا رہی تھیں۔

دف کے ذریعہ نکاح کا اعلان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: نکاح کا اعلان کیا کرو، نکاح مسجد میں پڑھا کرو اور اس موقع پر دف بجاؤ۔ (ترمذی شریف)

فائدہ۔

ان دونوں حدیثوں میں اور بعض دوسری حدیثوں میں نکاح کے موقع پر دف بجانے کا ذکر ہے جن سے مقصود نکاح کا اعلان اور اس کی اطلاع کرنا ہے۔ اس لیے حضرات علماء کرام رحمہم اللہ نے فرمایا کہ نکاح کے موقع پر نکاح کا اعلان کرنے کے لیے دف بجانا جائز ہے جبکہ اس کے ساتھ کسی اور حرام کام کا ارتکاب نہ ہو، اور دف اتنی آواز سے بجانا چاہئے جس سے اعلانِ نکاح کی ضرورت پوری ہو جائے اور نکاح کا اعلان دف بجا کر کرنا بھی ضروری نہیں ہے، اگر کسی اور طریقے سے لوگوں کو نکاح کی اطلاع ہو جائے، وہ بھی کافی ہے۔ بلکہ بعض علماء کرام رحمہم اللہ نے دف بجا کر نکاح کا اعلان کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (کذافی امداد الفتاوی: ج۲، ص۲۳۸) اس لیے نکاح کے اعلان کے لیے دف نہ بجانے میں احتیاط ہے تاہم یہ ساری تفصیل نکاح کا اعلان کرنے کی غرض سے دف بجانے کے متعلق ہے۔

بعض لوگوں نے دف کی اجازت پر قیاس کر کے مروّجہ گانوں اور گانے بجانے کے آلات جیسے ڈھولک، سارنگی، ہارمونیم اور ڈسکو وغیرہ کو بھی جائز سمجھ لیا ہے، یہ سراسر غلط ہے، کیونکہ گانا باجا اور آلاتِ موسیقی از روئے شریعت

سنانے کو گناہ نہیں سمجھتے، اس لیے قوالیاں بے خطر سنتے ہیں بلکہ سال کے بعض محترم دنوں میں گانے بند کر کے ان کی جگہ قوالیاں سنتے سناتے ہیں، چنانچہ یکم محرم سے دس محرم تک اور یکم ربیع الاوّل سے بارہ ربیع الاوّل تک یا رمضان المبارک میں یا شب برأت میں بجائے گانوں کے قوالیاں سنی جاتی ہیں۔ اور بعض لوگ قوالیاں سننے اور سنانے کو باعث ثواب سمجھتے ہیں اور وہ اپنے یہاں ''محفل قوالی'' منعقد کرتے ہیں جس میں بڑے بڑے قوال بلائے جاتے ہیں جو رات بھر قوالیاں سناتے ہیں اور بھاری اجرت وصول کرتے ہیں، یہ لوگ اس کا جواز یہ پیش کرتے ہیں کہ بڑے بڑے بزرگوں نے قوالی سنی ہیں، ان لوگوں کا یہ جواز پیش کرنا صحیح نہیں، اس لیے ہم بھی سنتے ہیں، کیونکہ جن بزرگوں سے قوالیاں سننا ثابت ہے، ان سے قوالی سننے کی چند شرطیں بھی ثابت ہیں جو یہ ہیں:

- سنانے والا بے ریش لڑکا یا عورت نہ ہو۔
- قوالی کے اشعار کا مضمون فحش اور خلافِ شرع نہ ہو۔
- قوالی سنانے والا اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے قوالی سنائے، قوالی سنا کر اجرت حاصل کرنا اس کا مقصد نہ ہو۔
- قوالی سننے والے سب متقی پرہیزگار ہوں، فاسق و فاجر، دین سے آزاد اور نفس و شیطان کے پیروکار نہ ہوں۔
- قوالی کے ساتھ دف، ڈھولک اور سارنگی وغیرہ بالکل نہ ہو۔

لیکن موجودہ قوالیوں میں یہ شرائط بالکل نہیں پائی جاتیں، اس لیے آج کل کی قوالیاں سننا سنانا حرام ہے اور ان سے بچنا واجب ہے۔

سلطان الاولیاءؒ کی قوالی سے توبہ

مذکورہ شرائط کے ساتھ جن بزرگوں سے سماع (وقوالی) سننا ثابت ہے، ان میں سے بعض کی اس سے توبہ بھی ثابت ہے۔ چنانچہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک وعظ "الحُدُوْدُ والقُیُوْدُ" میں تفصیل سے اس کا ذکر فرمایا ہے، حضرت ہی کے الفاظ میں یہ پورا قصہ ملاحظہ ہو:

ایک بزرگ سے کسی نے سماع کی بابت سوال کیا کہ اس میں آپ کا فیصلہ کیا ہے؟ یہ جائز ہے یا نہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ عزیز من! تم نے ایسی بات کا سوال کیا ہے جس کا فیصلہ کرنا ہمارا تمہارا کام نہیں، بس میں بجائے جواب کے تم کو ایک حکایت سناتا ہوں، وہ یہ کہ قاضی ضیاء الدین سنامی رحمۃ اللہ علیہ حضرت سلطان الاولیاء سلطان نظام الدینؒ کے ہمعصر ہیں، سلطان جیؒ صاحب سماع تھے، قاضی سنامی رحمۃ اللہ علیہ ان کو سماع سے منع کرتے تھے، ایک بار قاضی صاحب کو معلوم ہوا کہ سلطان جی کے یہاں سماع ہو رہا ہے تو وہ اپنی فوج کو ساتھ لے کر روکنے آئے، یہاں پہنچ کر دیکھا تو ایک بڑا شامیانہ قائم تھا اور اس کے اندر سلطان جی کی جماعت کا اس قدر ہجوم تھا کہ قاضی صاحب کو اندر جانے کی جگہ نہ ملی تو انہوں نے حکم دیا کہ خیمہ کی طنابیں کاٹ دو کہ مجمع منتشر ہو جائے، فوج نے خیمہ کی طنابیں کاٹ دیں مگر خیمہ اسی طرح ہوا میں معلق رہا، گرا نہیں، قاضی صاحب نے اپنی جماعت سے فرمایا کہ اس سے دھوکہ نہ کھانا، بدعتی سے خوارق کا صدور ہو سکتا ہے اور یہ موجب قبول نہیں۔

اس وقت تو وہ واپس ہو گئے، دوسرے وقت حضرت سلطان جی رحمۃ اللہ علیہ

کے مکان پر گئے اور فرمایا کہ تم سماع سے توبہ نہ کرو گے؟ سلطان جی نے فرمایا کہ اچھا اگر ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پچھوا دیں جب تو تم منع نہ کرو گے؟ کہا اچھا پچھوا دو، قاضی صاحب کو سلطان جی کی بزرگی کا علم تھا، جانتے تھے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرا سکتے ہیں، اس لیے سوچا کہ اس دولت کو کیوں چھوڑیں، چنانچہ سلطان جی نے ان کی طرف توجہ کی تو ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت مکشوف ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرما رہے ہیں کہ فقیر کو کیوں تنگ کرتے ہو؟ قاضی سنامی رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کی یا رسول اللہ! مجھے کچھ خبر نہیں کہ میں کس حال میں ہوں، جاگ رہا ہوں یا سو رہا ہوں اور صحیح طور پر سُن رہا ہوں اور سمجھ رہا ہوں یا مدہوش ہوں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ارشادات حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے بحالت یقظہ (بیداری کی حالت میں) آپ سے سن کر بیان فرمائے ہیں، وہ اس ارشاد سے اولیٰ و اقدم (راجح اور مقدم) ہیں جو میں اس وقت سن رہا ہوں، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور یہ حالت ختم ہوگئی۔ سلطان جی نے فرمایا کہ دیکھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا؟ قاضی صاحب نے کہا اور آپ نے دیکھا کہ ہم نے کیا عرض کیا؟ پھر سلطان جی نے قاضی صاحب کے سامنے ہی منشد کو یعنی قوال کو اشارہ کیا اور اس نے سماع شروع کر دیا، قاضی صاحب بھی بیٹھے رہے کہ اس بدعت کو یہیں بیٹھ کر توڑوں گا، قوال نے کوئی شعر پڑھا، سلطان جی کو وجد ہوا اور وہ کھڑے ہوگئے، قاضی صاحب نے ہاتھ پکڑ کر بٹھلا دیا، تھوڑی دیر میں غلبۂ وجد سے سلطان جی پھر کھڑے ہوگئے اور قاضی صاحب نے اس دفعہ بھی ان کو بٹھلا دیا، تیسری دفعہ سلطان جی پھر کھڑے ہوئے تو اس دفعہ قاضی صاحب بھی ہاتھ باندھ کر سلطان جی کے سامنے کھڑے ہوگئے، اس پر قاضی

صاحب کی جماعت کو بڑی حیرت ہوئی کہ یہ کیا ہونے لگا، سب کا خیال یہ ہوا کہ بس اب آئندہ قاضی صاحب سلطان جی کو سماع سے منع نہ کریں گے، مگر جب مجلس سماع ختم ہوئی تو قاضی صاحب یہ کہہ کہ اٹھے کہ اچھا میں پھر کبھی آؤں گا اور تم کو اس بدعت سے روکوں گا۔

واپسی کے وقت قاضی صاحب کی جماعت نے ان سے پوچھا کہ یہ کیا بات تھی کہ تیسری دفعہ میں آپ سلطان جی کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوگئے؟ فرمایا: بات یہ ہے کہ سلطان جی کو پہلی بار جو وجد ہوا تو ان کی روح آسمانِ اوّل تک پہنچی، یہاں تک میری بھی رسائی تھی، میں اُن کو وہاں سے واپس لے آیا اور بٹھلادیا، دوسری بار جو وجد ہوا تو ان کی روح عرش کے نیچے پہنچی، یہاں تک بھی میری رسائی تھی، میں وہاں سے بھی ان کو واپس لے آیا، تیسری بار جو وجد ہوا تو ان کی روح فوق العرش پہنچی، میں نے چاہا کہ وہاں سے بھی واپس لاؤں، کہ ملائکۂ عرش نے مجھے روکدیا کہ عرش کے اوپر سلطان نظام الدین ہی جاسکتے ہیں، تم نہیں جاسکتے (اس وقت مجمع کی حالت عجیب تھی، ۱۲، ظ) اور اس وقت مجھے عرش کی تجلیات نظر آئیں، میں ان تجلیات کے سامنے دست بستہ کھڑا ہوگیا تھا، اس بدئتی کے سامنے تھوڑا دست بستہ کھڑا تھا، وہ چاہے عرش سے اوپر پہنچ جائے مگر اس بدعت سے پھر بھی اس کو منع کروں گا۔ قاضی صاحب بھی بڑے پکے تھے کہ سلطان جی کے مقامات سے بھی واقف تھے اور خود بھی صاحب مقامات تھے اور جانتے تھے کہ سلطان جی کا مقام مجھ سے اعلیٰ و ارفع ہے مگر بایں ہمہ بدعت کو بدعت ہی سمجھتے رہے، یہ بڑا کمال ہے، ورنہ ناقص تو ایسے وقت دھوکہ میں آجائے اور بدعت کے بدعت ہونے میں تامل کرنے

لگے، مگر قاضی صاحب کو اس پر بھی تامل نہیں ہوا۔ یہ ان کے کمال کی دلیل تھی اور واقعی ایسے ہی صاحب کمال کو سلطان جی پر احتساب کا حق بھی تھا۔

پھر اتفاق ایسا ہوا کہ قاضی صاحب کا وقتِ وصال سلطان جی سے پہلے آیا، سلطان جی ان کی عیادت کو گئے اور دروازہ پر پہنچ کر اجازت مانگی، قاضی صاحب نے فرمایا کہ سلطان جی سے کہہ دو کہ یہ وقت وصالِ حق کا وقت ہے، اس وقت میں کسی بدعتی کا چہرہ نہیں دیکھنا چاہتا (اللہ اللہ! کیا ادا تھی اور کیسی پختگی) سلطان جی نے جواب دیا کہ قاضی صاحب سے عرض کردو کہ وہ بدعتی ایسا بے ادب نہیں کہ بارگاہِ سنت میں بدعت سے ملوث ہوکر آتا، وہ حضرت والا کے مذاق سے واقف ہے اور حضرت والا کے مذاق کی پوری رعایت کرکے حاضر ہوا ہے، میں اس بدعت سے توبہ کرکے حاضر ہوا ہوں۔ (سبحان اللہ سبحان اللہ) ؎

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

(اس پر مجمع گویا ذبح ہوگیا تھا)

یہ جواب سن کر قاضی صاحب پر حالت طاری ہوگئی اور آبدیدہ ہوکر اپنا عمامہ سر سے اتار کر خادم کو دیا کہ سلطان جی سے کہو! اس عمامہ پر پاؤں رکھتے ہوئے تشریف لائیں، بس ان میں یہی ایک کسر تھی جو جاتی رہی، باقی اُن کے مقاماتِ عالیہ اور کمالات سے میں ناواقف نہیں ہوں۔ ؎

گر بسر و چشم من نشینی
نازت بکشم کہ نازنینی

''اگر آپ میرے سر اور آنکھوں پر بیٹھیں تو میں آپ کے ناز

برداشت کروں گا، اس لیے کہ آپ میرے محبوب ہیں۔"

خادم قاضی صاحب کا عمامہ لے کر سلطان جی کے پاس حاضر ہوا تو آپ نے عمامہ کو سر پر رکھ لیا کہ یہ عمامۂ شریعت ہے، میں اس کو اپنے سر پر رکھ کر حاضر ہوں گا۔ چنانچہ تشریف لائے اور قاضی صاحب نے فرمایا:

آنانکہ خاک راہ بنظر کیمیا کنند

آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

"وہ جو ایک ہی نظر سے مٹی کو سونا بنا دیتے ہیں، کیا ممکن ہے کہ وہ اپنی ایک نظر ہم پر ڈالیں؟"

تاکہ ہم ناچیز بھی اس نظرِ کیمیا اثر سے سونا بن جائیں۔

حضرت! اب میرا آخری وقت ہے، لِلّٰہ میرے اوپر توجہ فرمائیے۔ چنانچہ حضرت سلطان جی نے توجہ شروع کی اور ایسی توجہ کی کہ قاضی صاحب کی روح نہایت فرح و شادمانی کے ساتھ عالمِ بالا کو پرواز کر گئی۔ حضرت قاضی صاحب کا وصال ہوگیا تو سلطان جی رونے لگے اور فرمانے لگے کہ افسوس شریعت کا ستون گر گیا۔ اس حکایت کو ذکر کر کے وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ بھائی نہ میں نظام الدین ہوں جو اجازت دوں، نہ ضیاء الدین ہوں جو منع کروں۔ یہ حکایت میں نے اخبار الاخیار میں بھی دیکھی ہے مگر مختصر۔

(وعظ "الحدود والقیود" ص ۳۷ تا ۳۹)

جس تقریب میں گانا ہو اس میں شرکت

آج کل گانا سننا سنانا اس قدر عام ہے کہ اکثر شادی بیاہ اور دیگر پُرمسرت تقریبات میں بھی گانے خوب چلائے جاتے ہیں، بلکہ بعض محلوں میں

اس موقع پر اتنی بلند آواز سے گانے چلاتے ہیں کہ پورا محلہ ان کی آواز سے گونجتا ہے اور سارے محلہ والے اس آفت ناگہانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں، کیونکہ گانوں کی بلند آواز سے نہ کوئی مطالعہ کرسکتا ہے، نہ تلاوت کرسکتا ہے، نہ عبادت کرسکتا ہے، نہ ذکر ودعا بلکہ کوئی آرام بھی نہیں کرسکتا، اس طرح گانوں کی آواز سے دوسروں کو تکلیف پہنچانا حرام اور سخت گناہ ہے اور ایسی تقریبات میں شریک ہونا بھی جائز نہیں ہے، خواہ اہل تقریب کتنا ہی برا منائیں، اس کی بالکل پرواہ نہ کرنی چاہیے، کیونکہ کسی انسان کو خوش کرنے کی خاطر اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنا جائز نہیں۔

گانا نہ سننے کا ثواب

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، کہاں ہیں وہ لوگ جو (دنیا میں) اپنے کانوں اور آنکھوں کو شیطانی باجوں کو سننے اور ان کے بجانے والوں کو دیکھنے سے محفوظ رکھتے تھے، انہیں ساری جماعتوں سے الگ کردو، چنانچہ فرشتے انہیں الگ کرکے مشک وعنبر کے ٹیلوں پر بیٹھا دیں گے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیں گے کہ ان لوگوں کو میری پاکی اور بزرگی (کے گیت) سناؤ، چنانچہ فرشتے انہیں ایسی پیاری (اور سُریلی) آوازوں میں اللہ کا ذکر سنائیں گے کہ سننے والے نے کبھی ایسی آوازیں نہ سنی

ہوں گی۔ (جمع الفوائد)

فائدہ

لہٰذا گانا گانے، گانا سننے، گانے والوں کو دیکھنے اور جس محفل میں گانا باجا ہو رہا ہو، وہاں شرکت کرنے سے بچنا چاہئے، اور گانا خواہ کسی مرد و عورت سے براہِ راست سنا جائے یا کیسٹ کے ذریعہ یا ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعہ سنا جائے، بہرصورت اس سے بچنا چاہیے تاکہ سننے کے وبال سے حفاظت ہو اور مذکورہ ثواب ملے۔ اللہ تعالیٰ ہی بچنے کی توفیق دینے والے ہیں۔

وصلی اللہ علی نبینا محمد و علی آلہ و اصحابہ وسلم

بندہ عبدالرؤف سکھروی عفا اللہ عنہ

۲۷/۱۱/۱۴۱۶ھ، یوم الثلثاء

باریک لباس کا حکم

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ناشر: میمن اسلامک بکس

دکان نمبر ۲۹، نایاب جامع مسجد لیاقت آباد ڈاک خانہ، کراچی ۱۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باریک لباس کا حکم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَ ذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَیُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا یَقْتَرِفُوْنَ ۝۱۲۰

(الانعام: ۱۲۰)

تمہید

میرے قابلِ احترام بزرگو! آج آپ کے سامنے ایک ایسے گناہ کا ذکر کیا جائے گا جو خاص طور پر گرمی کے موسم میں گرمی کی وجہ سے ہوتا ہے اور جو لوگ اس گناہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں جب ان کو اس گناہ سے بچنے کے لئے کہا جاتا ہے یا ان کو اس گناہ پر تنبیہ کی جاتی ہے تو اکثر وہ یہی عذر بتلاتے ہیں کہ گرمی بہت زیادہ ہے لیکن یاد رکھیں گرمی کم ہو یا زیادہ گناہ تو گناہ ہے اور یہ گناہ خاصا سنگین گناہ ہے اور اس کو اسی لئے بیان کیا جا رہا ہے تاکہ جو نے اگر وہ اس میں مبتلا ہو تو اس سے بچے اور اگر اللہ نے بچایا ہوا ہے تو شکر ادا کرے۔

ایسا باریک لباس پہننا جس میں ستر جھلکے گناہ ہے

وہ گناہ ایسا باریک لباس پہننا ہے جس میں مرد وعورت کا ستر نہ چھپے۔ ستر کا چھپانا چونکہ واجب ہے اس لئے جس طرح کسی کے سامنے ستر کا کھولنا جائز نہیں اسی طرح ایسا باریک کپڑا پہننا بھی جائز نہیں جس میں ستر نہ چھپے بلکہ کپڑے کے باریک ہونے کی وجہ سے ستر نظر آئے۔

مرد کے ستر کی تفصیل

یہاں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ مرد کا ستر کہاں سے کہاں تک ہے اور عورت کا ستر کہاں سے کہاں تک ہے۔ مرد کا ستر ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنوں کے نیچے تک ہے اس کے علاوہ جسم کا باقی حصہ ستر نہیں ہے یعنی مرد کا گلا کھلا رہے، سینہ کھلا رہے، کمر کھلی رہے، بازو کھلے رہیں، پنڈلیاں اور ٹخنے کھلے

رہیں تو کوئی گناہ نہیں جیسے گرمیوں میں بعض لوگ خالی تہبند باندھ کر یا شلوار پہن کر گھر میں رہتے ہیں اور اوپر کا سارا جسم کھلا رہتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں اور کوئی گناہ نہیں، اسی طرح ان پر باریک کپڑے پہننے میں بھی کوئی حرج نہیں چاہے اندر پوری آستین کا بنیان ہو یا آدھی آستین کا اور چاہے بنیان بالکل ہی نہ ہو جیسے سفید کُرتا پہنا ہوا ہے اور حال یہ ہے کہ ناف سے اوپر پیٹ بھی نظر آرہا ہے، پیٹھ بھی نظر آرہی ہے، بازو بھی نظر آرہے ہیں اور سینہ بھی نظر آرہا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ ستر نہیں ہے۔ مرد کا ستر ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنوں کے نیچے تک ہے یعنی جسم کا اتنا حصہ چاروں طرف چھپانا واجب ہے اب چاہے تہبند سے چھپائے، چاہے شلوار سے چھپائے اور چاہے کسی اور چیز سے چھپائے، نیز اس کا چھپانا نماز کے اندر بھی واجب ہے اور نماز کے باہر بھی بیوی کے علاوہ ہر کسی سے چھپانا واجب ہے اور نہ چھپانے پر گنہگار ہوگا اور اگر نماز میں چوتھائی عضو تین مرتبہ "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْم" یا "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى" کہنے کے برابر کھلا رہے گا تو نماز بھی نہیں ہوگی کیونکہ ستر کا چھپانا فرائض میں سے ہے۔

مردوں سے ستر چھپانے میں پہلی کوتاہی

عام طور پر مردوں سے اس میں زیادہ کوتاہی نہیں ہوتی لیکن دو طرح سے ہوتی ہے جن سے بچنا ضروری ہے۔ ایک یہ کہ مرد جب گھر میں رہتا ہے تو گھر میں چونکہ آدمی بے تکلفی کے ساتھ رہتا ہے، کبھی جسم پر کپڑے ہوتے ہیں اور کبھی نہیں ہوتے بلکہ خالی تہبند یا شلوار پہنے ہوئے ہوتا ہے تو بعض مرتبہ تہبند یا

شلوار ناف سے بہت نیچے ہوتی ہے اور ناف کے نیچے کا بہت سا حصہ کھلا رہتا ہے جو دوسروں کو نظر آرہا ہوتا ہے خاص طور سے جس کا پیٹ بڑا ہوتا ہے اور جو موٹا ہوتا ہے تو اس کی شلوار یا تہبند ناف سے اوپر ٹھہرتی نہیں ہے، عام طور سے پھسل کر ناف کے نیچے چلی جاتی ہے صرف اصل شرم گاہ چھپی رہتی ہے اور ناف کے نیچے کا سارا پیٹ نظر آرہا ہوتا ہے یاد رکھیں یہ ناجائز ہے۔ اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ شلوار یا تہبند جو بھی باندھے وہ ناف کے اوپر باندھے تاکہ پیٹ کے موٹا ہونے کی وجہ سے یہ نیچے نہ ہو، لہٰذا جو مرد بھی گھر میں رہے اور وہ اوپر کے کپڑے بنیان وغیرہ اتار کر رہ رہا ہے تو اس کو چاہئے کہ اس کا خیال رکھے، اسی طرح مردوں سے کام کاج کے دوران بھی بعض مرتبہ ایسا ہی ہوتا ہے جیسے دھوبی، رنگریز، لوہار، بڑھئی اور مستری کہ کام کے دوران بعض مرتبہ ان لوگوں کے جسم پر بھی کپڑے نہیں ہوتے اور شلوار بھی ناف کے نیچے ہوتی ہے ان کو بھی اس چیز کا خیال رکھنا چاہئے۔

مردوں سے ستر چھپانے میں دوسری کوتاہی

مردوں سے ایک اور کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ شلوار باریک کپڑے کی ہوتی ہے جیسا کہ آجکل گرمی کی وجہ سے اس کا بڑا رواج ہے کہ جس طرح کُرتے کا کپڑا بڑا باریک ہے اسی طرح شلوار کا کپڑا بھی اکثر باریک ہی ہوتا ہے، لون اور وائل کے جو سوٹ ملتے ہیں چاہے مردانہ ہوں یا زنانہ، ان میں شلوار اور کُرتے کا کپڑا عموماً یکساں باریک ہوتا ہے اور اس کا اتنا رواج ہے کہ الامان والحفیظ، تقریباً ننانوے یصد یہی صورتحال ہے، لہٰذا مردوں کے لئے لون اور

وائل کے سوٹ میں کرتا اور قمیص تو صحیح ہے لیکن شلوار غلط ہے کیونکہ جب شلوار باریک کپڑے کی ہوگی تو اس میں کولہے بھی نظر آئیں گے، ران بھی نظر آئے گی اور ناف کے نیچے کا حصہ بھی اس میں بالکل کھلا اور نمایاں رہتا ہے چاہے اوپر کرتا ہی کیوں نہ ہو لیکن پھر بھی دائیں بائیں سے جو چاک ہیں اس میں سے رانیں نظر آتی رہتی ہیں، اکثر باریک لباس پہننے والوں میں یہ کوتاہی پائی جاتی ہے اور یہ ستر نہ چھپانے اور ستر کھولنے کا گناہ ان کے اندر پایا جاتا ہے اور ان کو پتہ بھی نہیں کہ ہم گناہ کر رہے ہیں حالانکہ قمیص اور شلوار اتنے باریک ہوتے ہیں کہ اس میں سے جسم پوری طرح سے جھلکتا ہے اور صاف اور نمایاں طور پر نظر آتا ہے ایسے میں تو چوتھائی ران بھی تین مرتبہ "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم" یا "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْأَعْلٰی" کہنے کے برابر کھلی رہے تو نماز بھی نہیں ہوگی اور نماز کے باہر بھی جب تک یہ جسم کھلا رہے گا وہ آدمی گنہگار ہوگا، کھولنے کی وجہ سے خود گنہگار ہوگا اور دیکھنے والے اگر قصداً دیکھیں گے تو وہ بھی گنہگار ہوں گے۔

سمندر اور سوئمنگ پول میں نہاتے وقت بھی ستر چھپانا ضروری ہے

نیز موٹی شلوار پہننے والوں سے بھی ایک غلطی ہوتی ہے اگرچہ وہ کبھی کبھی ہوتی ہے لیکن ہوتی ہے اور وہ یہ کہ جب تفریح کے لئے جاتے ہیں چاہے سمندر پر نہانے کے لئے جائیں، چاہے کلری جھیل پر نہانے کے لئے جائیں اور چاہے کسی سوئمنگ پول میں نہانے کے لئے جائیں وہاں پر نہانے میں جو شلوار استعمال ہوتی ہے وہ عام طور پر تو موٹی ہوتی ہے اور جب خشک ہوتی ہے تو اس

میں سے جسم نظر نہیں آتا لیکن جیسے نہائیں گے اور وہ شلوار گیلی ہوگی تو جسم اس کے اندر سے صاف نظر آئے گا خاص طور پر جب وہ سفید شلوار ہو، جب شلوار سفید ہوگی تو جسم کا رنگ اس میں بالکل صاف اور نمایاں نظر آئے گا جس کی وجہ سے ناف سے لے کر گھٹنے کے نیچے تک کا سارا جسم صاف نظر آتا ہے اور یہ بڑے گناہ کی بات ہے اس لئے کہ نہانے والے سارے اپنے احباب یا دوست ہوتے ہیں سب کی نظریں پڑتی ہیں ایسا کرنا ایک ستر کھولنا ہے جو گناہ ہے اور دوسرا دوسروں کا قصداً دیکھنا گناہ ہے کیونکہ کسی کا ستر قصداً دیکھنا جائز نہیں ہے۔

نیکر کا استعمال کرنا بے شرمی اور بے حیائی ہے

اور اس موقعہ پر ایک بہت پرانا طریقہ چلا آرہا ہے کہ بعض لوگ ایسا نیکر استعمال کرتے ہیں کہ اس میں گھٹنہ اور آدھی رانیں کھلی رہتی ہیں یہ پرانا طریقہ چلا آرہا ہے یہ بھی کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے اور بعض لوگ جو انگریز کی طرح رہنا پسند کرتے ہیں اللہ بچائے کہ مستقل طور پر نیکر کا استعمال کرتے ہیں یہاں تک کہ گھر میں بھی نیکر پہن کر رہتے ہیں، ان کی تو آدھی آدھی رانیں اور کبھی آدھی سے بھی زیادہ رانیں کھلی رہتی ہیں یہ پرلے درجے کی بے شرمی، بے حیائی بلکہ پرلے درجے کی بے غیرتی ہے کہ آدمی نیکر پہنے گھر میں اپنی ماں کے سامنے رہے، اپنی بہن کے سامنے رہے، اپنی بیٹی کے سامنے رہے اور گھر کے دوسرے مردوں کے سامنے رہے یہ بے غیرتی ہے، بے حیائی ہے اور گناہ بھی ہے اور گناہ بھی کوئی چھوٹا نہیں بلکہ گناہِ کبیرہ ہے۔ یہ تمام صورتیں وہ ہیں جو سراسر گناہ ہی گناہ ہیں۔

دنیا کی گرمی سے آخرت کی گرمی زیادہ سخت ہے

یہ ستر کھولنے کا گناہ جو عام طور سے گرمی کی وجہ سے ہوتا ہے یاد رکھیں! دنیا کی گرمی سے آخرت کی گرمی زیادہ سخت ہے، حدیث میں آتا ہے کہ دنیا کی آگ میں جو گرمی ہے جہنم کی آگ اس سے ستر گنا زیادہ سخت ہے اور گناہ تو دوزخ میں لے جانے والا ہوتا ہے، تو جب دنیا کی آگ قابلِ برداشت نہیں ہے تو جہنم کی آگ کیسے قابلِ برداشت ہوگی، اس لئے بہتر ہے کہ دنیا کی گرمی برداشت کر کے اپنے ستر کو چھپالیں کیونکہ اگر دنیا کی آگ میں کسی کو جلایا جائے تو کوئی انسان بھی اس میں جلنے کے لئے تیار نہیں ہوتا کیونکہ اس کو پتہ ہے کہ وہ مرجائے گا اور ساتھ میں کتنی اذیت اور تکلیف ہوگی تو جہنم کی آگ جو اس سے ستر گنا زیادہ سخت ہے اس کو کون برداشت کرسکتا ہے۔

جہنم کی آگ کا منظر

ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہنم کی آگ کو تیز کرنے کا حکم دیا تو ایک ہزار سال تک اس کو تیز کیا گیا یہاں تک کہ وہ سرخ ہوگئی، پھر مزید ایک ہزار سال تک اس کو تیز کیا گیا یہاں تک کہ وہ سفید یا زرد ہوگئی، پھر مزید ایک ہزار سال تک اس کو تیز کیا گیا یہاں تک کہ وہ سیاہ ہوگئی یعنی جلتے جلتے اس کی تیزی سیاہی میں تبدیل ہوگئی اور اب اس کے شعلے ختم نہیں ہوتے۔ تو جہنم کی آگ ایسی خوفناک ہے اور اگر ہم دنیا کی ذرا سی گرمی کی وجہ سے یہ گناہ کریں گے تو کہیں خدانخواستہ جہنم میں جانا پڑا تو کیا ہوگا۔

نامحرم مرد کے اعتبار سے عورت کے ستر کی تفصیل

عورتوں کا معاملہ اس سے بھی زیادہ قابلِ توجہ اور قابلِ اصلاح ہے اور ان کا معاملہ مردوں کے مقابلہ میں اور بھی زیادہ بگڑا ہوا ہے کیونکہ عورتوں کا ستر نامحرم مردوں کے لحاظ سے یہ ہے کہ چہرے، دونوں ہتھیلیوں اور دونوں پیروں کے علاوہ سارا جسم ستر ہے اور نامحرم مرد سے پردہ کا حکم یہ ہے کہ سر سے لے کر پاؤں تک چہرہ، ہتھیلی اور پیروں سمیت سارے جسم کو چھپائے لیکن ستر میں چہرہ، ہتھیلیاں اور پیر شامل نہیں ہیں ان کو نماز میں کھلا رکھنا درست ہے مگر نامحرم مرد کے سامنے کھولنا جائز نہیں ہے اور نماز میں ستر والا جسم کا حصہ کھولنا جائز نہیں ہے یہاں تک کہ اگر نماز میں ستر والے حصہ کے کسی عضو کا چوتھائی حصہ تین مرتبہ "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْم" یا "سُبْحَانَ رَبِّيَ الأَعْلٰى" کہنے کے برابر کھلا رہے گا تو نماز بھی نہیں ہوگی کیونکہ ستر کا چھپانا نماز کے فرائض میں سے ہے۔

عورتوں سے ستر چھپانے میں پہلی کوتاہی

لیکن ہم دیکھتے ہیں اور ہمارے معاشرے میں یہ بات عام ہے کہ شرعی پردہ تو ہے ہی نہیں اور گرمیوں میں عورتیں بہت ہی باریک لباس استعمال کرتی ہیں کیونکہ ان کے بھی لون اور وائل کے سوٹ آتے ہیں اور یہ دونوں ہی پتلے ہوتے ہیں لیکن لون زیادہ پتلا ہوتا ہے اور خواتین گرمی میں لون کے سوٹ پہن کر بے پردہ گھر سے باہر نکلتی ہیں اور پھر نامحرم مردوں کے سامنے آتی اور جاتی ہیں جس میں جسم کا کچھ حصہ تو بالکل کھلا رہتا ہے جیسے سر کے بال کھلے رہتے ہیں کیونکہ دوپٹہ سر پر ہوتا ہی نہیں، اسی طرح گریبان اور گلا بھی کھلا رہتا ہے اور

بازو بھی کھلے رہتے ہیں کیونکہ کسی کی آدھی آستین ہوتی ہے اور کسی کی سرے سے آستین ہی غائب ہوتی ہے تو جن کی آدھی آستین ہوتی ہے ان کی کلائیاں کھلی رہتی ہیں اور آدھے آدھے بازو کھلے رہتے ہیں اور جن کی آستین ہی نہیں ہوتی ان کی بغلیں اور کندھے تک کھلے رہتے ہیں گویا نعوذ باللہ سب کچھ نظر آرہا ہوتا ہے اور جو باقی جسم بچا اس پر بھی لون کی باریک سی قمیص ہوتی ہے اور اسی باریک کپڑے کی شلوار ہوتی ہے تو ان کا جسم چھپتا ہی نہیں ہے کیونکہ یا تو جسم پر کپڑا ہی نہیں ہے اور اگر کپڑا ہے تو وہ بھی برائے نام، اس لئے کہ جہاں جہاں کپڑا ہے وہاں بھی بدن جھلک رہا ہے، صاف اور نمایاں نظر آرہا ہے اور یہ آجکل کا فیشن ہے کہ پردہ تو ہے نہیں اور لباس ہے تو وہ بھی اتنا باریک کہ اس سے پورا جسم نظر آرہا ہے اور اگر ان کو متوجہ کرو تو جواب ہوتا ہے کہ گرمی بہت سخت ہے، یاد رکھیں! گرمی کی سختی اور شدت کی وجہ سے اس طرح بے حجابی جائز نہیں ہے اور جس طرح بے پردہ رہنا ناجائز ہے اسی طرح باریک لباس پہننا بھی ناجائز ہے اور یہ گناہ اتنی کثرت سے ہورہا ہے کہ گرمیوں میں نوے فیصد عورتیں لون اور وائل کا لباس پہنتی ہیں اور نامحرم مرد گھر سے باہر بھی ہوتے ہیں، گھر کے اندر بھی ہوتے ہیں، رشتہ داروں میں بھی ہوتے ہیں اور وہاں آنا جانا اور ان سے ملنا جلنا عام ہوتا ہے، نتیجہ یہ کہ عورتیں ان کے سامنے اپنا ستر کھولے رکھتی ہیں یا جسم پر اتنا باریک کپڑا ہوتا ہے جس سے جسم جھلکتا رہتا ہے۔

محرم مرد کے اعتبار سے عورت کے ستر کی تفصیل

مگر ایک بات اور یہاں سمجھنے کی ہے کہ یہ ستر جو میں نے اوپر بیان کیا

ہے یہ نامحرم مرد کے اعتبار سے ہے اور محرم مرد جیسے والد، چچا، تایا، ماموں، بھائی، بیٹا، بھانجا، بھتیجا وغیرہ ان کے اعتبار سے عورت کا ستر پیٹ، پیٹھ اور ناف سے نیچے تک کا حصہ ہے، لہٰذا اگر سر کھلا رہے، بازو کھلے رہیں، گریبان کھلا رہے، گردن کھلی رہے اور پنڈلیاں کھلی رہیں تو کوئی گناہ نہیں ہے کیونکہ ان کے حق میں یہ ستر نہیں ہے ان کے سامنے ایسا باریک لباس پہننے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے جس میں یہ اعضاء کھلے ہوں جیسے سر پر باریک دوپٹہ ہو، ہاتھوں پر پوری آستین ہو لیکن اتنی باریک کہ بازو اور کلائیاں نظر آرہی ہوں، اسی طرح گلا بھی نظر آرہا ہو، سینہ بھی نظر آرہا ہو اور پنڈلیاں بھی نظر آرہی ہوں تو کوئی حرج نہیں لیکن باقی حصے کا چھپانا ضروری ہے۔

عورتوں سے ستر چھپانے میں دوسری کوتاہی

بعض عورتوں کے جسم پر لباس تو موٹا ہوتا ہے لیکن وہ ناقص اور نامکمل ہوتا ہے اور جہاں تک جسم کا حصہ ستر ہے وہاں تک بھی جسم کو چھپاتی نہیں ہے جیسے آستین نہیں ہوتی تو ان کی بغلیں اور کندھے کھلے رہتے ہیں اور سب کچھ نظر آرہا ہوتا ہے۔ اسی طرح پیچھے سے آدھی سے زیادہ کمر نظر آرہی ہوتی ہے اور آدھا سینہ کھلا ہوا ہوتا ہے کیونکہ یہ آجکل کا فیشن ہے اور یہ موٹا کپڑا ہونے کے باوجود بھی ناتمام اور نامکمل ہے کیونکہ ستر میں سے آدھا جسم کھلا ہوا ہے اور آدھا چھپا ہوا ہے جیسے ساڑھی کہ بعض مرتبہ اس میں آدھے سے زیادہ جسم ننگا ہوتا ہے۔

عورتوں سے ستر چھپانے میں تیسری کوتاہی

تیسری صورت یہ ہے کہ کپڑا موٹا بھی ہے اور پورا بھی ہے لیکن بالکل چست ہے اور ایسا چست کپڑا استعمال کرنا خواہ مرد ہو یا عورت جس میں ستر کے اعضاء کی بناوٹ نمایاں ہو یہ بھی گناہ میں داخل ہے اور یہ بھی ناجائز ہے کیونکہ یہ بھی ستر نہ چھپانے کے برابر ہے اور بعض مرتبہ مرد وعورت ایسا ہی کپڑا استعمال کرتے ہیں مثلاً مردوں کی پینٹ اگر بالکل چست ہو تو آپ دیکھ لیجئے کہ اس میں کولہے اور رانیں الگ نظر آتی ہیں، عورتوں کا لباس بھی اگر ایسا ہی چست ہو تو ان کا پیٹ، پیٹھ، سینہ، کولہے اور رانیں سب نمایاں ہوتی ہیں اور سب کی بناوت نظر آتی ہے تو ایسا مرد بھی ننگا ہونے کے برابر ہے اور ایسی عورت بھی ننگا ہونے کے برابر ہے اور سب جانتے ہیں کہ ننگا رہنا گناہ کی بات ہے لہٰذا اس گناہ سے بچنے کی ضرورت ہے۔ بہرحال یہ صورتیں ہیں جو آجکل ہمارے معاشرے میں پائی جارہی ہیں اور یہ سراسر گناہ ہیں۔

اہلِ جہنم کی دو جماعتیں

ایک حدیث میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہلِ جہنم کی دو جماعتیں ہیں جن کو میں نے ابھی دیکھا نہیں ہے یعنی میرے زمانے میں ان کا ظہور نہیں ہوا لیکن قیامت کے قریب وہ ظاہر ہوں گی ایک جماعت جہنمیوں کی وہ ہوگی جو ایسے لوگ ہوں گے جن کے ہاتھوں میں بیل کی دم کی طرح کوڑے ہوں گے اور وہ لوگوں کو ناحق مارتے ہوں گے یعنی ایک جماعت وہ ہوگی جو لوگوں پر ظلم کریں گے، ظلم ڈھائیں گے، ماریں گے، پیٹیں گے، تکلیفیں دیں گے،

ایذائیں دیں گے، ان سے بھتے کھائیں گے، رشوتیں لیں گے، سود کھائیں گے، زبردستی مال چھینیں گے اور لوگوں کو پریشان کریں گے، اب ایسے لوگ ہمارے زمانے میں بہت ہیں ان کے متعلق آپ نے فرمایا کہ یہ اہلِ جہنم کی جماعت ہے، دوسری جماعت ایسی عورتوں کی ہوگی کہ وہ لباس پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی اور ننگی ہونے کا مطلب میں نے ابھی تفصیل سے آپ کے سامنے بیان کردیا ہے اور ان کے سروں پر بختی اونٹ کی طرح موٹے موٹے بال بنے ہوئے ہوں گے، مٹک مٹک کر چلیں گی، وہ خود بھی مردوں کی طرف مائل ہونے والی ہوں گی اور مردوں کو اپنی طرف مائل کرنے والی ہوں گی، ان کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ایسی عورتیں ہیں جو جنت کی خوشبو نہیں پائیں گی حالانکہ جنت کی خوشبو اتنی اتنی مسافت سے آجائے گی مثلاً ایک روایت میں ہے کہ سو سال کی مسافت سے جنت کی خوشبو آنی شروع ہوجائے گی یعنی ابھی جنت میں پہنچنے میں سو سال کی مسافت باقی ہوگی اور اس کو جنت کی خوشبو آنی شروع ہوجائے گی...... اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے...... لیکن جہنمیوں کی یہ دونوں جماعتیں جنت کی خوشبو بھی نہ پائیں گی جنت میں جانا تو دور کی بات ہے اور ایک روایت میں ہے کہ ان پر لعنت کرو کیونکہ یہ ملعون عورتیں ہیں اور لعنت بڑے گناہ پر ہوتی ہے چھوٹے گناہ پر نہیں ہوتی۔

باریک لباس دیکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ پھیر لینا

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر تشریف لائیں اس حال میں کہ انہوں نے

باریک کپڑے پہن رکھے تھے جن میں سے ان کا جسم جھلک رہا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر منہ پھیر لیا اور فرمایا کہ اے اسماء! دیکھو جب کوئی لڑکی بالغ ہو جائے تو اس کے جسم پر باریک لباس نہیں ہونا چاہئے بلکہ موٹا لباس ہونا چاہئے اور اس کے جسم میں سے اس کا چہرہ اور دونوں ہاتھ کلائیوں تک کھلے رہیں لیکن باقی سارا جسم موٹے کپڑے میں مستور رہنا چاہئے۔ ان دونوں احادیث سے معلوم ہوا ہے کہ ستر کو چھپانا ضروری ہے۔

باریک لباس پہننے کا حل

عورتیں اگر باریک لباس پہننا چاہتی ہیں تو اس کا حل یہ ہے کہ وہ قمیص کے نیچے یا تو پوری آستین کا بنیان پہنیں یا شمیز پہنیں اور اپنے محارم کے سامنے آدھی آستین کا بنیان بھی ٹھیک ہے اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے یا پوری آستین کی شمیز بنوالیں جو پردہ دار خاتون ہیں اور جو دین کے احکام پر عمل کرنے والی خواتین ہیں وہ ایسے ہی کرتی ہیں کہ لون یا وائل کی قمیص کے نیچے الگ سے ایک قمیص بنواتی ہیں جو قمیص سے چھوٹی ہوتی ہے لیکن ہوتی وہ پوری ہے جس کے ذریعہ بازو بھی چھپ جاتا ہے، گلا بھی چھپ جاتا ہے، سینہ بھی چھپ جاتا ہے، پیٹ بھی چھپ جاتا ہے، پیٹھ بھی چھپ جاتی ہے اور وہ گھٹنوں تک ہوتی ہے اور بعض دفعہ گھٹنوں سے نیچے تک بھی ہوتی ہے اب اس کو بنیان کی جگہ اندر پہن لیا اور اس کے اوپر لون یا وائل کی قمیص پہن لی، گرمی سے بھی بچاؤ ہو گیا، ہوا بھی آرہی ہے، پسینہ بھی جذب ہو رہا ہے اور بے پردگی بھی نہیں ہو رہی۔ یہ کیسا بہترین حل ہے اسی طرح شلوار کا بھی حل ہے کہ اگر لون کی شلوار پہننی ہے تو اس

کے اندر گھٹنے کے نیچے تک موٹی وائل لگاؤ اور اندر لگانے کے لئے مستقل ایک وائل آتی ہے جو باقاعدہ اسی لئے بنائی جاتی ہے اور وہ موٹی ہونے کے باوجود ٹھنڈی بھی ہوتی ہے اس کو شلوار کے اندر لگالیں تو شلوار ڈبل ہوجائے گی جس کی وجہ سے ستر کا حصہ نظر نہیں آئے گا ایسی شلوار پہن کر اپنے محارم کے سامنے آنے جانے میں کوئی حرج نہیں۔ پس بندہ اگر بچنا چاہے تو اللہ تعالیٰ نے راستے رکھے ہیں ہر مشکل کا حل ہے۔

تو ہی اگر نہ چاہے تو بہانے ہزار ہیں

اللہ تعالیٰ ان باتوں کو یاد رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

شادی بیاہ اور ہمارے گناہ

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ناشر: میمن اسلامک بکس

دکان نمبر ۲۹، نایاب جامع مسجد لیاقت آباد ڈاک خانہ، کراچی ۱۹

صبغة الله ومن أحسن من الله صبغة ونحن له عابدون

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شادی بیاہ اور ہمارے گناہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا. مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ. وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ. وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ. صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

فقد قال النبی ﷺ النکاح من سنتی۔ وقال قال رسول اللہ ﷺ: فمن رغب عن سنتی فلیس منی

(ابن ماجہ باب ماجاء فی فضل النکاح ص ۱۳۲)

نکاح کی اہمیت

اس نکاح کی اہمیت آپ اسی سے سمجھ سکتے ہیں کہ نبی اکرم جناب

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اربع من سنن المرسلین

(ترمذی، ج ۱، ص ۱۲۸، فاروقی کتب خانہ)

چار چیزیں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنتوں میں سے ہیں۔

① نکاح کرنا۔

② ختنہ کرنا۔

③ مسواک کرنا۔

④ خوشبو لگانا۔

اور دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

النکاح من سنتی (ابن ماجہ ص ۱۳۲)

نکاح کرنا میری سنت ہے۔

جناب رسول اللہ ﷺ سارے انبیاء علیہم السلام کے سردار ہیں، ان کی بھی یہ سنت ہے اور جن کے سردار ہیں یعنی تمام انبیاء علیہم السلام ان کی سنتوں میں سے بھی ایک سنت نکاح کرنا ہے۔ لہٰذا جو چیز سارے انبیاء علیہم السلام کی سنت ہو اور دونوں جہانوں کے سردار رحمت کائنات ﷺ کی بھی سنت ہو تو وہ کتنی اعلیٰ درجہ کی عبادت ہوگی، اور جو چیز عبادت ہو وہ یقیناً دین کا حصہ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا باعث ہوتی ہے، اور اس کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنی تمام سنتوں کے بارے میں ایک ارشاد فرمایا کہ:

فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سنتی فلیس منّی

(ابن ماجہ، ص ۱۳۲)

جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ میرے طریقہ پر نہیں اور میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

یہ حدیث خاص نکاح سے متعلق نہیں ہے، بلکہ عام سنتوں کی اہمیت کے سلسلے میں ہے، لیکن جس طرح اور سنتیں ہیں اس طرح نکاح بھی ایک سنت ہے۔ لہٰذا جو لوگ نکاح پر قدرت کے ہوتے ہوئے نکاح نہیں کرتے، ان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناراضگی کا اظہار فرما رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ ایک عظیم سنت ہے اور جتنی عظیم سنت ہوتی ہے اتنی ہی وہ عبادت اور باعث اجر وثواب ہوتی ہے، بشرطیکہ اس سنت پر اسی طریقہ سے عمل کیا جائے جیسا کہ شریعت کے اندر منقول ہے۔

اللہ کی نظر رحمت کے مستحق

ایک روایت میں ہے کہ جب شوہر بیوی کی طرف محبت سے دیکھتا ہے اور بیوی شوہر کی طرف محبت سے دیکھتی ہے تو اللہ تعالیٰ دونوں کو رحمت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ (کنز العمال، ج ۱۶، ص ۲۷۶)

نکاح سے پہلے تو دونوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی تھے، اور خدا ناخواستہ نکاح سے پہلے اگر کوئی مرد بری نظر سے کسی عورت کو دیکھے، یا کوئی عورت کسی مرد کو دیکھے تو یہ گناہ ہے اور از روئے حدیث آنکھوں کا زنا ہے، اور نکاح ہونے کے بعد اگر ایک دوسرے کو دیکھیں تو اللہ تعالیٰ کی نظر رحمت کے مستحق بن جائیں گے۔

نکاح کیلئے بیوی کا انتخاب

ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ:

ایسی عورت سے نکاح کرو جو شوہر سے بہت محبت کرنے والی ہو اور جو بہت بچے جننے والی ہو۔ کیونکہ میں قیامت کے دن تمہاری کثرت پر پچھلی امتوں کے مقابلے میں فخر کروں گا۔

(مشکوۃ المصابیح، ص ۲۶۷)

اور چونکہ امت کا کثیر ہونا نکاح پر موقوف ہے، اس لیے اس کی ترغیب دی گئی، اور ویسے بھی اللہ پاک نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اعزاز بخشا ہے کہ قیامت کے میدان میں کل (۱۲۰) ایک سو بیس صفیں ہوگی۔ ان میں سے چالیس صفیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ تمام انبیاء علیہم السلام کے امتیوں کی ہوں گی اور اسی (۸۰) صفیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی ہوں گی، (ترمذی، ج ۲، ص ۷۷) گویا کہ پہلے انبیاء علیہم السلام کے امتیوں کی صفوں سے تعداد کے اعتبار سے دگنی صفیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی ہوں گی، اور تعداد بڑھتی ہے نکاح کرنے سے، اس لیے نکاح مطلوب ومقصود اور عبادت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں اضافہ کا باعث ہے۔

نیک اولاد درجات کی بلندی کا باعث ہے

اور ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص آخرت میں پہنچے گا تو اپنے لیے غیر معمولی اجر وثواب اور درجات دیکھے گا، وہ حیران ہوگا کہ میں نے تو اتنے نیک کام نہیں کئے تھے، میرے لیے یہ کہاں سے اتنے درجات اور اتنی نیکیاں

آگئیں، اور خلاف توقع اتنے انعامات کہاں سے آگئے؟ اس کو بتایا جائے گا کہ تمہارے انتقال کے بعد تمہاری اولاد تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتی تھی، اس کی بدولت یہ سب کچھ تجھے ملا ہے۔

(کنز العمال، ج۱۶، ص ۲۷۳، رقم: ۴۴۴۲۳)

اور اولاد نکاح کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے، لہٰذا آخرت کے اندر بلند درجات کا حاصل ہونا نیک اولاد کے ذریعہ ہوگا، اور نیک اولاد حاصل ہوتی ہے نکاح کرنے سے، تو نکاح کتنی بڑی عبادت اور نعمت ہے کہ اس کے ذریعہ سے انسان آخرت کے اندر بہت سے اجر وثواب کو حاصل کرسکتا ہے۔

اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ انہوں نے اس دنیا سے جانے کے بعد قیامت آنے سے پہلے پہلے ایصالِ ثواب کا ایسا بہترین ذریعہ رکھا ہے کہ اگر کوئی دنیا سے خالی ہاتھ چلا بھی گیا ہو اور اس کے ساتھ زیادہ نیکیوں کا ذخیرہ نہ ہو، لیکن اس نے اپنے پیچھے نیک اور صالح اولاد چھوڑی ہو اور نیک دوست احباب اور نیک عزیز واقارب چھوڑے ہوں تو ان کی دعاؤں اور ایصالِ ثواب اور ان کے صدقہ وخیرات کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ اس کو عالمِ برزخ میں نعمتوں سے مالا مال فرمائیں گے اور اس میں نیک اولاد کو سب سے زیادہ دخل ہے، اور تو سب بھول جاتے ہیں لیکن عام طور پر نیک اولاد نہیں بھولتی، چاہے وہ خود بھی بوڑھی ہوجائے۔

ناقص بچہ بھی جنت میں لے جائے گا

حدیث شریف میں ہے کہ اگر کسی عورت کے ولادت کا وقت پورا

ہونے سے پہلے ہی ناقص بچہ پیدا ہو جائے تو وہ بچہ قیامت کے دن اس وقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کھڑا ہو جائے گا جس وقت اس کے ماں باپ کے لیے جہنم میں جانے کا حکم ہو جائے گا، اور یہ بچہ کہے گا کہ یا اللہ! میرے ماں باپ کو تو آپ جہنم میں بھیجیں اور مجھے جنت میں بھیجیں یہ نہیں ہوسکتا۔ کچھ بھی ہو میں تو انہیں جنت میں لے کر جاؤں گا، اور وہ اڑ جائے گا اور ضد کرے گا کہ میں بھی جنت میں نہیں جاؤں گا جب تک ان کو آپ جنت میں نہیں بھیجیں گے، اور وہ اللہ تعالیٰ سے مسلسل کہتا رہے گا یہاں تک کہ اللہ پاک اس کی ضد پوری فرما کر ان کو بھی جنت میں بھیج دیں گے، چنانچہ وہ اپنے ساتھ ان کو بھی جنت میں لے جائے گا۔ (کنز العمال، ج ۱۶، ص ۲۷۴، رقم: ۴۴۴۲۴) اس سے اندازہ کریں کہ یہ نکاح کتنی بڑی نعمت اور دولت ہے۔

نکاح کے ذریعے نصف دین کی حفاظت

اور اس نکاح کے ذریعہ آدمی کا آدھا دین محفوظ ہو جاتا ہے، باقی آدھے دین کی اگر آدمی حفاظت کرنا چاہے تو آسانی سے کر سکتا ہے، اس لیے کہ انسان سے جو گناہ سرزد ہوتے ہیں وہ یا تو انسان کی جنسی خواہش سے پیدا ہوتے ہیں یا اس کے علاوہ دوسری وجوہات سے پیدا ہوتے ہیں، انسان سے گناہوں کے صادر ہونے کے یہ دو سبب ہیں، جب اللہ تعالیٰ نے نکاح کی نعمت عطا فرما دی اور دو مرد و عورت کو نکاح کے اندر جوڑ دیا تو اب اللہ پاک نے ایک حلال اور پاکیزہ تعلق ان کو عطا فرما دیا، جس کے ذریعے جنسی بے راہ روی کے جو گناہ ہوتے ہیں ان سے اللہ تعالیٰ نے ان کو محفوظ کر دیا، اب وہ آسانی سے

اپنی نظر کی بھی حفاظت کر سکتے ہیں، اور اپنی زبان، کان اور اپنے جسم کو بھی گناہوں سے بچا سکتے ہیں، اور جب اللہ تعالیٰ نے ان کو حرام سے بچا کر ایک حلال نعمت عطا فرمادی، تو اب انہیں چاہیے کہ جنسی خواہش کے علاوہ دوسرے گناہوں سے بھی بچنے کی فکر کریں اور ان سے بچنا بھی کوئی مشکل نہیں۔ بہر حال! نکاح ایک عظیم نعمت ہے، جس کے اندر اس کی استطاعت ہو اس کو ضرور یہ سنت ادا کرنی چاہیے، اور اس نیت سے ادا کرنی چاہیے کہ میں عفیف اور پاک دامنی کے ساتھ اپنی باقی زندگی گزاروں کہ میری نظر بھی پاک ہو میری زبان اور میرا دل ودماغ بھی پاک ہو اور میرا جسم بھی پاک ہو۔

نکاح شریعت کے مطابق ہو

اور جب نکاح عبادت اور سنت ہے تو ظاہر ہے کہ اس کے انجام دہی کے وقت شریعت والا طریقہ اختیار کرنا چاہئے، جیسے نماز، زکوۃ، حج عبادتیں ہیں اور ان سب کا ایک طریقہ ہے، اسی کے مطابق کریں گے تو یہ قابل قدر اور قابل قبول ہونگیں، تو جیسے ان تمام عبادتوں کو سنت طریقہ سے کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں باعث قبول ہے ایسے ہی نکاح کے اندر بھی ہے۔

چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نکاح کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں گیارہ بیویاں آئیں، حضرات خلفاء راشدین نے نکاح کئے، صحابہ وتابعین نے نکاح کئے اور آج تک علماء امت اور صلحاء امت نکاح کرتے آئے ہیں، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جس طرح نکاح کرنا ثابت ہے، اسی طرح اس کا طریقہ بھی ثابت ہے، اسی کے مطابق ہم مسلمانوں کو نکاح کرنا چاہئے۔

اور اس کا خلاصہ یہی ہے کہ سادگی کے ساتھ ہو، اختصار کے ساتھ ہو، اور گناہوں سے اجتناب کرتے ہوئے ہونا چاہئے۔ اس موقع پر گناہوں کا ارتکاب بہت ہوتا ہے، جس طرح ہمارے اور کاموں میں بگاڑ آ گیا ہے، جس طرح اور طور طریقے ہمارے خراب اور بگڑ گئے ہیں، جس طرح ہماری نمازوں میں طرح طرح کی کوتاہیاں بھر گئی ہیں، حج اور زکوۃ میں طرح طرح کی کوتاہیاں اور خرابیاں اور خامیاں آ گئی ہیں، اسی طرح نکاح کے موقع پر بھی ایسی ایسی کوتاہیاں اور کمزوریاں اور ایسی ایسی خامیاں اور ایسے ایسے گناہ وجود میں آ گئے ہیں کہ ''الامان والحفیظ''

پہلا گناہ: تصویر کشی

① اس موقع پر جو ایک بہت خطرناک اور بہت ہی سنگین گناہ ہوتا ہے وہ تصویر کشی کا گناہ ہے۔ منگنی سے اس کا آغاز ہوتا ہے اور عام طور پر دعوتِ ولیمہ پر اس کا اختتام ہوتا ہے، ابتدا تا انتہاء ہر مرحلہ پر یہ گناہ کثرت سے ہوتا ہے، ہر جگہ پر جی بھر کر تصویر کھینچی جاتی ہے، باقاعدہ یادگار کے لیے اور البم بنانے کے لیے تصویریں کھینچی جاتی ہیں، اور بڑے فوٹو کھنچوا کر فریم کروا کے لگائے جاتے ہیں، یہاں تک کہ اس کی ویڈیو بھی بنتی ہے۔ حالانکہ ہمارے دین اور ہماری شریعت کے اندر جاندار کی تصویر کھینچنا ناجائز اور گناہ ہے اور احادیث میں اس پر بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں۔ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

ان اشد الناس عذاباً عند اللہ یوم القیامۃ

المصورون

(بخاری، کتاب اللباس، باب عذاب المصورین، یوم القیامۃ)

قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب تصویر بنانے والوں کو ہوگا۔

نکاح کے وقت ہم انبیاء علیہم السلام کی سنت ادا کر رہے ہیں، تمام پیغمبروں کے سردار جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو زندہ کر رہے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ اس موقع پر ایسا کام بھی کر رہے ہیں جس پر سب سے زیادہ عذاب ہونے والا ہے۔

قرآن کریم میں سب سے زیادہ سخت عذاب ایک تو آل فرعون کے بارے میں آیا ہے کہ فرعون اور فرعون کے ماننے والوں کو سب سے زیادہ سخت عذاب ہوگا، اور ایک سب سے زیادہ سخت عذاب حدیث شریف میں تصویر بنانے والے کے لیے بیان ہوا۔

جہنم میں سب سے ہلکا عذاب

اس خوفناک عذاب کا ایک مضمون حدیث شریف میں وارد ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہنم کا سب سے ہلکا عذاب یہ ہے کہ کسی شخص کو جہنم سے دو تپتی ہوئی چپلیں نکال کر پہنائی جائیں گی جس سے اس کے دماغ کا یہ عالم ہوگا جیسے پھک پھک ہنڈیا پک رہی ہوتی ہے، اور اس کے منہ کی تمام ڈاڑھیں سرخ انگارہ بنی ہوئی ہوں گی، اور آنتوں سے بھی لپٹیں نکل رہی ہوں گی، گویا وہ سر سے پیر تک آگ میں ہوگا، اور وہ اپنے ذہن میں سوچے گا کہ مجھے جہنم کا سب

سے سخت عذاب ہو رہا ہے، حالانکہ اس کو سب سے ہلکا عذاب ہو رہا ہوگا۔ (مسلم، ج ا، ص ۱۱۵) جو سب سے ہلکے عذاب میں ہے اس کا یہ حال ہے تو تصویر بنانے والوں کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما رہے ہیں کہ جاندار کی تصویر بنانے والے قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب میں ہوں گے، تو ان کا کیا حال ہوگا۔

تصویروں کی تعداد کے برابر عذاب دینے والے

ایک روایت میں یہ مضمون ہے کہ جتنی تصویریں کسی نے کھینچی اور کھچوائی ہوں گی، قیامت کے دن ان تمام تصویروں کے مطابق ایک ایک آدمی اللہ تعالی بنائیں گے، اور وہ سارے کے سارے مجسم انسان اس تصویر بنانے والے کو جہنم کے اندر عذاب دیں گے، اس سے کتنی تکلیف ہوگی؟ مثلاً پانچسو فوٹو کھچوائے ہیں تو جہنم میں پانچسو انسان اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کو عذاب دیں گے۔ (مشکوٰۃ متفق علیہ، ص ۳۸۵) اب گھر جا کر دیکھ لیں کہ کس کس نے اپنی شادی کے البم بنا کر رکھے ہوئے ہیں اور اس میں جا کر تصویریں شمار کر لیں، اگر ایک سو ہیں تو عذاب دینے والے سو ہوں گے، دو سو ہیں تو دو سو، ہزار ہیں تو ہزار ہوں گے۔

تصویر پر ایک اور عذاب

اور ایک جگہ تو اللہ پاک نے اس قدر ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے کہ جتنی کسی نے تصویریں کھینچی ہوں گی تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس تصویر بنانے

والے کو اپنے سامنے بلائیں گے، اور فرمائیں گے کہ جب تم نے یہ تصویریں بنائی ہیں تو اس میں روح بھی ڈالو (جب تم نے آنکھ، کان، ناک، پیٹ کی تصویر کھینچ لی تو اس میں روح بھی ڈالو) اور وہ روح ڈال نہیں سکیں گے، لہٰذا اس کی وجہ سے ان کو سخت عذاب ہوگا۔

(ترمذی، ج ۱، ص ۲۰۸، فاروقی کتب خانہ، ومشکوٰۃ رواہ البخاری، ص ۳۸۶)

تصویر پر سنگین عذاب کی وجہ

اس گناہ کی سنگینی کی ایک خاص وجہ ہے، وہ یہ ہے کہ جیسے بڑائی اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔

وله الكبرياء في السموات والارض وهو العزيز الحكيم

اور آسمان اور زمین میں اللہ تعالیٰ ہی کے واسطے بڑائی ہے اور وہ غالب حکمت والا۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ ہی بڑے ہیں اور بڑائی لائق بھی انہیں کے ہے، ان کے سامنے اور ان کے مقابلہ میں کوئی بھی بڑا ہے ہی نہیں، لہٰذا اگر کوئی دنیا میں بڑا بننا چاہے گا اور تکبر اختیار کرنا چاہے گا تو بس سمجھ لو کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی صفت کبریائی پر دست درازی کی ہے، چنانچہ اس پر اللہ تعالیٰ اس کو ایسا ذلیل کریں گے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ (یہ جو چھوٹے چھوٹے کیڑے یا چونٹیاں ہوتی ہیں) قیامت کے دن متکبر ان کیڑے مکوڑوں کے مانند ہوں گے اور لوگ ان کے اوپر آجا رہے ہوں گے۔ (مسند احمد، ج ۲، ص ۱۷۹) دنیا میں انہوں نے اپنے آپ کو بڑائی کا تاج پہنا کر بڑا بننے کی کوشش کی اور اللہ

تعالیٰ کی صفت کبریائی میں دخل اندازی کی، اس کی سزا ان کو یہ ملے گی کہ آخرت میں اس طرح ان کو ذلیل کر دیا جائے گا۔

ضرورت کے لیے تصویر کھچوانا

اور پاسپورٹ کے لیے، شناختی کارڈ وغیرہ کے لیے چھوٹی تصاویر کی ضرورت ہوتی ہے ان کے کھچوانے کی گنجائش ہے، لیکن یہ تصویریں بھی بند کر کے رکھنی چاہئیں۔

نوٹ اور اشیاء پر تصاویر

اور ہمارے گھروں کے اندر ویسے بھی بہت سی چیزیں آتی ہیں، جن پر تصویریں ہوتی ہیں تو ان کو بھی مٹانا چاہیے، اسی طرح نوٹ پر تصویر ہوتی ہے، یہ تو بند رکھنے کی چیز ہے، بند کرنے کے بعد اس کا حکم وہ نہیں رہتا جو آویزاں کرنے کا ہے، لہٰذا وہ بند کر دیں تو بند ہو گئیں۔

اخبارات، رسائل اور مصنوعات کی تصاویر

اسی طرح جو تصویریں اخبارات و رسائل میں ہوتی ہیں، یا دیگر مصنوعات ہوتی ہیں، تو اخبارات و رسائل کو بھی جلدی سے پڑھ کر لپیٹ کر رکھنا چاہیے تاکہ اس کی تصویریں بھی کھلی نہ رہیں، اور جو استعمال کی چیزوں کے اوپر ہوتی ہیں تو اس میں بھی ان کا منہ مٹا دینا چاہیے۔

تصویر سے رحمت کے فرشتے نہیں آتے

کیونکہ تصویر کی ایک نحوست یہ ہے کہ جس گھر میں تصویریں آویزاں

ہونگی یا رکھی ہوئی ہوں گی، اس گھر میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے فرشتے نہیں آئیں گے۔ اسی لیے ہمارے گھروں میں سکون نہیں، نکاح میں خیر و برکت نہیں اور وہ خوشی و مسرت نہیں جو نکاح کے اندر ہوا کرتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے نکاح کو کس قدر بگاڑ دیا ہے اور کس قدر برباد کر دیا ہے، اس کی خیر و برکت کا تو جنازہ ہی نکال دیا، اب اس میں وہ راحت و سکون اور خوشی و مسرت کہاں آئے گی اور ہمارے گھروں کے اندر دل کو اطمینان و قرار کیسے نصیب ہوگا؟ آج کل یہ گناہ بڑے وسیع پیانے پر نکاح و دیگر پُرمسرت تقریبات کے موقع پر ہوتا ہے، ایسی تمام تقریبات پر ہمیں تصویر کشی سے بچنا چاہیے۔

دوسرا گناہ: گانا بجانا

② اور دوسرا گناہ جو اس موقع پر ہوتا ہے وہ گانا بجانے کا گناہ ہے۔ اس میں تین گناہ ہوتے ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔ ① گانا بجانا ② گانے باجے کے آلات کا استعمال کرنا ③ ناچنا۔ اس موقع پر کہیں عورتیں، کہیں مرد، کہیں دونوں مل کر باقاعدہ ناچتے ہیں حالانکہ یہ ناچنا بھی بہت سخت گناہ ہے۔ ایسے ہی گانے بجانے کے آلات، ڈھولک، سارنگی، ڈھولک تو عام تقریبات اور نکاحوں کے اندر عام ہے، اور ان سب کو ملا کر کیا جائے تو تین گناہ ہوتے ہیں، اور یہ سب منگنی سے لے کر ولیمے تک چلتے ہیں۔ دیہات سے لے کر شہر تک چلے جاؤ ہر جگہ پر تین گناہ ہوتے نظر آئیں گے۔ خاص طور پر جب نکاح کی تقریب ہوتی ہے تو مردوں اور عورتوں میں گانا بجانا بہت ہوتا ہے، اور یہ گانا بجانا بھی ایسا ہی گناہ ہے جیسے

تصویر کھینچنا گناہ ہے اور اس کے بارے میں بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں۔

دو آوازوں پر اللہ کی لعنت

حدیث شریف میں آتا ہے کہ دو آوازیں ایسی ہیں کہ جن پر دنیا و آخرت میں خدا کی لعنت ہے:

① ایک خوشی کے موقع پر گانے بجانے کی آواز۔

② اور دوسرے غمی کے موقع پر رونے دھونے اور نوحہ کرنے کی آواز، یعنی رو رو کر بین کر کے رونے کی آواز۔

(الترغیب والترھیب، ج ۴، ص ۳۵۰)

ان دونوں آوازوں پر دنیا اور آخرت میں لعنت ہے۔ پھر اگر نکاح کے موقع پر گانے بجائے جائیں اور ڈھولک و سارنگی بجائی جائے، تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی لعنت ہی وہاں آئے گی، پھر اس میں خیر و برکت کیسے آئے گی۔ ہمارے یہاں شیطان نے ایسا بیج بو دیا کہ جو موقع تھا شکر کرنے کا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگنے کا، اُس نے اس سے ہٹا کر گانے باجے میں لگا دیا۔

مجھے آلاتِ موسیقی ختم کرنے کیلئے بھیجا گیا ہے

جبکہ تین حدیثوں کے اندر ایک مشترکہ بات صاف واضح طور پر موجود ہے، اور وہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے اللہ پاک نے دنیا میں اس لیے بھیجا ہے تاکہ گانے بجانے کے آلات اور بانسریوں کو مٹاؤں۔ (نیل الاوطار) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا میں تشریف لانے کے جہاں اور بہت سے

فرائض ہیں مثلاً لوگوں کو توحید کی دعوت دینا، کفر و شرک سے بچنے کی تلقین کرنا، کتاب و حکمت کی تعلیم دینا، وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی فرما رہے ہیں کہ میں دنیا میں اس لیے بھیجا گیا ہوں تاکہ بانسریاں اور موسیقی کے آلات کو دنیا سے مٹادوں اور ختم کردوں، اللہ کے نبی تو دنیا میں ان چیزوں کو مٹانے کے لیے آئے ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی اس کا انتظام و اہتمام کریں، کتنی خطرناک بات ہے۔

بلاقصد آواز کا کان میں پڑنا

البتہ ایک بات درمیان میں سمجھ لینی چاہیے کہ الحمدللہ بہت سے مسلمان ایسے ہیں جو گانے بجانے سے پرہیز کرتے ہیں، لیکن معاشرہ اس کی لپیٹ میں ہے، اور جہاں وہ رہتے ہیں وہاں گردوپیش کے اندر اور کہیں گھروں کے اندر سے آواز آرہی ہے، کہیں دکانوں سے اور کہیں کسی تقریب سے آواز آرہی ہے، تو اس کا حکم یہ ہے کہ جو آواز خود بخود آئے اور کان میں پڑ جائے تو آدمی اس سے گناہ گار نہیں ہوتا، قصداً سننے کی وجہ سے گناہ گار ہوتا ہے، یعنی اگر اپنے قصد و اختیار سے گانا چلائے، ڈھولک بجائے، یا خدانخواستہ ناچے، یا ایسی محفل میں جائے اور وہاں جاکر بیٹھے یا خود اپنے گھر کے اندر ریڈیو، ٹی وی پر ناچ گانا سنے، یا دیکھے، یا خود گائے تو گناہ گار ہوتا ہے، اور اگر وہ خود تو بچتا ہے، لیکن بازاروں میں اور دکانوں میں لوگ گانے چلاتے ہیں، یا اسی طریقہ سے گاڑی میں یا بس میں یا ویگن میں سوار ہے اور اس گاڑی والے نے گانے چلا رکھے ہیں، اور اب یہ منع کرتا ہے لیکن وہ باز نہیں آتا اور بعض دفعہ تو اس کی ہمت بھی

منع کرنے کی نہیں ہوتی اور سننا بھی نہیں چاہتا، تو ان سب صورتوں میں بلاارادہ اور بلاقصد اگر کان میں آواز پڑے تو آدمی گناہ گار نہیں ہوتا، اور اگر اس موقع پر بھی آدمی اپنا ذہن اور اپنا دل اس سے ہٹا کر رکھے تو یہ انشاء اللہ تعالیٰ اس کے لیے بہتر ہے اور وہ گناہ گار نہیں ہوگا۔

گناہ کی تقریب میں شرکت نہ کریں

لہٰذا جس تقریب کے بارے میں پہلے سے معلوم ہو کہ وہاں تصویر کشی اور گانا بجانا ہوگا تو پھر اپنے اختیار سے وہاں نہیں جانا چاہئے، اور اگر ان سے کوئی خصوصی تعلق ہے تو آدمی ایک دن پہلے یا ایک دن بعد جا کر شادی کی مبارک باد دے سکتا ہے اور اگر کوئی تحفہ دینا چاہے تو تحفہ دے سکتا ہے، لیکن اس گناہ کی موجودگی میں وہاں جانے سے بچنا چاہئے اور پرہیز کرنا چاہئے۔

گانا سننے پر سخت وعید

ایک حدیث میں بڑی ہی خوفناک اور ہولناک وعید آئی ہے کہ جو شخص دنیا کے اندر گانا گائے یا سنے گا تو قیامت کے دن جہنم کی آگ میں سیسہ پگھلا کر اس کے کانوں میں ڈالا جائے گا۔ (ابن عساکر)

صورت مسخ ہونے کا عذاب

اور ایک حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب قیامت قریب آئے گی تو میری امت میں سے کچھ لوگوں کی صورتیں مسخ ہو کر خنزیروں اور بندروں کی شکل میں تبدیل ہو جائیں

گی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سن کر عرض کیا کہ کیا وہ لوگ مسلمان نہیں ہوں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ لوگ اس بات کی گواہی دیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس بات کی گواہی دیں گے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، اور وہ نماز پڑھیں گے، یعنی مسلمان ہوں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! پھر ان کے ساتھ اتنا خوفناک معاملہ کیوں ہوگا کہ ان کی شکلیں سوروں اور بندروں میں تبدیل ہوں گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ لوگ باجے اور گانے والی عورتوں کے عادی اور عاشق ہو جائیں گے، اور شراب نوشی کرنے لگیں گے، اور اسی طرح کھیل کود اور تماشے میں مشغول ہوں گے کہ صبح صادق ہونے سے پہلے پہلے ان کی صورتیں مسخ ہو جائیں گی۔ (ابن حبان)

دوسرا طریقہ شرکت سے معذرت

دوسرا طریقہ انفرادی ہے، کہ اگر برادری کی سطح پر یہ فیصلہ نہ ہو تو نہ صحیح، ہم تو الگ الگ صاحب ایمان ہیں، اور الگ الگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں، جب الگ الگ ایمان لائے ہیں تو الگ الگ جواب دہ ہیں، جب ہر ایک نے الگ الگ جواب دینا ہے تو ہر آدمی اپنی ذمہ داری پوری کرے، اور جس تقریب میں بھی وہ جانا چاہے تو پہلے ہی سے معلوم کرلے کہ وہاں کیا ہوگا؟ اور پہلے ہی سے یہ ذہن بنالے کہ اگر پہلے معلوم نہ ہوا کہ وہاں کیا ہوگا اور وہاں جا کر پتہ چلا تو میں واپس آجاؤں گا۔ جب کارڈ آئے تو کارڈ لانے والے سے معلوم کرلیں یا ٹیلیفون نمبر اس پر ہوگا، فیکس نمبر ہوگا اس سے معلوم کرلیں کہ بھائی شادی ہو رہی ہے اس میں کیا کیا ہوگا؟ اگر وہ کہے کہ

اس میں سب کچھ ہوگا، تو کہہ دیں کہ میں آپ کو اس تقریب کی ٹیلی فون پر مبارک باد دیتا ہوں، لیکن میں حاضری سے معذرت چاہتا ہوں۔

اگر خدانخواستہ انہوں نے دھوکہ سے کام لے لیا اور کہہ دیا کہ کچھ نہیں ہوگا، آپ بالکل آئیں اور ضرور آئیں، لیکن وہاں سب کچھ ہو رہا ہے تو پھر آپ وہاں سے واپس آجائیں، اور یہ بچنا ہر مرد و عورت کے ذمہ ضروری ہے، وہاں جا کر بھی اُلو نہ بنیں کہ آپ تصویر سے بچنے کے لیے اور گانے سے بچنے کے لیے چھپ کر بیٹھے رہیں، یہ کوئی تقریب میں شرکت کرنا ہے؟ یہ تو اس طریقہ سے الو بننا ہے، یہ تقریب کوئی واجب نہیں بلکہ جس تقریب میں یہ خرافات ہو رہی ہوں تو ایسی تقریب میں شریک ہونا درست بھی نہیں ہے، اور میں نے جیسے عرض کیا کہ کوئی قریبی رشتہ دار ہے، اس کو مبارک باد دینی ہے، تحفہ دینا ہے، تو وہ آگے پیچھے بھی ہو سکتا ہے، لیکن خود بھی اس سے بچیں اور اپنے بچوں کو بھی اس سے بچائیں، اور اگر پہلا طریقہ اختیار کریں تو سب کے لیے بچنا آسان ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہماری تقریبوں کو ان دونوں گناہوں سے بھی اور دوسرے گناہوں سے بھی محفوظ فرمائیں۔ آمین۔

اور اگر کسی کے ماں باپ تصویر کشی کی اجازت دیں، گانے بجانے کی اجازت دیں، تو ان کی اجازت دینے کا کوئی اعتبار نہیں، اور ان کی اجازت سے اولاد کے لیے ان کاموں کو کرنا جائز نہیں، کیونکہ ماں باپ کی اطاعت جائز اور حلال کاموں کے اندر ہے، حرام اور ناجائز کاموں میں ان کی اطاعت نہیں ہے۔

تیسرا گناہ: مخلوط اجتماع

③ اور تیسرا گناہ جو عام طور پر شادی بیاہ کے موقع پر دیکھا جاتا ہے کہ ان تقریبات کے اندر مخلوط اجتماع ہوتا ہے، مرد و عورت جو ایک دوسرے کے حق میں نامحرم اور اجنبی ہوتے ہیں وہ سب ایک ہی جگہ پر اکھٹے اور جمع ہو جاتے ہیں، آمنے سامنے دائیں بائیں بے پردہ عورتیں ہوتی ہیں اور ان کے سامنے نامحرم مرد ہوتے ہیں اور یہ سب اس نکاح کی تقریب میں ایک ہی جگہ جمع اور اکھٹے ہوتے ہیں۔ یہ بھی ایک عام رواج ہوتا جا رہا ہے، بلکہ منگنی سے لے کر ولیمہ تک جہاں جہاں بھی خواتین و حضرات کا اجتماع ہوتا ہے وہ مخلوط اجتماع ہوتا ہے، دونوں مکس ہوتے ہیں، کہیں تو آنا جانا اٹھنا بیٹھنا کھانا پینا بالکل ہی ایک دوسرے کے ساتھ ہوتا ہے اور کہیں بس اتنا اہتمام ہوتا ہے کہ ایک ہی لان یا ہال ہے، ہال کی ایک جانب خواتین بیٹھی ہیں اور دوسرے حصہ میں مرد حضرات بیٹھے ہیں، اور عورتوں والے حصے میں مردوں کا آنا جانا بالکل کھلم کھلا اور علانیہ ہے، یہ بھی مخلوط اجتماع کہلاتا ہے، اور آپ جانتے ہیں کہ مردوں اور عورتوں کا اس قدر بے حجابانہ اختلاط اور اجتماع ہمارے دین کے اندر گناہ ہی گناہ ہے جس سے بچنا مردوں کو بھی ضروری ہے اور عورتوں کو بھی ضروری ہے۔

نامحرم سے پردہ کرنا ضروری ہے

اس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت میں قرآن کریم کے اندر اور چالیس سے زیادہ احادیث کے اندر عورتوں پر نامحرم مردوں کے سامنے جانے یا ان کے پاس سے نکلنے کے لیے پردے کو فرض قرار دیا گیا ہے، کسی نامحرم عورت کے لیے

یہ حلال نہیں کہ وہ بے پردہ ہو کر کسی نامحرم مرد کے سامنے آجائے، شریعت نے اس کو جائز قرار نہیں دیا، ناجائز قرار دیا ہے، گناہ قرار دیا ہے۔

اور حکم یہ ہے کہ عورت پردہ کر کے آئے، جب بھی عورت گھر سے باہر نکلے، چاہے بازار جائے، چاہے اپنے کسی رشتہ دار کے ہاں جائے اور چاہے کسی تقریب میں شرکت کے لیے جائے، ہر حالت میں اس کو شرعی پردہ اختیار کرنا ضروری ہے، سر سے پیر تک اپنے آپ کو اس طرح چھپائے کہ اس کے جسم کا کوئی حصہ نظر نہ آئے اور نہ جھلک آئے۔ راستہ دیکھنے کے لیے ایک آنکھ کھولنے کی اجازت ہے، اور اگر جالی ہو تو دونوں آنکھوں سے بھی راستہ دیکھا جاسکتا ہے اور رنگین چشمہ بھی لگایا جاسکتا ہے، تو آنکھیں کھولنے کی اجازت راستہ دیکھنے کی ضرورت کی وجہ سے ہے، اگر بغیر آنکھیں کھولے راستہ نظر آسکتا ہو جیسے میں نے عرض کیا چشمہ لگائے یا برقع کے اندر جالی بنالے، یا موٹے کپڑے کی نقاب ہو اور آنکھوں کے آگے باریک کپڑا ہو، تو آنکھوں کو چھپا کر پھر وہ سامنے آسکتی ہے اور سامنے سے گزر سکتی ہے اور کسی تقریب میں جاسکتی ہے۔ اس میں مردوں سے زیادہ عورتوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ جب گھر سے باہر نکلیں تو سر سے پیر تک اپنے آپ کو کسی بڑی چادر کے اندر اس طرح چھپالیں کہ ان کا جسم بالکل پوشیدہ اور مستور ہو جائے، نہ ان کے کپڑے نظر آئیں، نہ ان کا زیور نظر آئے اور نہ ہی ان کے ہاتھ اور چہرہ نظر آئے، سب پوشیدہ ہو۔

بے پردہ باہر نکلنا

لیکن اس طریقہ سے گھر سے باہر نکلنا اور کہیں جانا کہ نہ برقع ہے نہ

چادر ہے نہ دوپٹہ ہے، بالکل بے حجابانہ طریقہ سے نکلنا کہ سر بھی کھلا ہو، گردن بھی کھلی ہو، بازو اور سینہ بھی کھلے ہوں، پیٹھ اور پیٹ بھی کھلے ہوں، اسی طریقہ سے خاص طور پر آراستہ پیراستہ ہوکر شادی بیاہ کی تقریبات میں جانا سراسر گناہ ہے اور بڑے ہی عذاب اور وبال کی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی حفاظت میں رکھیں۔

تقریبات میں ان باتوں کا اہتمام کریں

لہٰذا جو بھی کسی تقریب کا اہتمام کرے، وہ سب سے پہلے اس بات کا اہتمام کرے کہ مردوں اور عورتوں کا مخلوط اجتماع بالکل نہ ہو، عورتوں اور مردوں کے آنے جانے کا راستہ بالکل جدا جدا ہو، اسی طریقہ سے ان کے بیٹھنے کی جگہیں بھی بالکل الگ الگ ہوں، عورتوں کے حصہ میں مردوں کے آنے جانے کا کوئی عمل دخل نہ ہو، نہ مرد آئیں اور نہ قریب البلوغ لڑکے آئیں۔

بالغ لڑکے یا بالغ ہونے کے قریب لڑکے بھی مرد ہوتے ہیں، ان کے سامنے آنا جانا یا ان سے باتیں کرنا یہ بھی ناجائز ہے، اور اسی طریقہ سے جو ہالوں کے منتظمین ہوتے ہیں، عام طور پر تو ان کی پرواہ ہی نہیں کی جاتی، نہ مرد پرواہ کرتے ہیں اور نہ ہی عورتیں پرواہ کرتی ہیں، وہ مرد ہی عورتوں کی جگہ میں گھس کر کھانے کا اور دوسری چیزوں کا انتظام کرتے ہیں، اور عورتیں بھی ان کے سامنے بے حس بیٹھی رہتی ہیں، یہ بھی گناہ اور بے پردگی کے اندر داخل ہے۔

ملازم اور نوکر سے بھی پردہ

چاہے ملازم ہو، چاہے نوکر ہو، چاہے قریب البلوغ لڑکا ہو یا بالغ لڑکا ہو، یا کوئی ادھیڑ عمر کا ہو، یا بڑی عمر کا ہو، یہ سارے نامحرم مرد ہیں، عورتوں کو چاہئے کہ ان سب سے پردہ کریں، ان کے سامنے بے پردہ اور بے حجابانہ ہو کر آنے جانے سے پرہیز کریں۔

اور شادی بیاہ کی تقریب کرنے والوں کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس کا پورا پورا انتظام اور اہتمام کریں، ورنہ وہ خود ذمہ دار ہوں گے۔

اور ایسی تقریب منعقد کرنا ہی گناہ ہے اور ایسی تقریب میں شرکت کرنا بھی گناہ ہے، اور ایسی تقریب کہ جس کے اندر مخلوط اجتماع ہو، شادی بیاہ تو درکنار تعلیم و تعلم میں بھی جائز نہیں۔

تعلیم و تعلم کے وقت پردہ

اور دنیاوی تعلیم بھی اسی طریقہ سے ہوتی ہے کہ اسکولوں اور کالجوں میں مخلوط تعلیم ہوتی ہے اور مخلوط تعلیم بھی ناجائز ہے، اور اگر خدانخواستہ کسی دینی مدرسہ میں ایسا ہونے لگے کہ وہاں بھی بغیر پردہ کے استاد بیٹھا ہوا ہے اور سامنے طالبات بیٹھی ہیں اور استاد ان کو پڑھا رہا ہے تو یہ بھی گناہ ہے اور ناجائز ہے، اور یہ مخلوط تعلیم ناجائز ہے۔

اور شادی بیاہ کے اندر ایسا مخلوط اجتماع ناجائز اور گناہ ہے، یہ اس لیے کہ عورتوں پر نامحرم مردوں سے پردہ کرنا فرض ہے، اور بے پردگی گناہ ہے،

چاہے شادی ہال میں ہو، چاہے اسکول و کالج میں ہو، چاہے مدرسہ و مسجد میں ہو، جہاں بھی بے پردگی ہوگی گناہ ہوگا، اور یہ گناہ عذاب اور وبال کو دعوت دینے والا ہے۔

بدنگاہی کا گناہ

اور پھر یہ بے پردگی تو گناہ ہے ہی، لیکن اس گناہ سے نہ جانے کتنے گناہ وجود میں آتے ہیں، سب سے بڑا گناہ جو وجود میں آتا ہے وہ بدنگاہی کا گناہ ہے، بری نیت سے کسی عورت کو دیکھنا یا کسی عورت کا کسی مرد کو دیکھنا یہ ایک الگ گناہ ہے، یعنی عورت کا بے پردہ ہونا الگ گناہ ہے اور اس کے بے پردہ ہونے کی وجہ سے اس کا یا دوسروں کا بدنگاہی اور بدنظری میں مبتلاء ہونا یہ الگ گناہ ہے۔

حدیث شریف میں اس کو فرمایا گیا ہے کہ آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں اور آنکھوں کا زنا بدنظری اور بدنگاہی ہے۔ (بخاری، ج ۲، ص ۹۲۳) وہ خواتین خاص طور پر سوچیں جن کا بے پردہ رہنے کا ایک معمول اور دستور بن چکا ہے، اور جن کی عادت بن گئی ہے کہ جب وہ گھر سے نکلیں گی چاہے سارا دن گھر سے باہر رہیں یا چاہے شادی میں شرکت کے لیے گئی ہوں وہ جہاں بھی رہیں گی بے پردہ رہیں گی، اور بے پردہ رہنے کی وجہ سے کتنے ہی مردوں نے ان کو بری نیت سے دیکھا ہوگا اور بدنظری اور گناہ میں مبتلا ہوئے ہوں گے، تو جتنے مردوں نے ان کو دیکھا اور بدنظری اور بدنگاہی کا گناہ کیا وہ تو سب ہی اس گناہ کی وجہ سے گناہ گار ہوئے، لیکن ان سب کے برابر یہ عورت بھی گناہ گار ہوئی،

یہ سب ارشادات وہ ہیں جو عورتوں کے بے پردہ ہونے کے سلسلہ میں ہیں، اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ارشادات کے ذریعہ مسلمان خواتین سے یہ فرما رہے ہیں کہ تم شرعی پردہ کا اہتمام کرو، بے پردگی سے پرہیز کرو، جس خاتون کے دل میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا جذبہ ہوگا تو میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس کے بعد وہ بے پردگی کرسکتی ہے، لیکن اگر کرتی ہے تو اس کے اندر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا جذبہ یا تو ہے ہی نہیں یا برائے نام ہے، ورنہ ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ جو مرد وعورت مؤمن ہو بس اس کے اندر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ماننے اور ان کی تابعداری کا جذبہ سب سے زیادہ ہونا چاہئے۔

شوہر کی اطاعت میں کمی

③ ان کے اندر اپنے شوہر کی تابعداری کا جذبہ بھی کم پایا جاتا ہے، خاص طور سے اگر شوہر دین کی بات کہے یا شریعت کی بات کہے یا سنت کی بات کہے تو بہت جلدی مخالفت کرتی ہیں، اور خاص طور سے شادی بیاہ کے موقع پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور خاوند اگر یہ بات کہیں کہ تم وہاں ذرا پردہ سے رہنا، پردہ میں آنا، پردہ میں جانا، تو اس کے لیے ماننے کو واقعی تیار نہیں ہوتیں، اللہ بچائے، یہ بڑی خطرناک بات ہے اور اپنے آپ کو جہنم میں دھکیلنے والی بات ہے۔

عورتوں کا بن سنور کر باہر نکلنا

④ چوتھی بات جو ارشاد فرمائی وہ یاد رکھنے کی ہے، اور وہ اس

وقت ان کے حال کے عین مطابق ہے جس میں ان کی دکھتی ہوئی رگ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ رکھا ہے، اور وہ یہ ہے کہ عورتوں کے اندر بن ٹھن کر آراستہ پیراستہ ہوکر، میک اپ کرکے، بے پردہ ہوکر نامحرم مردوں کے سامنے نکلنے کا جذبہ زیادہ پایا جاتا ہے، یہ عورتوں کا وہ جذبہ ہے جس نے ان کو بے پردہ کیا، جس نے ان کو ننگا کرکے باہر نکالا ہے، جس نے ان کو لباس پہننے کے باوجود ننگا کردیا ہے، یہ وہ جذبہ ہے جس میں سر کھلا ہے، باہیں کھلی ہیں، گردن کھلی ہے، گلا کھلا ہے، بازو کھلے ہیں، پنڈلی کھلی ہے اور جسم پر کپڑا وہ بھی اتنا باریک اور اتنا چست کہ نہ ہونے کے برابر ہے، اس کے بعد ان کو گھر سے نکلنے میں نہ کوئی حجاب محسوس ہوتا ہے، نہ کوئی عیب محسوس ہوتا ہے، بلکہ یہ سمجھتی ہیں کہ یہ دور حاضر کا فیشن ہے، ایسا ہی نکلنا چاہئے، یہ جذبہ ان کے اندر پایا جاتا ہے، جس کی وجہ سے ان کی طبیعت یہ چاہتی ہے کہ ہم نکلیں تو بے پردہ ہوکر ہی نکلیں تاکہ لوگ ہمیں دیکھیں، اللہ بچائے۔

یہ چار وجوہات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہیں اور فرمایا کہ ان کی وجہ سے میری اُمت کی عورتیں زیادہ جہنم میں ہوں گی۔ خواتین ان ارشادات اور ان وجوہات کو سن کر اپنی زندگی کو بدلیں اور اس ناپاک اور گناہ آلودہ زندگی سے اپنے آپ کو بچائیں اور پاکیزہ زندگی اختیار کریں۔

عورت کا خوشبو لگانا

ایک حدیث میں ہے کہ جب کوئی عورت خوشبو لگا کر نامحرم مردوں

کے پاس سے گزرے تاکہ وہ اس کی خوشبو سونگھیں تو آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ ایسی عورت بدکار ہے، اور وہ نظر بھی بدکار ہے جو بری نیت سے اس کو دیکھے۔

(ابوداؤد، ج ۱، ص ۲۲۲)

مرد اپنی نظروں کی حفاظت کریں

اور مردوں کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ اپنی نظر کی حفاظت کریں اور قصداً کسی نامحرم عورت پر ہرگز اپنی نظر نہ ڈالیں، اچانک چلی جائے تو فوراً ہٹالیں، اسی طرح عورتوں کو بھی چاہئے کہ نامحرم مردوں کو نہ دیکھیں جہاں تک ہوسکے ان سے اپنی نظر کو بچائیں، اچانک نظر چلی جائے تو اپنی نظر ہٹالیں۔ قرآنِ کریم دونوں کو یہ حکم دیتا ہے کہ اپنی نظر نیچے رکھیں اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کریں، اصل طریقہ یہ ہے اور خواتین نظر بچانے کے ساتھ ساتھ شرعی پردہ کا بھی اہتمام کریں اور بے پردہ ہو کر گھر سے نکلنے اور شادی بیاہ کے اندر شریک ہونے سے پرہیز کریں۔

محرم کے سامنے بناؤ سنگھار کی اجازت

اگر کوئی اپنے شوہر اور اپنے محرم کے سامنے لپ اسٹک لگائے یا ناخنوں کے اوپر پالش لگائے اور نماز کے اوقات میں اس کو صاف کرلے، یا شوہر کے سامنے سر کے بال کھلے ہوئے ہوں یا والد کے سامنے سر کھل جائے تو یہ کوئی گناہ نہیں ہے، بے پردگی تو نامحرم مردوں کے سامنے ناجائز ہے، اپنے باپ سے اپنے بیٹے سے اپنے سگے بھائی سے تو کوئی پردہ نہیں ہے، ان کے سامنے اگر سر

کھل بھی جائے تو کوئی گناہ نہیں ہے اور گھر کے اندر اگر اس نے باپ بھائی یا شوہر کے سامنے ناخنوں پر پالش لگالی یا کوئی جائز فیشن کرلیا تو اس میں کوئی حرج نہیں، گھر میں تو کوئی منع نہیں ہے۔

ممانعت تو اس بات کی ہو رہی ہے کہ یہ کام کر کے بے پردہ اور بے حجابانہ گھر سے نکلے، جیسا کہ آج کل کا دستور ہے اور پھر شادی بیاہ میں شرکت کرے، جہاں اللہ بچائے دونوں طرف مرد و عورتیں ہوتی ہیں، نامحرم مرد نامحرم عورتوں کی طرف مائل ہیں، نامحرم عورتیں نامحرم مردوں کی طرف مائل ہیں، مرد عورتوں کو دیکھ رہے ہیں، عورتیں مردوں کو دیکھ رہی ہیں، جس کے نتیجہ میں بدنظری اور بدنگاہی کا ارتکاب بھی ہوتا ہے جو کہ بڑے عذاب اور وبال کی چیز ہے کہ ان سے زیادہ سے زیادہ ہمیں بچنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ○

لڑکی سے نکاح کی اجازت لینے کے مسائل

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ناشر: میمن اسلامک بکس

دکان نمبر ۲۹، نایاب جامع مسجد لیاقت آباد ڈاک خانہ، کراچی ۱۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ

اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ

یَّتَّقُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا

وَرَضُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا

وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝

[illegible] ۱۴۲۰ [illegible] ۱۹۹۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لڑکی سے نکاح کی اجازت لینے کے مسائل

نکاح کی اجازت پہلے ہی سے لے لینی چاہئے

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ نکاح سے پہلے لڑکی سے نکاح کی جو اجازت لی جاتی ہے، یہ عین نکاح کے وقت لینا ضروری نہیں ہے۔ عام طور پر جب نکاح ہونے لگتا ہے تو اس سے کچھ دیر پہلے لڑکی سے نکاح کی اجازت لی جاتی ہے اور مردوں کو لڑکی سے اجازت لینے کے لئے بھیجا جاتا ہے تو یاد رکھنا چاہئے کہ لڑکی سے عین نکاح کے وقت اجازت لینا جائز ہے مگر ضروری نہیں ہے۔ بلکہ نکاح کے وقت اجازت لینے میں بعض قباحتیں ہیں جیسا کہ میں ابھی انشاء اللہ تعالیٰ عرض کروں گا۔ جب لڑکی سے نکاح کے وقت اجازت لینا ضروری نہیں ہے تو ایسی صورت میں یہ کام نکاح سے بہت پہلے کر لینا چاہیئے۔ جس دن نکاح ہونے والا ہے اُس دن صبح بھی یہ کام ہوسکتا ہے۔ ایک دن پہلے بھی ہوسکتا ہے، دو دن پہلے بھی ہوسکتا ہے، تین دن پہلے بھی ہوسکتا ہے اور پہلے اجازت لینے میں زیادہ آسانی ہے، کیونکہ جس طرح نکاح کے وقت مرد حضرات مسجد میں جمع ہوتے ہیں، اُسی طرح قریب کی خواتین بھی اُس گھر میں جمع ہو جاتی ہیں جہاں لڑکی کا نکاح ہونے والا ہے تو اجازت لینے والوں کو عین نکاح کے وقت جا کر اجازت لینے میں خاصی دشواری ہوتی ہے اُس سے پہلے جبکہ خواتین وہاں جمع نہ ہوں تو اجازت لینے میں آسانی ہوتی ہے اور ہمیں ہمیشہ وہ کام کرنا چاہئے جس میں آسانی ہو اور اُس کام سے بچنا چاہئے جس میں دشواری

ہو۔ نبی اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہی ہے کہ جب آپ کو دو کاموں میں سے کسی کام کا اختیار دیا جاتا تو آپ اُن میں سے جو سب سے زیادہ آسان ہوتا اُسے اختیار فرماتے تھے۔ لہٰذا ہمارے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور طریقہ کافی وشافی ہے۔ اس لئے ایک اس بات کا اہتمام کرنا چاہئے کہ عین نکاح کے موقع پر اجازت لینے کے بجائے پہلے سے اجازت لے لینی چاہئے۔

نکاح کی اجازت باپ کو لینی چاہئے

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جب لڑکی سے نکاح کی اجازت لی جائے تو اس سلسلے میں اہم بات یہ یاد رکھنے کی ہے کہ لڑکی سے نکاح کی اجازت اس کے باپ کو لینی چاہئے اگر باپ موجود ہو اور باپ اپنے ساتھ اپنی بیٹی کے دو محرم رشتہ دار لے لے۔ مثلاً یا تو بچی کے دو سگے بھائی یا بچی کے دو چچا اور تایا کو لے لے یا بچی کے سگے ماموں کو لے لے۔ بچی کا سگا ماموں ایک ہو یا دو، سگے بھائی ایک ہوں یا دو ہوں۔ اس طرح اس کے سگے بھتیجے ہوں یا سگے بھانجے ہوں۔ اُن میں سے کسی دو کو بطور گواہ باپ اپنے ساتھ لے لے اور اپنی بچی کے ان دو محرم کو لے کر بچی کے پاس جائے۔

باپ اجازت لینے میں نہ شرمائے

اس سلسلے میں باپ کو ذرہ برابر بھی نہیں شرمانا چاہئے اور اسے بالکل کوئی عار محسوس نہیں ہونی چاہئے۔ اللہ پاک نے اس کو بچی کا ولی بنایا ہے، سرپرست اور ذمہ دار بنایا ہے جب ذمہ دار بنایا ہے تو اپنی ذمہ داری پوری کرے۔ اس ذمہ داری میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ اپنی بچی سے نکاح کی خود اجازت لے۔ پہلے زمانہ میں باپ کا عجیب حال ہوتا تھا کہ جب اس کی بیٹی کے نکاح کا موقع آتا تو وہ چھپ جاتا،

کہیں میں کسی کو مل نہ جاؤں، کسی کو نظر نہ آجاؤں کہ میری بیٹی کا نکاح ہو رہا ہے۔ اجازت لینا تو دور کی بات وہ لوگوں سے چھپا چھپا پھرتا تھا اور لوگ اس کو تلاش کرتے تھے کہ لڑکی کا باپ کہاں ہے، جس کی بیٹی کا نکاح ہو رہا ہے وہ کہاں ہے، اسے ڈھونڈتے تھے۔ خدا جانے اس میں کیا راز تھا، کیا حکمت تھی۔ بہرحال! یہ بالکل غلط طرزِ عمل ہے جو پہلے پایا جاتا تھا۔ الحمدللہ اب یہ صورتحال نہیں ہے۔ لڑکی کا باپ مجلس نکاح میں پایا جاتا ہے، لیکن اب بھی یہ کمی ضرور ہے کہ لڑکی کا باپ خود عام طور پر لڑکی سے نکاح کی اجازت لینے نہیں جاتا اور اجازت لیتے ہوئے شرماتا ہے۔ حالانکہ یہ کوئی شرم کی بات نہیں۔ شرم تو گناہ کے کام میں ہونی چاہئے، ناجائز خلافِ شرع کام میں شرم آنی چاہئے اور وہاں آدمی کو شرما کر گناہ سے بچنا چاہئے اور اپنی بیٹی کا نکاح یہ تو عین عبادت ہے، عین سنت ہے، عین خوشی کا موقع ہے، تو ایسے موقع پر کہاں کا شرمانا؟ بلکہ خود بحیثیت ولی کے آگے آنا چاہئے اور خود اپنے ساتھ دو گواہوں کو لے کر جو بچی کے محرم ہوں اجازت لینی چاہئے۔

نکاح کی اجازت لینے کا طریقہ

اور اس کے سامنے اس کے شوہر کا اور اُس کے باپ کا نام لے کہ میں تمہارا فلاں ابن فلاں کے ساتھ اتنے مہر کے عوض نکاح کرنا چاہتا ہوں، تمہاری اجازت ہے؟ اور یہ کہہ کر خاموش ہو جائے۔ اگر لڑکی کنواری ہے تو لڑکی سے زبانی اجازت نہ لے۔ لڑکی سے ہاں یا ناں کا جواب زبانی نہ لے یعنی زبانی جواب دینے پر اُسے مجبور نہ کرے، صرف اپنی طرف سے اجازت ہے؟ کے الفاظ کہہ کر خاموش کھڑا رہے۔ اس کے بعد لڑکی اگر خاموش رہے تو بھی اجازت ہے، رو پڑے تو بھی اجازت ہے، گردن ہلا دے تو بھی اجازت ہے۔

باپ کے علاوہ اجازت لینے والا بھی محرم ہو

لیکن بہر حال! اگر باپ خود نہ گیا اور اس نے اپنی طرف سے کسی اور شخص کو اجازت لینے کے لئے بھیج دیا تو جس کو اجازت کے لئے بھیجا ہے اس میں بھی یہی ہونا چاہئے کہ وہ بچی کا محرم ہو۔ مثلاً باپ اپنے بھائی کو بھیج دے جو بچی کا چچا ہوگا یا بچی کے ماموں کو بھیج دے یا بچی کے سگے تایا کو بھیج دے۔ اس طرح سے کسی اور محرم کو بھیج دے اور اُس کے ساتھ دو گواہ بھی بچی کے محرم ہونے چاہئیں۔

اجازت لینے نامحرم مرد نہ جائے

نکاح کے موقع پر لڑکی سے اجازت لینے کے لئے کسی نامحرم مرد کو جانا جائز نہیں۔ عام طور پر اس کا خیال نہیں رکھا جاتا، نکاح کے موقع پر اجازت لینے کے لئے کبھی لڑکی کے بہنوئی کو بھیج دیا جاتا ہے یا لڑکی کے جو رشتہ کے بھائی ہیں جیسے چچازاد بھائی، ماموں زاد بھائی، تایا زاد بھائی، خالہ زاد بھائی، پھوپھی زاد بھائی اُن کو بھیج دیا جاتا ہے یا لڑکی کے پھوپھا کو بھیج دیا جاتا ہے یا لڑکی کے خالو کو بھیج دیا جاتا ہے۔ یاد رکھئے یہ سب نامحرم ہیں، ان نامحرموں کو لڑکی سے نکاح کی اجازت کے لئے بھیجنا جبکہ اپنی بیٹی آراستہ بیٹھی ہوئی ہے، سجی ہوئی بیٹھی ہوئی ہے، اُس کی بے پردگی کرنا ہے اور بے آب روئی کرنا ہے جو گناہ ہے، اس لئے نکاح کی اجازت کے لئے لڑکی کے محرم کو بھیجنا چاہئے۔

اجازت تین بار ضروری نہیں

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ نکاح کی اجازت لینا تین دفعہ کوئی ضروری نہیں۔

اسی طرح لڑکی سے تین مرتبہ زبان سے کہلوانا بھی کوئی ضروری نہیں ہے۔ صرف ایک مرتبہ واضح الفاظ میں باپ کہہ دے کہ میں فلاں ابن فلاں کے ساتھ اتنے مہر کے عوض تمہارا نکاح کرنا چاہتا ہوں، تمہاری اجازت ہے؟ اس کے بعد خاموش ہو جائے۔ اب لڑکی خاموش رہے تو بھی اجازت، رو پڑے تو بھی اجازت، سر ہلادے تو بھی اجازت، ہنس پڑے تو بھی اجازت۔ بہر حال! یہ اس کی اجازت ہوگئی، اب مزید کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح اگر لڑکی کا باپ اور دادا خود کسی شخص کو لڑکی سے نکاح کی اجازت کے لئے بھیجیں تو اُس کے سامنے بھی لڑکی کا زبان سے اجازت دینا ضروری نہیں اور تین دفعہ اجازت لینا بھی ضروری نہیں، ایک مرتبہ اجازت دینا اور خاموش رہنا کافی ہے۔ اب اجازت ہوگئی اور اس کی اجازت کے دو گواہ ہوگئے، اب وہ آئیں اور آکر فارم کے اندر اپنے نام وغیرہ لکھوادیں اور رجسٹر کی کارروائی مکمل کرلیں۔

ولی کے اجازت نہ لینے کا وبال

بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ لڑکی کا باپ یا دادا موجود ہوتے ہیں، لیکن وہ نہ خود لڑکی سے نکاح کی اجازت لیتے ہیں اور نہ کسی کو اپنا نائب بنا کر اجازت کے لئے بھیجتے ہیں بلکہ کوئی اور قریبی عزیز رشتہ دار جیسے لڑکی کے تایا اور چچا وغیرہ خود چلے جاتے ہیں یا کسی کو بھیج دیتے ہیں۔ یہ بڑی کوتاہی کی بات ہے اس سے بالکل اجتناب کرنا چاہئے کیونکہ اس میں سب سے بڑی قباحت یہ ہے کہ جب باپ دادا کا نہ بھیجا ہوا شخص لڑکی سے نکاح کی اجازت لیگا تو لڑکی کا خاموش رہنا نکاح کی اجازت نہ ہوگا۔ اس صورت میں لڑکی کو زبان سے صاف صاف

اجازت دینا ضروری ہوگا، چاہے لڑکی کنواری ہو کیونکہ کنواری لڑکی کا خاموش رہنا اس وقت اجازت ہے جب اُس کا باپ یا دادا یا اُن کا بھیجا ہوا شخص اُس سے نکاح کی اجازت لے۔ ان کے علاوہ اور شخص کی اجازت میں لڑکی کا خاموش رہنا شرعی لحاظ سے اجازت نہیں اور یہ وکالت درست نہیں۔ اس کے بعد نکاح کی مجلس میں وکیل اور گواہوں کا یہ کہنا کہ لڑکی نے نکاح کی اجازت دیدی ہے، جھوٹ ہے۔ اس کے بعد جو نکاح کیا گیا وہ بھی درست نہیں، البتہ اس کے بعد جب لڑکی رخصت ہو کر دولہا کے گھر آئی اور ہمبستری سے اس نے انکار نہ کیا تو اب تک جو نکاح اس کی اجازت پر موقوف تھا وہ صحیح ہو گیا، لیکن ایجاب وقبول کے وقت یہ نکاح صحیح نہیں ہوا تھا، اس لئے لڑکی کا دولہا کے ساتھ خلوت میں ہونا اور دولہا کا اس کو ہاتھ لگانا، اس کے جسم کو چھونا، اور برہنہ کرنا اور دیکھنا جائز نہ ہوگا۔ اس قباحت سے بچنے کا طریقہ یہی ہے کہ لڑکی کا باپ یا اُس کا بھیجا ہوا شخص لڑکی سے نکاح کی اجازت لے۔ (ماخذہ امداد الفتاویٰ: ج ا، ص ۳۳۳)

نکاح کے وقت اجازت لینے سے بے پردگی کا گناہ

نکاح کے موقع پر اجازت لینے میں ایک قباحت یہ بھی ہے کہ اس گھر میں خواتین آراستہ پیراستہ جمع ہوتی ہیں اور نکاح کی اجازت کے موقع پر جب بچی کا باپ اور دو محرم اجازت لینے کے لئے آئیں گے تو اگرچہ یہ تینوں بیٹی کے حق میں محرم ہیں لیکن ان کے لحاظ سے دیگر خواتین تو اکثر نامحرم ہی ہوتی ہیں اور اس موقع پر عام طور سے خواتین کہنے کے باوجود پردہ بھی نہیں کرتیں اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اجازت لینے والے آرہے ہیں پردہ کرلو اور یہ

اعلان ضرور کرنا چاہئے بلکہ جن کے گھر میں یہ شادی ہو رہی ہو وہ علی الاعلان تمام خواتین سے کہیں کہ بچی سے اجازت لینے کے لئے وکیل اور گواہ آرہے ہیں، آپ سب پردہ کرلیں۔

لیکن تجربہ ہے کہ کہنے کے باوجود اکثر خواتین پردہ نہیں کرتیں بلکہ ایسے موقع پر سننے میں یہ آیا ہے کہ بجائے پردہ کرنے کے جھانکنے کی کوشش کرتی ہیں یعنی آگے بڑھ کر یہ دیکھنے کی کوشش کرتی ہیں کہ نکاح کی اجازت لینے والے کون آئے ہیں اور اُن کے ساتھ گواہ کون کون ہیں، لاؤ اُن کو دیکھیں اور پھر یہ دیکھنے کے لئے کہ وہ کیا کہتے ہیں؟ اور کس طرح اجازت لیتے ہیں؟ اور لڑکی اجازت دیتی ہے یا نہیں دیتی؟ اور تجسس اُن کے اندر ہوتا ہے جو اُن کی فطرت ہے، چنانچہ یہ جذبہ مزید بے پردگی کا باعث بن جاتا ہے۔ حالانکہ جیسے اور اوقات میں بے پردگی جائز نہیں اس وقت بھی جائز نہیں، بلکہ اس وقت تو اور زیادہ پردہ کی ضرورت ہے کیونکہ خواتین آراستہ پیراستہ ہیں۔ تو عین نکاح کے موقع پر اجازت کے لئے جانے میں یہ خرابی ہے کہ جانے والوں کی بھی نامحرم عورتوں پر نظریں پڑتی ہیں، وہ بھی نامحرم عورتوں کو دیکھتے ہیں اور نامحرم عورتیں بھی نامحرم مردوں کو دیکھتی ہیں۔ جبکہ نامحرم مردوں کو بھی حکم یہ ہے کہ نامحرم عورتوں پر قصداً نظر نہ ڈالیں، اپنی نظر کو نیچی رکھیں۔ نامحرم عورتوں کو حکم یہ ہے کہ وہ اُن سے پردہ کریں اور پردہ کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی نظر بھی نیچی رکھیں، لیکن نکاح کے موقع پر اجازت لینے میں اللہ تعالیٰ کے ان احکامات کے خلاف ورزی ہوتی ہے، اس لئے نکاح کی اجازت پیشگی لینی چاہئے تاکہ عین

نکاح کے وقت جو گناہ ہو سکتے ہیں اُن سے بچنا آسان ہو۔

نامحرم کو وکیل بنانے میں گناہ

اگر خدانخواستہ کسی نے نامحرم مرد کو وکیل بنا کر بھیج دیا اور اُس کے ساتھ دو نامحرم مرد بھی بطور گواہ کے چلے گئے تو بھیجنے والا بھی گناہ گار ہوگا اور یہ جانے والے بھی گناہگار ہوں گے اور جو دو گواہ چلے گئے وہ بھی گناہگار ہوں گے اور گھر کے اندر جتنی بھی خواتین ہوں گی وہ عام طور سے نامحرم ہوں گی، وہ بھی سب گناہگار ہوں گی۔ خاص طور سے وہ لڑکی جس کا نکاح ہونے والا ہے، وہ نامحرم مرد وکیل اب اس نامحرم عورت جس کے پاس آج تک وہ اتنا قریب نہیں آیا تھا نکاح کی اجازت کے بہانے وہ بالکل ہی نزدیک آ کر کھڑا ہو گیا، اب اگر اُس نے اجازت دیدی تو اُس کی اجازت سے بہر حال نکاح ہو جائے گا پھر اگر اُس کے باپ دادا نے بھیجا ہے تو اُس کے سامنے خاموش رہنا بھی اجازت ہے اور اگر باپ دادا نے نہیں بھیجا تو پھر لڑکی کا زبان سے اجازت دینا ضروری ہے، خاموش رہنا اجازت نہیں، لیکن تین نامحرم مردوں کا نامحرم عورتوں کے پاس جانا اور اُس لڑکی کے پاس جانا اور وہاں کھڑے ہو کر اجازت لینا اس کے اندر گناہ ہی گناہ ہیں۔ اس لئے خاص نکاح کے موقع پر نکاح کی اجازت لینے کی بجائے جہاں تک ہو سکے پہلے ہی نکاح کی اجازت لے کر فارغ ہونا چاہئے تا کہ نکاح کے موقع پر اجازت کے لئے جانا ہی نہ پڑے اور اس قسم کی خرابیوں سے دوچار ہونا ہی نہ پڑے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین○

✿

نکاح کا مسنون طریقہ

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ناشر: میمن اسلامک بکس

دکان نمبر ۲۹، نایاب جامع مسجد لیاقت آباد ڈاک خانہ، کراچی ۱۹

وَالضُّحٰی وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نکاح کا مسنون طریقہ

الحمد للہ و کفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ.

امّا بعد! فقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: النکاح من سنتی، وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: فمن رغب عن سنّتی فلیس منّی۔

(بخاری، ج ۲، ص ۷۵۷، مسلم ج ۱، ص ۴۴۵)

جس طرح نماز ایک عبادت ہے اور روزہ ایک عبادت ہے، حج اور زکوٰۃ ایک عبادت ہے، ایسے ہی مسلمان مرد و عورت کا نکاح کرنا بھی ایک عبادت ہے، اور جس طرح سے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کا ایک طریقہ ہے جو شریعت سے ثابت ہے، اسی طریقہ سے نکاح کرنے کا بھی ایک طریقہ ہے جو شریعت سے ثابت ہے۔ جو نکاح شریعت کے مطابق ہوگا، سنت کے موافق ہوگا وہ نکاح عبادت ہوگا اور باعثِ اجر و ثواب ہوگا اور خیر و برکت سے بھرپور ہوگا، اور جو نکاح اور جو شادی بیاہ شریعت سے ہٹ کر ہوگا، سنت کے خلاف ہوگا تو چاہے نکاح منعقد ہو جائے لیکن نکاح کی جو برکتیں ہیں اور اللہ پاک نے اس

میں دنیا و آخرت کے جو فوائد رکھے ہیں، وہ نکاح ان سے خالی رہ جائے گا، جیسے خلافِ سنت نماز پڑھنے سے چاہے نماز کا فرض اتر جائے اور خلاف سنت حج و عمرہ کرنے سے چاہے حج وعمرہ کا واجب ادا ہو جائے، لیکن سنت سے ہٹ کر ادا کرنے کی وجہ سے اور سنت کے خلاف عمل کرنے کی وجہ سے نماز کی نورانیت اور مقبولیت ختم ہو جاتی ہے، حج وعمرہ مقبول نہیں ہوتا، ایسے ہی وہ نکاح بھی خیر و برکت سے محروم ہو جاتا ہے۔

اس لیے ہر مسلمان مرد وعورت کو چاہئے کہ جب ان کے ہاں نکاح کی تقریب ہو تو اپنے نکاح کو شریعت اور سنت کے مطابق کرنے کی کوشش کریں، جیسے نماز ہمیں سنت کے مطابق ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، حج وعمرہ اور ہماری دیگر عبادتیں سنت کے مطابق ہونی چاہئیں، اسی طرح ہمارا نکاح بھی سنت کے مطابق ہونا چاہئے، اور جیسے نماز کا طریقہ، حج و عمرہ کا طریقہ اور دیگر عبادتوں کے طریقے سرکار دو عالم ﷺ سے منقول و ثابت ہیں، اسی طرح نکاح کرنے کا طریقہ بھی سرکار دو عالم ﷺ سے منقول اور ثابت ہے۔

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے نکاح کا واقعہ

وہ واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا ساڑھے پندرہ سال کی ہوئیں، تو سب سے پہلے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نکاح کا پیغام دیا، اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نکاح کا پیغام دیا، لیکن آپ ﷺ نے ان کی عمر زیادہ ہونے کی وجہ سے عذر فرما دیا اور معذرت کرلی کہ میری بیٹی کی عمر کم ہے اور تمہاری عمر زیادہ ہے۔

اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ جن کی عمر اکیس سال ہو گئی تھی، انہوں نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس نعمت عظمیٰ کے عطاء فرمانے کی درخواست کی، ان کی درخواست کو سن کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم آیا کہ یہ رشتہ منظور کرلیا جائے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست قبول فرمالی، اور منگنی (بات پکی) ہوگئی۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے انس! جاؤ اور ابوبکر، عمر، عثمان، طلحہ، زبیر اور انصار (رضی اللہ عنہم اجمعین) کی ایک جماعت کو بلا کر لاؤ۔ جب یہ سب لوگ جمع ہو گئے تو نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھا، اور حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کر دیا، اور مہر تقریباً چار سو درہم مقرر فرمایا، اور ایک طباق میں تھوڑے سے چھوارے رکھ کر حاضرین کو پہنچائے، اس کے بعد حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ تم فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچا دو۔ چنانچہ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کے ہمراہ نبی کریم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاتون جنت کی رخصتی فرمادی، حضرت امّ ایمن رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچا کر آگئیں۔ یہ دونوں جہاں کے سردار جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کی رخصتی ہے جو جنت کی عورتوں کی سردار ہیں۔

اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: پانی لاؤ! وہ ایک پیالہ میں پانی لائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اندر لعاب مبارک ڈالا اور فرمایا کہ ذرا سامنے آو، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر اور ان کے سینے مبارک پر کچھ پانی

چھڑکا، پھر فرمایا کہ پیٹھ میری طرف کرو، پھر ان کے دونوں شانوں پر پانی چھڑکا اور پھر دعا دی کہ اے اللہ! میں ان کو اور ان کی اولاد کو شیطان مردود کے شر سے آپ کی پناہ میں دیتا ہوں۔ پھر ان سے فرمایا کہ باقی پانی تم پی لو، چنانچہ انہوں نے پانی پی لیا۔

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ پانی لاؤ! وہ گئے اور وہ بھی پانی لے کر آئے اور اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کا کٹورا لے کر اس میں لعاب مبارک ڈالا اور ان کے سر اور سینے پر کچھ پانی چھڑکا، لیکن پشت کی طرف دونوں شانوں کے درمیان نہیں چھڑکا اور ان کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی پینے کے لیے عطا فرمایا۔ (ابن حبان، ج نمبر ۹، ص ۴۹)

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر تشریف لے جانے کے بعد ایک پیالہ میں پانی لیا اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھ کر پانی پر دم کیا اور دونوں کے آگے پیچھے چھڑکا اور پینے کے لیے بھی فرمایا اور یہ فرمایا کہ تم اس سے وضوء کرو۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک اور نصیب دار اولاد ہونے کی دعا دی، اور اچھی اچھی پاکیزہ دعائیں عطا فرمائیں، اور فرمایا کہ خیر و برکت کے ساتھ اور طہارت کے ساتھ رہو۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جہیز

جہیز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند چیزیں عطا فرمائیں، جن میں چار گدے، دو رضائی، دو چاندی کے بازو بند، ایک چادرہ، ایک تکیہ، ایک پیالہ، ایک مشکیزہ اور ایک چکی آٹا پیسنے کے لیے، اور ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک

پلنگ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا تھا، یہ چیزیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ان کے جہیز میں عطا فرمائیں۔ (بحوالہ مذکورہ)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر تشریف لے جانے کے بعد گھر کے اندر کے کاموں کے انجام دینے کی ذمہ داری مثلاً گھر کی صفائی وستھرائی، کھانا پکانا، آٹا پینا، پانی بھرنا، حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سپرد فرمائی اور گھر سے باہر کے کاموں کی ذمہ داری حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اوپر ڈالی کہ گھر سے باہر کے کام انجام دینا تمہاری ذمہ داری ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ولیمہ

نکاح کے بعد دوسرے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ولیمہ فرمایا، ولیمہ کے اندر چند صاع مکوہ، ایک صاع تقریباً ساڑھے تین سیر کا ہوتا ہے، اور چند جو کی روٹیاں اور کچھ کھجوریں تھیں، بس اس طریقہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا ولیمہ فرمایا۔

یہ مختصر سا طریقہ ہے اُس نکاح کا جس کے کرنے والے دونوں جہاں کے سردار ہیں، اور جس کا نکاح ہو رہا ہے وہ جنت کی عورتوں کی سردار ہیں، اور جس کے ساتھ ہو رہا ہے وہ چوتھے خلیفہ راشد ہیں۔ تو تمام نبیوں کے سردار اپنی بیٹی کا کس سادگی کے ساتھ اور کس اختصار کے ساتھ اور کس سہولت وآسانی کے ساتھ اور کتنے معمولی مہر پر نکاح فرما رہے ہیں، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کس سادگی کے ساتھ ہلکا پھلکا ولیمہ کر رہے ہیں، یہ وہ طریقہ ہے جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔

مذکورہ واقعہ میں ہمارے لیے ہدایات

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح جس طرح فرمایا، اس میں ہمارے لیے بڑی ہدایات ہیں اور بڑی تعلیمات ہیں، اور دراصل یہ طریقہ ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ اللہ کرے کہ ہم دل و جان سے ان ہدایات کو اور تعلیمات کو پڑھیں اور سمجھیں اور جب اس کا موقع آئے تو ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔

پہلی ہدایت

سب سے پہلی ہدایت جو اس طریقہ سے معلوم ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ جب لڑکیاں اور لڑکے بالغ ہو جائیں اور نکاح کے قابل ہو جائیں اور مناسب رشتہ مل جائے تو پھر بغیر کسی معتبر عذر کے ان کے نکاح میں تاخیر نہیں کرنی چاہئے، جلد ہی نکاح کر دینا چاہئے، بلاوجہ یا بلا عذر لڑکے یا لڑکی کو بغیر نکاح کے رکھنا مناسب نہیں، البتہ اگر کوئی معتبر عذر ہو تو الگ بات ہے۔

اور دوسری حدیثوں میں بھی اس کی تاکید و ترغیب ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ جب ان کا وقت آجائے تو ان میں تاخیر نہیں کرنی چاہئے، ان میں سے ایک نکاح بھی ہے۔ پھر جب مناسب رشتہ مل جائے تو تاخیر نہ کرو، اگر تاخیر کرو گے تو فساد پھیل جائے گا، معاشرے میں تباہی اور بربادی رونما ہوگی، اور اس کے اندر جو دینی اور دنیوی نقصانات ہیں وہ ہر عاقل و بالغ شخص کے اوپر واضح اور روشن ہیں۔

دوسری ہدایت

دوسری ہدایت یہ معلوم ہوئی کہ نکاح کے اندر لڑکے اور لڑکی کی عمروں کے درمیان تناسب ملحوظ رکھنا چاہیے، لڑکے کی عمر لڑکی سے کچھ زیادہ ہونی چاہیے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر اکیس سال اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عمر اس وقت ساڑھے پندرہ سال تھی، تقریباً چار پانچ سال کا فرق تھا، تو معمولی سا فرق ہو، اس کے برعکس نہیں ہونا چاہیے کہ لڑکی بڑی عمر کی ہو اور لڑکا چھوٹی عمر کا ہو، یا بہت زیادہ فرق ہو، یہ مناسب نہیں۔ چنانچہ مذکورہ واقعہ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رشتہ پیش کیا، لیکن ان کی عمر زیادہ تھی، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست قبول نہیں فرمائی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے درخواست پیش کی، لیکن ان کی عمر بھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ تھی، ان کی درخواست بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہیں فرمائی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے درخواست پیش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کی درخواست قبول فرمالی۔ معلوم ہوا کہ یہ تناسب دیکھنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

اگرچہ کم یا زیادہ عمر والے کے ساتھ بھی نکاح جائز ہے، کیونکہ نکاح تو باہمی رضامندی کے ساتھ ہوتا ہے، اور باہمی رضامندی میں چھوٹی عمر والی لڑکی بڑی عمر کے لڑکے سے نکاح کرلے، یا چھوٹی عمر والا لڑکا کسی بڑی عمر کی عورت سے نکاح کرلے تو جائز ہے، لیکن ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کو دیکھیں تو اس کے اندر جو بات سمجھ میں آرہی ہے وہ بڑی اہم اور قابل توجہ ہے، لہٰذا جہاں تک ہوسکے ہم اس کے مطابق اس نیک کام کو انجام دیں، تاکہ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا نور اس کے اندر رچ بس جائے اور اس کی برکتیں ظاہر ہوں اور وہ ہمیں حاصل ہو جائیں۔

اس لیے ہر مؤمن مرد و عورت کو اس کا خیال رکھنا چاہئے، لیکن جہاں کوئی مجبوری ہو یا کوئی عذر ہو تو کوئی حرج نہیں۔

تیسری ہدایت

تیسری ہدایت یہ معلوم ہوئی کہ منگنی اور شادی سادگی کے ساتھ ہونی چاہئے، چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اپنی بیٹی کے نکاح کرنے کا وعدہ اور ان کی درخواست کس سادگی کے ساتھ قبول فرمائی، نہ خاندان جمع ہوا، نہ برادری آئی، نہ قوم آئی اور نہ کوئی لینا دینا اور کرنا دھرنا ہوا، کس سادگی اور کس اختصار کے ساتھ ذرا سی دیر میں یہ مسئلہ طے ہو گیا۔

منگنی کی حقیقت

معلوم ہوا کہ منگنی کی حقیقت اصل میں اتنی ہی ہے کہ لڑکے والے لڑکی والوں سے درخواست کرتے ہیں اور لڑکی والے اپنے اطمینان کے بعد درخواست قبول کر لیتے ہیں، بس منگنی تو اس کا نام ہے، اس حد تک اگر کوئی منگنی کرے تو اس کے اندر کوئی خرچہ ہی نہیں، یہ بات ٹیلی فون اور خط و کتابت سے بھی طے ہو سکتی ہے، اگر دونوں گھرانے قریب ہیں تو آ کر اور بیٹھ کر بھی طے کر سکتے ہیں، اس کے سوا دوسرے لوازمات کچھ بھی نہیں ہیں۔

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے، انہوں نے درخواست کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے درخواست قبول فرمائی، بس منگنی ہو گئی۔

لہٰذا ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نقشِ قدم کو اپنے ذہن میں جمائیں اور اس نقشِ قدم سے ہٹ کر جو کچھ ہم نے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے، اور انہیں ضروری قرار دے لیا ہے کہ ان کے بغیر منگنی ہو ہی نہیں سکتی، ان سے ہم اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کریں۔

نکاح کا پیغام کون دے؟

چوتھی ہدایت یہ معلوم ہوئی کہ نکاح کا پیغام لڑکے والوں کو دینا مناسب ہے کہ لڑکے والے لڑکی والوں کو پیغام دیں اور لڑکی والے اس کو قبول کریں، اور اس کے برعکس بھی جائز ہے کہ لڑکی والے لڑکے والوں کو پیغام دیں۔ مگر مذکورہ واقعہ میں طریقہ دیکھئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود درخواست لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آرہے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیٹی والے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی درخواست قبول فرمارہے ہیں۔

نکاح میں کن لوگوں کو بلایا جائے؟

اس کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص خاص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بلایا۔ اس سے پانچویں ہدایت یہ معلوم ہوئی کہ نکاح کے موقع پر اپنے بہت ہی قریبی اور خاص خاص احباب کو بلانا چاہئے، ان کے بلانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اب وہ خاص احباب چاہے رشتہ کے اعتبار سے ہوں یا پڑوس کی وجہ سے ہوں یا محبت وتعلق کی وجہ سے ہوں یا دوست واحباب ہوں، اس میں بنیادی مقصد یہ ہے کہ اس نکاح کا اعلان ہو جائے اور ان سب کے علم میں آجائے کہ فلاں کا نکاح فلاں کے ساتھ ہوگیا ہے، یہ اس کا مقصود اصلی ہے،

یہ نہیں کہ یہ اتنا بڑا اور اتنا اہم خوشی کا موقع ہے، اگر ہم اس کے اندر دوسروں کو نہیں بلائیں گے تو انہیں گلہ شکوہ ہوگا اور وہ روٹھیں گے اور ان کو منانا پڑے گا، لہٰذا اس موقع پر ان کو بلانا بہت ضروری ہے، ان کے بغیر تو نکاح ہو ہی نہیں سکتا، یہ کوئی تصور نہیں بلکہ صحیح تصور اور تعلیم یہ ہے کہ یہ موقع نکاح کے اعلان کا ہے اور اس اعلان کی زیادہ ضرورت خاص خاص لوگوں کو ہے جو ہر دم کے ساتھی ہیں اور ہر وقت ان کی آمدروفت رہتی ہے اور ملتے جلتے رہتے ہیں تاکہ ان کے علم میں آجائے کہ کس لڑکی کا نکاح کس لڑکے کے ساتھ ہوا ہے۔

مسجد میں نکاح کرنا مستحب ہے

ساتواں مسئلہ یہ ہے کہ مسجد کے اندر نکاح کرنا مستحب ہے کہ مسجد کے اندر اعلان زیادہ ہوتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کن لوگوں کو بلایا تھا؟

نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف ابوبکر، عمر، عثمان، طلحہ، زبیر اور انصار رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کو بلایا تھا، جب وہ آگئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سامنے خطبہ پڑھا اور نکاح کردیا، بس یہی تعلیم ہمیں حاصل کرنی چاہیے۔

شادی کارڈ کی حقیقت ایک غلط قابل اصلاح رسم

شادی کی اطلاع کے لیے کارڈ چھپوانے کی بھی زیادہ ضرورت نہیں، اگر ضروری ہو تو معمولی درجہ کا کارڈ چھپوالیں، شادی کارڈ کے اندر لوگ بڑے

پیسے خرچ کرتے ہیں، بہت مہنگا بناتے ہیں، ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں روپے خرچ کرتے ہیں، حالانکہ اس کا حاصل صرف اطلاع دینا ہے، جس گھر میں آیا پڑھا اور ایک طرف رکھ دیا، بنانے والے تو یہ سمجھتے ہیں کہ یادگار رہے گا، لیکن ذرا سوچیں کون یاد کرتا ہے؟..... دوسرے دن جب ولیمہ ختم، کارڈ سارے کے سارے ٹوکری کی نذر ہوگئے، اور لاکھوں روپے ضائع ہوگئے۔

شادی کارڈ کے بارے میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ

اس بارے میں ہم نے سیدی حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بڑا پیارا طریقہ دیکھا، کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا جو لیٹر پیڈ تھا، اس پر حضرت نے نکاح کے دعوت نامہ کا خود مضمون تحریر فرمایا اور اس کی فوٹو کاپی کرواکر یا کسی پریس میں دے کر مناسب انداز میں چھپوکر سادے لفافہ میں رکھ کر دے دیا، خرچ بھی زیادہ نہیں ہوا، اور مقصد بھی حاصل ہوگیا۔ تو حضرت کے اس عمل میں آسانی ہے، اور اس طریقے سے یہ کام بہ سہولت انجام دیا جاسکتا ہے، یا وقت پر اپنے خاص خاص احباب کو تحریری طور پر یا ٹیلی فون پر یا زبانی اطلاع دے دی جائے اور مسجد میں میں نکاح رکھ لیا جائے۔

مقدار مہر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول

آٹھواں مسئلہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح میں ۴ سو درہم مہر مقرر فرمایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم عورتوں کا مہر زیادہ نہ بڑھاؤ، اس لیے کہ زیادہ مہر عورتوں کے اندر اگر کوئی خیر کی بات ہوتی، بھلائی کی چیز ہوتی، یا کوئی عزت کی چیز ہوتی اور آخرت کے اعتبار سے کوئی تقویٰ کی بات ہوتی تو اس کے

سب سے زیادہ مستحق سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ (مشکوۃ المصابیح ص ۲۷۷)

مہر فاطمی کی حقیقت اور اس کی اہمیت

لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں اور بیٹیوں کا مہر ۱۲ اور ۱۳ اوقیہ چاندی سے زیادہ مقرر نہیں فرمایا، اور ایک روایت میں ساڑھے بارہ اوقیہ بھی ہے۔ (مشکوۃ ص ۲۷۷، رواہ مسلم)

اور ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی کے پانچ سو درہم بنتے ہیں، اور درہم چاندی کا ہوتا ہے، اور ایک درہم تین ماشہ $1\frac{1}{5}$ کے برابر ہوتا ہے، اس طرح پانچ سو درہم کا حساب تولہ ماشہ کے اعتبار سے ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ چاندی بنتی ہے۔ یہ وزن مہر مسنون ہے اور اسے مہر فاطمی بھی کہتے ہیں، اور یہ وہ مہر ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں اور بیٹیوں کا مقرر فرمایا، لہذا ہو سکے تو یہ مسنون مہر سنت کی نیت سے مقرر کرنا اچھا ہے، جب بھی کسی کا نکاح ہو تو وہ اپنے نکاح کے اندر مہر فاطمی یعنی ۱۳۱ تولہ تین ماشہ چاندی مقرر کر سکتا ہے۔

مہر کی ادائیگی کس طرح کریں؟

ادائیگی میں اختیار ہے جس طرح چاہیں کرلیں، چاہیں تو چاندی کا وزن دے دیں، یعنی چاہیں تو اتنی مقدار چاندی مہر میں دے دیں، یا جو ادائیگی کا وقت مقرر ہو اس وقت چاندی کی جو قیمت بنتی ہو وہ ادا کر دیں۔

مہر کی کم از کم مقدار اور زیادہ کی حد

نواں مسئلہ یہ ہے کہ شریعت میں کم از کم مہر کی مقدار دس درہم مقرر

ہے جس کی مالیت دو تولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی بنتی ہے، اور زیادہ کی شریعت میں کوئی حد مقرر نہیں، بس مہر اتنا ہی ہونا چاہئے کہ جس کو شوہر آسانی کے ساتھ ادا کر سکے، اور اس کی نیت بھی ادا کرنے کی ہو، اور وہ ادا کرنے کی استطاعت بھی رکھتا ہو۔

فخر کے طور پر زیادہ مہر مقرر کرنا ایک قابل اصلاح رسم

فخر کے طور پر دکھاوے کے طور پر اور نمائش کے طور پر بڑی بڑی رقمیں جو مہر کے اندر مقرر کی جاتی ہیں، یاد رکھئے! مقرر کرنے سے وہ واجب ہو جاتی ہیں اور ریاکاری کا گناہ الگ ہوتا ہے اور ادا نہ کرنے کی نیت کا گناہ الگ ہوتا ہے، چنانچہ اگر پانچ لاکھ یا دس لاکھ مہر مقرر کریں گے تو وہ واجب ہو جائے گا، اور پھر وہ ادا کرنا پڑے گا، اور اتنی بڑی مقدار اگر اس لیے مقرر کی تاکہ برادری میں میرا نام روشن ہو کہ فلاں کے مہر کی اتنی بڑی رقم تھی کہ آج تک کسی کا اتنا مہر مقرر نہیں ہوا، یہ ریاکاری اور دکھاوا ہو گیا، اور ریاکاری حرام ہے، ناجائز ہے اور گناہ کبیرہ ہے۔ گناہ بھی ہوا اور مقررہ مہر واجب بھی ہوا، اور اگر پوچھیں کہ بھائی اتنا مہر کیوں مقرر کیا؟ تو کہتے ہیں کہ دیتا کون ہے، نام ہو گیا اور کیا چاہئے، نہ کوئی دیتا ہے نہ مانگتا ہے، اللہ بچائے۔

مہر نہ دینے پر وعید

ایک حدیث میں آتا ہے کہ جس آدمی نے مہر مقرر کیا اس حال میں کہ اس کے مہر دینے کی نیت نہیں تھی، تو اللہ بچائے اس کو بدکاری کا گناہ ہوگا اور وہ بدکار کہلائے گا۔ (الترغیب و الترهیب، ج۳، ص۲۸)

مہر معاف کرانے کے دو موقعے

اور پھر ایسے ہی لوگوں کے بارے میں سننے میں آتا رہتا ہے کہ وہ پہلی ہی رات میں اپنی بیوی سے اپنا مہر معاف کرا لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پہلے آپ میرا مہر معاف کریں بعد میں آپ سے ملاقات کرسکوں گا۔

مذکورہ معافی معتبر نہیں

دوسرے اگر اس نے مجبور ہو کر یا لحاظ میں آکر یا شرم کی وجہ سے معاف کر بھی دیا تو وہ مہر معاف نہیں ہوگا، بعد میں دینا پڑے گا۔ ایک تو اس موقع پر لوگ اپنا مہر معاف کراتے ہیں۔ لہٰذا اس موقع پر مہر کی معافی معتبر نہیں۔

دوسرا موقعہ

اور ایک موت کے وقت معاف کراتے ہیں، جب کسی کے شوہر کا انتقال ہوگیا اور زندگی میں اس نے مہر ادا کرنے کی فکر نہیں کی، اور ہزاروں لاکھوں روپے کا مہر اپنی گردن پر لے گیا، تو جب اس کی میت گھر سے نکلنے لگتی ہے تو عورتیں اس کی بیوہ سے کہتی ہیں کہ اری مہر معاف کردے ورنہ یہ کہاں اپنے سر پر بوجھ لے کر جائے گا، اس وقت انکار کرنا بھی بڑی بے شرمی کی بات ہوتی ہے، لہٰذا اس وقت وہ مجبور ہو کر، یا دلِ نخواستہ اور عورتوں کے جبر اور زبردستی کی وجہ سے بے چاری معصوم بیوہ اپنا مہر معاف کردیتی ہے، اس وقت بھی مہر کی معافی معتبر نہیں۔

مہر کب معاف ہوتا ہے؟

مہر اس وقت معاف ہوتا ہے جب عورت خوش دلی سے اور اللہ کے واسطے معاف کردے۔

لیکن غیرت مند شوہر کے لیے اس طرح کی معافی کا قبول کرنا گوارہ نہیں ہوسکتا، مرد کی مردانگی یہ ہے کہ وہ پورا پورا مہر ادا کرے، یا پھر مہر مقرر کرتے وقت نام ونمود سے پرہیز کرے اور اتنی مقدار مقرر کرے کہ جتنی مقدار ادا کرنے کی اس میں طاقت اور مالی استطاعت ہو اور جس کو وہ آسانی سے ادا کرسکے جو کم از کم تقریباً پونے تین تولہ چاندی ہو یا اس سے بڑھ کر ہو مگر حسب حیثیت ہو، بہتر یہ ہے کہ مسنون مہر کے مطابق ہو۔

اور اگر کسی خاندان میں اس سے زیادہ کا رواج ہو تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں، البتہ ہر حال میں مہر کی ادائیگی ہونی چاہئے، چاہے فی الحال ادائیگی ہو، یا جب باہمی رضامندی سے اس کی ادائیگی طے ہوجائے۔

چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر کی تعلیم میں اعتدال ہی اعتدال ہے، آپ کا مقرر کردہ مہر نہ زیادہ اور نہ کم بلکہ مناسب اور بالکل درمیانہ ہے۔

مہر شرع محمدی ۳۲½ روپے کی حقیقت

اس سلسلے میں ایک گناہ اور بھی ہے، وہ یہ کہ ہمارے معاشرے کے اندر مہر کی ایک صورت اور بھی ہے جو بڑی مشہور ومعروف ہے جس کو ساڑے بتیس روپے مہر شرع محمدی کہا جاتا ہے، اور بڑے ہی اہتمام سے اس کو مقرر کیا

جاتا ہے۔ اس کو فی الحال مہر شرعِ محمدی کہنا بالکل غلط ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت میں مہر کی جو کم سے کم مقدار مقرر ہے وہ پونے تین تولہ چاندی ہے، اب اگر کوئی شریعت کے مطابق کم از کم مقدار پونے تین تولہ چاندی بھی مقرر کرے تو اس میں بھی ساڑھے بتیس روپے تو کسی صورت میں نہیں بنتے، اور مہر مسنون جو کہ ۱۳۱ تولہ تین ماشہ چاندی ہے، یہ وزن ۵۰۰ درہم کا ہے، جس کو مہر فاطمی کہتے ہیں اور مہرِ مسنون بھی اسی کو کہتے ہیں، یہ مہر بہت ہی درمیانہ اور معتبر ہے، اس سے زیادہ بھی مہر ہو سکتا ہے جتنا کہ شوہر بغیر چہرہ کے تیور بدلے آسانی سے بخوشی ادا کر سکے اور اس کو بیوی سے معافی نہ مانگنی پڑے۔ چاہے وہ ایک لاکھ ہو یا ۲۰ لاکھ، لیکن جو جتنا مقرر کرے گا وہ واجب ہو جائے گا، تو ساڑھے بتیس روپے کا کوئی ثبوت نہیں اور اس کی کوئی بنیاد نہیں۔

بس اتنا کہہ سکتے ہیں کہ پہلے کسی زمانے میں جب چاندی بہت سستی ہوگی دس بارہ روپے تولہ، تو اس زمانے میں ممکن ہے کہ کسی نے مہر شرعِ محمدی ساڑھے بتیس روپے مقرر کیا ہوگا، یا اتنی سستی ہوگی کہ ۱۳۱ تولہ تین ماشہ چاندی ساڑھے بتیس روپے میں آجاتی ہوگی، تو اس زمانہ کی حد تک اس کو مقرر کرنا درست ہو سکتا تھا، لیکن آج کل یہ مہر شرعِ محمدی نہیں، اور اگر کوئی مقرر کرے گا تو اسے پونے تین تولہ چاندی کے پیسے جس کے آج کل تقریباً ۲۰۲۲ روپے بنتے ہیں دینا ہوگا۔

چھواروں کی تقسیم

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین کے پاس کچھ چھوارے طباق

میں ڈال کر بھیجے تاکہ حاضرین ان کو لے لیں، چنانچہ اگر حاضرین میں کچھ چھوارے تقسیم کردیئے جائیں تو اچھا ہے، اس سے خوشی کا اظہار ہوتا ہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی

اس کے بعد حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی دیکھئے! اس میں کس قدر سادگی اور اختصار ہے، حضرت امّ ایمن رضی اللہ عنہا حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئیں اور ان کو وہاں پہنچادیا۔ معلوم ہوا کہ شادی اور رخصتی میں اختصار کرنا چاہئے، اس کے ساتھ کسی دھوم دھام کی ضرورت نہیں، شور شرابے اور نمود و نمائش کی ضرورت نہیں، اختصار اور سادگی کے ساتھ بیٹی کو دلہا کے گھر پہنچادو۔

بیٹی کی شادی کی دعوت سنت سمجھ کر کرنا غلط ہے

اس لیے علماء کرام نے فرمایا کہ بیٹی کی شادی کی دعوت ولیمہ کی طرح سنت سمجھ کر کرنا غلط اور ناجائز ہے، اور یہ سمجھنا کہ یہ ضروری ہے اور اس کے بغیر ہم اپنی بیٹی کو رخصت کر ہی نہیں سکتے، اور جب تک اس کی دعوت نہ ہو اور سب لوگوں کو نہ بلایا جائے اور دھوم دھام سے نہ ہو، چاہے حیثیت بھی نہ ہو لیکن وہ ضروری سمجھتے ہیں، تو ضروری سمجھ کر کرنا بھی صحیح نہیں، یہ بھی غلط ہے۔

البتہ یہ گنجائش ہے کہ حسب استطاعت جو خاص خاص عزیز و اقارب ہوں ان کو بلالیا جائے، اور جب اپنے گھر میں بلایا جائے گا تو کھانا بھی کھلایا جائے گا، اس طرح یہ ان کی مہمان نوازی ہوگی، وہ بھی کھالیں گے، بچی اور گھر والے بھی کھالیں گے، کھانے کے بعد بچی کی رخصتی ہوجائے گی۔

معوذتین کی سنت

اس کے بعد آپ ﷺ نے سورۃ الناس اور سورۃ الفلق پڑھنے کا عمل فرمایا، لہٰذا اگر کسی کی بیٹی کی شادی ہوئی ہو، اور اس سے پہلے داماد سے بے تکلف ہوں جیسے بھائی بھائی کے بیٹا اور بیٹی ہوتے ہیں، تو یہ لوگ محرم بھی ہوتے ہیں، اور بے تکلفی بھی ہوتی ہے تو اس موقع پر یہ سنت بھی ادا کر دینی چاہئے جیسے حضور اکرم ﷺ نے عمل فرمایا، اگر ہم بھی آپ ﷺ کی اتباع میں اس سنت کا عمل کر لیں تو یہ کیسا خیر و برکت کا عمل ہے اور سراسر سعادت مندی کی بات ہے۔

اور اگر کسی کے ماں باپ نہ کر سکیں تو میاں بیوی یہ عمل خود بھی کر سکتے ہیں، سورۃ الناس اور سورۃ الفلق پانی پر دم کر کے دونوں پی لیں اور جس طرح حضور ﷺ نے پانی چھڑکا اسی طریقہ سے وہ بھی چھڑک لیں، میاں بیوی کے لیے تو یہ عمل بہت ہی آسان ہے، وہ اس سنت پر عمل کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ○

جہیز اور نیوتہ کی حقیقت

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ناشر: میمن اسلامک بکس

دکان نمبر ۲۹، نایاب جامع مسجد لیاقت آباد ڈاک خانہ، کراچی ۱۹

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ

بے شک اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہی ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جہیز اور نیوتہ کی حقیقت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ

عن علی رضی اللہ عنہ قال: کان جھاز فاطمہ خَمِیْلَۃً وَوِسَادَۃً مِنْ اُدْمٍ حشوھا لیف۔

او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(زرقانی شرح بخاری)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی کو جو جہیز دیا اس کے بارے میں علماء نے لکھا ہے کہ اس سے تین باتیں معلوم ہوئیں، وہ یاد رکھنے کی ہیں۔

حیثیت کے مطابق جہیز دیں

پہلی بات جو معلوم ہوئی وہ یہ کہ جو شخص اپنی بیٹی کو جہیز دے تو حسب استطاعت دے یعنی جس کی جتنی طاقت ہو اس کے اندر اندر دے، جس کی ماہوار (۵۰۰۰) پانچ ہزار روپے آمدنی ہے وہ اس کے مطابق دے، جس کی دس ہزار روپے آمدنی ہے وہ اس کے مطابق دے، اور جس کی پچاس ہزار روپے آمدنی ہے وہ اس کے مطابق دے، اپنی اپنی حیثیت کے اندر رہ کر دے، اس کے اندر بڑے فوائد پوشیدہ ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ اس کو کہیں بھی ہاتھ نہیں پھیلانا پڑے گا۔

جہیز دینے کے لیے زکوۃ مانگنا

آج ہمارے معاشرے کے اندر زکوۃ جس طریقہ سے مدارس کے اندر لی جاتی ہے اسی طرح کتنے ہی لوگ اپنی بیٹیوں کا نکاح کرنے کے لیے، رشتہ اور شادی کرنے کے لیے زکوۃ مانگتے پھرتے ہیں۔ یہ کیوں مانگتے ہیں؟ اس لیے مانگتے ہیں کہ ان کو جہیز اتنا دینا ہوتا ہے جتنا کہ (۱،۰۰،۰۰۰) ایک لاکھ روپے آمدنی والا دے رہا ہے، اپنے ذہن میں جہیز کا ایک معیار مقرر کرلیا ہے، اب امیر و غریب سب اس کے پابند ہوگئے ہیں۔

پھر اس میں بھی مقابلہ جاری ہے، خلاصہ یہ ہے کہ غریب آدمی یا تو اپنی بیٹی کی شادی نہیں کرسکتا، اور اگر کرے تو اس کے لیے وہ سمجھتا ہے کہ میں جب تک اس معیار کے مطابق جہیز کی تمام شرائط پوری نہیں کروں گا، میری بیٹی کی شادی نہیں ہوسکتی، ورنہ تو لوگ مجھے برا بھلا کہیں گے، ملامت کریں گے، لعن

طعن کریں گے، میری ناک کٹ جائے گی۔ تو اپنی ناک کے پیچھے، فخر کے طور پر، نمود ونمائش کے لیے، دکھاوے کے لیے، معاشرہ کا پیٹ بھرنے کے لیے وہ بھی اس معیار کے مطابق شادی کرتا ہے اور جہیز دیتا ہے اور پھر اس کے لیے بھیک مانگتا ہے، اللہ بچائے۔ اللہ بچائے، پہلی بات جو ہمارے واسطے ہدایت اور تعلیم ہے وہ یہ ہے کہ نکاح کے اندر اگر جہیز دینا ہے تو اپنی حیثیت کے مطابق دیں۔

ضرورت کی چیز دیں

دوسری بات جو معلوم ہوئی ہے وہ یہ کہ ایسی چیزیں دیں جس کی اس کو وہاں ضرورت ہو یعنی جہیز میں وہ چیزیں دیں جو ضرورت کی ہوں، مثلاً پلنگ کی ضرورت ہے، تکیہ کی ضرورت ہے، گدے کی ضرورت ہے، پیالہ کی ضرورت ہے، چادر کی ضرورت ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے بھی ضرورت کی چیزیں دیں، سجانے کے لیے کوئی چیز نہیں دی۔

جہیز کی لعنت

آج ہمارے معاشرے کے اندر جہیز ایک لعنت کی صورت اختیار کرچکا ہے، اور اب تو اللہ بچائے لڑکے والے خود فہرست پیش کرتے ہیں اور درخواست کرتے ہیں کہ جہیز کے اندر فلاں فلاں چیز دینا ضروری ہے، جب تو رشتہ منظور ہے ورنہ ہمیں منظور نہیں۔

یہ شادی تو نہ ہوئی، دکانداری ہوگئی، سودے بازی ہوگئی گویا عورت اصل مقصود نہیں، جہیز اصل مقصود ہے۔ لڑکے والوں کا جہیز سے کیا تعلق، جہیز تو

باپ اپنی بیٹی کو دینا چاہتا ہے، وہ اپنی حیثیت کے مطابق کم دے یا زیادہ دے، لڑکے والوں کو اس سے کوئی غرض ہی نہیں ہونی چاہئے۔

لیکن اب الٹا معاملہ ہے کہ رشتہ بعد میں ہوتا ہے، پہلے یہ پوچھا جاتا ہے کہ آپ جہیز میں کیا دیں گے؟ بلکہ لڑکے والے باقاعدہ شرطیں لگاتے ہیں کہ فلاں فلاں چیز بھی دینی ہوگی، یہاں تک کہ یہ باتیں سننے میں آتی ہیں، اللہ بچائے، کار بھی دینی ہوگی، دکان اور بنگلہ بھی دینا ہوگا، یعنی کہ بالکل ہی انسان انسانیت سے نکل چکا ہے اور جانور سے بدتر ہوگیا ہے، جانور بھی اس سے بہتر ہے، اس معاملہ میں نہ حیاء رہی، نہ شرم رہی نہ غیرت رہی، اور نہ کسی چیز کا پاس رہا، معلوم ہوتا ہے کہ بالکل ہی دنیا کے پجاری بن گئے ہیں۔

جہیز کیلئے سودی قرض لینا

جہاں تک معلوم ہے بعض لوگ سودی قرض لے کر جہیز دیتے ہیں، زکوٰۃ مانگ مانگ کر دینے کا تو عام رواج ہوگیا ہے کہ جو معیار ہمارے معاشرے نے ایجاد کیا ہے، اس سے اگر اس کی مالی حیثیت کم ہے فوراً زکوٰۃ مانگنے کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے، عزیزوں اور رشتہ داروں سے رجوع کیا جاتا ہے کہ جناب ہماری بچی کی شادی ہو رہی ہے اور ہمارے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں کہ ہزار افراد کی دعوت کرسکیں، اور پانچ یا دس لاکھ کا جہیز دے سکیں، اور جب زکوٰۃ نہ ملی تو دکان بیچ دی، مکان بیچ دیا، سودی قرض لے لیا اور پورے گھر میں جھاڑو پھیر دی۔

پھر جب لڑکی شادی کے بعد اپنے سسرال آتی ہے تو اس پر لعنتوں کی

بارش ہوتی ہے اور شادی خانہ آبادی نہیں بلکہ شادی خانہ بربادی ہوتی ہے، جب چاہیں جہاں چاہیں یہ حال دیکھ لیں، اس لڑکی کی زندگی اپنے ماں باپ کے گھر لاکھ درجہ بہتر تھی کہ اس نے اپنے گھر سے جا کر یہ دن دیکھے۔

اس کی کئی وجوہات ہیں، اوّل تو جب آپ سودی قرض لے کر جہیز دیں گے تو وہ کیسے راس آئے گا؟ نمائش کے لیے جب آپ جہیز دیں گے تو اس میں کیا خیر و برکت آئے گی؟ اور جب لڑکے والے لڑکی والوں سے شرطیں لگا لگا کر جہیز لیں گے تو اس سے کیا راحت آئے گی؟ لیکن آج کل ہمارے معاشرے میں یہ باتیں عام ہو چکی ہیں جس کی وجہ سے بچیوں کے رشتے نہیں ہوتے، شادیاں نہیں ہوتیں، اور جو ہو جاتی ہیں ہفتے دو ہفتے، مہینے دو مہینے کے بعد طلاق تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور وہ شادی ناکامی کا شکار ہو جاتی ہے۔

لہٰذا جو کچھ دینا ہے اپنی حیثیت اور سنت کے مطابق دیں، اس سے کون منع کرتا ہے؟ شریعت نے جہیز کی جو حدود بتلائی ہیں ان کے مطابق دیں اور ضرورت کی چیزیں دیں۔

نمائش نہ کریں

تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ دکھاوے کے طور پر نہ دیں۔ ہمارے معاشرے میں عام طور پر جہیز دکھاوے کے لیے دیا جاتا ہے، اور پھر اس کی نمائش بھی زبردست ہوتی ہے، اگر کسی نے اپنی حیثیت کے مطابق ضرورت کے لیے دیا ہو تو پھر اس کے اندر نمائش نہیں ہوتی، لیکن باقاعدہ اس کو کمرہ کے اندر سجانا اور پھر لڑکے والوں کا آنا اور پھر ایک ایک چیز کو اٹھا کر دیکھنا، اس پر

تبصرہ کرنا، یہ نمائش نہیں تو اور کیا ہے، اور پھر اس کو دیکھتے ہی نجانے کتنی نظریں اس سے پار ہوتی ہیں، اور پھر وہ نظر لگا ہوا جہیز بہت ہی کم راس آتا ہے۔

یہ ساری مصیبتیں اس لیے ہیں کہ ہم نے شادی بیاہ کے اندر بہت بڑے بڑے گناہوں کو چھپایا ہوا ہے، اور ہمارے معاشرے میں یہ چیزیں رواج پا گئی ہیں۔ لیکن یاد رکھئے کہ جتنا کوئی گناہ رواج پاتا ہے، اتنا ہی وہ سنگین ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کا غضب اور اس کی ناراضگی اور زیادہ اس کے اندر بھر جاتی ہے، اللہ بچائے۔

نیوتہ یا سلامی کی رسم

زمانہ دراز سے ایک بڑی بدترین رسم شادی بیاہ میں چلی آرہی ہے، جس کو ہمارے علاقہ میں نیوتہ یا سلامی کی رسم کہتے ہیں اور سرحد اور کشمیر میں نندرہ کی رسم کہتے ہیں، یہ رسم آج بھی شادی بیاہ کے موقع پر ہوتی ہے، اور ہوتا یہ ہے کہ جس شخص نے شادی کے موقع پر دلہا یا دلہن والوں کی جتنی مدد کی ہے، اس کو باقاعدہ رجسٹر میں نام کے ساتھ لکھا جاتا ہے، جس میں شادی کی تاریخ پڑی ہوئی ہوتی ہے، اور دینے والے کا نام لکھا ہوا ہوتا ہے، اور سامنے اس کی رقم لکھی ہوتی ہے کہ فلاں ابن فلاں نے ہمارے خاندان کی فلاں بنت فلاں کی شادی پر اتنی رقم دی۔ اس کو آپ نے بھی دیکھا ہوگا۔ میں نے تو کئی جگہ دیکھا ہے کہ اس رقم کو لکھنے کے لیے شادی ہال کے باہر ایک آدمی ایک ٹیبل پر باقاعدہ رجسٹر لیے بیٹھا ہوا ہوتا ہے، اس کو دیکھ کر مجھے یاد آیا کہ یہ اتنی پرانی رسم

آج بھی موجود ہے، یہاں آدمی کو کچھ نہ کچھ تو الف، ب آتی ہے، کچھ تو پڑھے لکھے ہیں۔

پڑھے لکھے جاہل

جس کے بیٹے یا بیٹی کی شادی ہے وہ شادی ہال کے باہر رجسٹر کھول کر بیٹھ جاتا ہے، اور جب کوئی شخص آکر اس کو رقم دیتا ہے تو وہ رجسٹر میں اس کا کھاتا دیکھتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ میں نے آپ کو اتنی رقم دی تھی اور آپ اتنی دے رہے ہیں، کم دے دو تو راضی ہی نہیں ہیں، مثلاً اگر آپ نے اس کو پچاس روپے دیے، اس نے آپ کو سو روپے دیے تھے تو پچاس دیے، اس نے آپ کو سو روپے دیے تھے تو پچاس روپے تو لینا ممکن ہی نہیں، آپ تو اندر جا نہیں سکتے، گیٹ پر کھڑے رہیں، یا تو سو روپے پر ۱۱۰ یا ۱۲۰ یا ۵۰۰ روپے تک دو تو ٹھیک ہے، فائدہ ہوگیا، ۱۰۰ روپے دیئے تھے اور ۱۲۰ روپے مل رہے ہیں، شکریہ، تشریف لے جائیے، مفت میں تھوڑی کھانا کھانا ہے۔ تو رجسٹر دیکھا جاتا ہے کہ ہم نے اتنے دیے تھے، آپ کتنے دے رہے ہیں، برابر سرابر میں بھی وہ غصہ کے ساتھ رکھ لے گا، لیکن اگر آپ نے دس بیس کم دے دیے تو پھر آپ کی خیر نہیں، ناراض ہوگا، خفا ہوگا، قطع تعلق ہوگا، بول چال بند ہو جائے گی، سلام و دعا ختم ہو جائے گی۔ اس طریقہ سے ہر ایک اپنا حساب دیکھتا ہے اور اپنا کھاتا کھول کر بیٹھ جاتا ہے۔

سودی معاملہ

علماء کرام نے فرمایا کہ یہ سودی معاملہ ہے، اس لیے کہ اگر یہ ہدیہ ہوتا

تو ہدیہ میں واپسی کا کوئی سوال ہی نہ ہوتا، یہ تو قرض لیا تھا تو قرض واپس کیا جاتا ہے، اس میں برابر سرابر ہو تو آدمی کو کچھ گناہ نہیں ہوتا، سو دیے تھے تو سو لے گا، دو سو دیے تھے تو دو سو لے گا، اور کم پر اس لیے راضی نہیں ہوتا کہ سو دیے ہیں اس کم پر کیسے راضی ہو جائے؟ ہاں زیادہ ملے پھر وہ نفع ہے۔

اور شرعی لحاظ سے سو کے بدلے سو لینا تو ٹھیک ہے اور وہ بھی اس وقت جب واقعی ضرورت ہو، یہاں کیا ضرورت ہے؟ قرض تو ضرورت کے موقع پر لیا دیا جاتا ہے اور وہ بھی قرض حسنہ، یعنی جتنا دیا ہے اتنا ہی واپس لینا ہے نہ کم نہ زیادہ، لیکن یہاں تو سرے سے کوئی ضرورت ہے ہی نہیں، بلا ضرورت یہ لیا دیا جا رہا ہے، اور شریعت میں بلا ضرورت قرض لینا یا بلا ضرورت قرض مانگنا یہ بھی اچھا نہیں۔

پہلے کسی زمانے میں اس کی ضرورت ہوتی ہوگی جب غربت کا زمانہ تھا، لیکن آج تو الحمدللہ جہاں یہ کام ہوتے ہیں وہاں اس کی عام ضرورت بالکل نہیں ہوتی، لیکن بالفرض اگر ضرورت کے موقع پر قرض لے بھی لے تو جتنا دیا ہے اتنا ہی واپس لے سکتا ہے۔

مگر یہاں تو ارادہ پہلے ہی سے یہ ہوتا ہے کہ جتنا دیا ہے اس سے زیادہ واپس لینا ہے، یہ تصور پہلے ہی سے ہوتا ہے اور اس بات کی پہلے ہی سے کوشش ہوتی ہے، اس لیے برابر سرابر لینے پر وہ خوش نہیں ہوتا، اتنا تو ہم نے بھی دیا تھا، تم نے دے دیا تو کون سا کمال کر دیا؟ اور کم پر لڑنے مرنے کے لیے تیار ہیں، اس کے اندر نا اتفاقی ہو جاتی ہے، اور لعن و تشنیع تو لازمی ہے۔ تو جتنا دیا تھا اس سے زیادہ جو لیا جا رہا ہے یہ سود ہے، اس لیے کہ ہر وہ قرض جس کے اوپر ذرا سا

بھی نفع لیا جائے، وہ سود ہے۔

سود کا گناہ

اور سود کتنا سنگین گناہ ہے۔ تین حدیثوں کے اندر تین الفاظ آئے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ سود میں ستر ۷۰ گناہ ہیں۔ (ابن ماجہ، ص ۱۶۴) دوسری حدیث میں ہے کہ سود کے اندر بہتر ۷۲ خرابیاں ہیں، (کنز العمال، ج ۴، ص ۱۰۵) تیسری روایت میں یہ ہے کہ سود کے اندر تہتر ۷۳ وبال ہیں۔ (ابن ماجہ، ص ۱۶۴)

سود کا کم از کم گناہ

اور کم سے کم اس کا گناہ ایسا ہے جیسے کوئی اپنی ماں کے ساتھ زنا کرے۔ (ابن ماجہ، ص ۱۶۴) ایک اور حدیث میں سود کا ایک درہم ۳۳ مرتبہ (کنز العمال، ج ۴، ص ۱۰۶) اور ایک حدیث میں ۳۶ مرتبہ زنا کرنے سے زیادہ برابر ہے۔ (کنز العمال، ج ۴، ص ۱۰۶)

اور اس کا عذاب جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ ایک مرتبہ خواب میں اور ایک مرتبہ شب معراج میں دیکھا ہے، خواب کے اندر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دو آدمی آئے اور مجھے لے کر چلے، راستے میں ایک نہر پر سے گزر ہوا، دیکھا کہ وہ خون کی نہر ہے اور وہ خون سے بھری ہوئی ہے اور اس کے بیچ میں ایک آدمی کھڑا ہوا ہے اور کنارے پر بھی ایک آدمی کھڑا ہوا ہے اور اس کے پاس بہت سارے بڑے بڑے پتھر ہیں، جب نہر کے درمیان کا آدمی باہر نکلنے کی کوشش

کرتا ہے اور کنارے کی طرف آتا ہے تو وہ باہر کھڑا ہوا آدمی اس کے سر پر اس زور سے پتھر مارتا ہے کہ وہ قلابازی کھاتا ہوا پھر نہر کے بیچوں بیچ پہنچ جاتا ہے اور پھر وہیں ٹھہر جاتا ہے، وہ پھر دوبارہ نہر سے نکلنے کی کوشش کرتا ہے، تو یہ پھر اس کے سر پر پتھر مارتا ہے۔

تو جو دو آدمی مجھے لے کر آئے تھے میں نے ان سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ یہ کون آدمی ہے جو خون کی نہر میں کھڑا ہوا ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا سود خور ہے، یہ سود کھانے والا آدمی ہے جو خون کی نہر میں کھڑا ہوا ہے اور یہ فرشتہ ہے جو اس کو عذاب دینے پر مقرر ہے۔ (مشکوۃ، ص ۳۹۶)

سود خور کے لیے ایک اور عذاب

اور شب معراج میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم آسمانوں کے اوپر تشریف لے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقام پر دیکھا کہ بجلی بڑی کڑک رہی ہے اور چمک رہی ہے، اور بڑی ہولناک اور کڑکنے کی آواز آرہی ہے، اور ساتھ یہ دیکھا کہ کچھ لوگ ہیں جن کے پیٹ مکانوں کے برابر ہیں، اللہ بچائے، اللہ بچائے، اتنے بڑے بڑے پیٹ جیسے ایک گھر ہوتا ہے، اور ان کے پیٹ کی کھال اتنی باریک ہے کہ اندر کی چیزیں باہر سے نظر آرہی ہیں اور ان کے پیٹ میں سانپ بچھو بھرے ہوئے ہیں، صبح و شام ان کو دوزخ کے سامنے لے جایا جاتا ہے اور آل فرعون ان کو روندتے ہوئے گزرتے ہیں۔ اس سے آپ خود ہی اندازہ لگالیں کہ روندنے سے انکی کیا حالت ہوتی ہوگی۔ اس کے نتیجے میں وہ اللہ تعالیٰ

سے پناہ مانگتے ہیں کہ یا اللہ قیامت برپا نہ فرما، قیامت برپا نہ فرما، جب یہیں ہمارے لیے اتنی بڑی قیامت ہے تو آگے نہ جانے ہمارے لیے کتنا عذاب و وبال ہوگا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معلوم کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو بتایا گیا کہ یہ لوگ سود کھانے والے ہیں، جو لوگ دنیا میں سود کھاتے ہیں ان کا یہ حال اور عذاب ہے۔

سود کی حرمت قرآن و حدیث سے

چنانچہ سود کا یہ لین دین معمولی گناہ نہیں ہے۔ بہت ہی خوفناک اور بہت ہی خطرناک، بڑا ہی سنگین اور بڑا ہی حرام کام ہے، جس کا حرام ہونا قرآن کریم سے ثابت ہے اور ایک نہیں دس آیتوں سے ثابت ہے، اور چالیس سے زیادہ احادیث اس کے حرام ہونے پر موجود ہیں، اور پوری امت اس کے حرام اور ناجائز ہونے پر متفق ہے، لہٰذا اب چاہے ساری دنیا حلال کہے، ان کے کہنے سے کیا ہوتا ہے، جو کچھ بھی ہوتا ہے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے سے ہوتا ہے۔ جب انہوں نے اس کو حرام کر دیا تو قیامت تک حرام ہے، چاہے ساری دنیا کھائے پیئے۔ بہر حال! نہایت سنگین اور خطرناک گناہ ہے۔

آج کل کی دینداری

ہمارے ایک استاد فرمایا کرتے تھے کہ آج کل دینداری گھٹتے گھٹتے ٹوپی تک رہ گئی ہے، بس ٹوپی سر پر رکھ لی، کرتا پہن لیا، ٹخنوں سے اوپر شلوار کرلی، بس اس کا نام ہے دینداری، یہ ہیں دیندار صاحب، چاہے سود لیں چاہے سود

دیں، چاہے رشوت لیں یا رشوت دیں، اب چاہے وہ کچھ بھی کرتے رہیں ان کی دینداری پر کوئی فرق نہیں آتا۔

حرام کے ایک لقمہ کا گناہ

یادرکھئے! حرام کا ایک لقمہ بھی اگر ہمارے حلق سے اتر جائے تو چالیس دن تک نہ فرض قبول ہوتے ہیں نہ نفل قبول ہوتے ہیں اور نہ دعا قبول ہوتی ہے، حرام خوری کے اندر اتنا عذاب اور وبال ہے۔ سود کا معاملہ ایسا خطرناک معاملہ ہے کہ اس سے ایسا عذاب اور وبال آتا ہے۔

چند سودی معاملات

آج بھی کتنے مسلمان ہیں جن کے بینکوں کے اندر پیسے رکھے ہوئے ہیں، سیونگ اکاؤنٹ انہوں نے کھولے ہوئے ہیں، فکس ڈپازٹ ان کے موجود ہیں، ڈیفنس سیونگ سرٹیفکیٹ لے رکھے ہیں، انعامی بانڈ حاصل کر رکھے ہیں، یہ سب سودی معاملے ہیں، یہ سب سود کے دائرے میں آتے ہیں، نیوتہ اور نندرہ کی رسم بھی سود پر مشتمل ہے۔

اس لیے اس گناہ سے فوری طور پر بچنے کی اور توبہ کرنے ضرورت ہے، اگر کسی نے یہ قرض دے رکھا ہے تو جتنا دیا تھا اتنا ہی لے لیں بس، یا پھر اللہ کے لیے معاف کردیں اور ساتھ میں اس معاملے کے کرنے کا جو گناہ گردن پر چڑھا ہوا ہے اس سے بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سچی توبہ کریں اور عہد کرلیں کہ آئندہ سے یہ رسم نہیں ہوگی۔

اجتماعی گناہ سے بچنے کا طریقہ

میں یہ بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جو اجتماعی گناہ ہماری شادی بیاہ کے اندر ہوتے ہیں، ان سے بچنے کا راستہ بھی یہی ہے کہ اجتماعی طور پر ان کو ختم کیا جائے، برادری کے بڑے بڑے لوگ بیٹھیں اور بیٹھ کر ان گناہوں کی لسٹ بنائیں، نہ سمجھ میں آئے تو ہم سے آکر مشورہ کریں، اور پھر بیٹھ کر فیصلہ کردیں کہ آج کے بعد سے ہماری برادری اور خاندان کے اندر یہ گناہ نہیں ہوں گے، ان کے بغیر شادی ہوگی، اور اگر کوئی شادی کے اندر یہ گناہ کرے گا تو ہم شامل نہیں ہوں گے۔ دیکھئے! کتنی جلدی اصلاح ہوتی ہے، اتنی جلدی اصلاح ہوگی کہ اتنی جلدی اصلاح کسی چیز سے نہیں ہوسکتی، مگر ہم چاہیں تو سہی، علاج تو موجود ہے، دین تو بالکل آسان ہے، ہم نے اس کو مشکل بنا رکھا ہے، مشکل بنانے کی ذمہ داری ہمارے اوپر ہے، دین تو کچھ مشکل نہیں، آج ہی خاندان والے فیصلہ کرلیں تو دوسرے دن ہی رسم مٹ جائے گی، گناہ ختم ہوجائے گا۔

ہماری ذمہ داری

لیکن اگر کسی کی برادری کسی کی قوم ان ناجائز رسموں اور کاموں کو ختم نہیں کرتی تو ہم اس کے ٹھیکہ دار اور ذمہ دار نہیں ہیں، بلکہ گناہ سے بچنے کے ہم خود الگ الگ ذمہ دار ہیں، ہم میں سے ہر آدمی از خود گناہ سے بچنے کا ذمہ دار ہے، لہٰذا جہاں یہ گناہ ہوں وہاں نہ جائیں، جانے کے بعد پتہ چلے تو وہاں سے واپس آجائیں یہ گناہ اور نہ ایسی محفلوں میں جاکر شرکت کریں، اور اصل ذمہ داری یہی ہے کہ ہم میں سے ہر آدمی اس گناہ سے بچے۔ ان رسموں کے اندر اور

بھی بہت ساری قباحتیں اور خرابیاں ہیں، سود کی خرابی انکا صرف ایک پہلو تھا۔

دار العلوم کراچی کا مفصل و مدلل فتویٰ

جامعہ دار العلوم کراچی کے دار الافتاء سے اس کے بارے میں مفصل اور مدلل فتویٰ جاری ہوا ہے، اگر کسی کو ضرورت ہو تو وہاں سے لے سکتا ہے، تا کہ اسے اچھی طرح پڑھے اور سمجھے، تاہم اس میں جو بنیادی خرابی ہے وہ میں نے آپ کے سامنے عرض کر دی۔

نمازیں قضاء ہونا

ایک گناہ یہ ہوتا ہے شادی بیاہ کے موقع پر کہ دلہا اور دلہن کی کتنی ساری نمازیں قضاء ہوتی ہیں، منگنی کے اندر مردوں اور عورتوں کی کتنی نمازیں قضاء ہوتی ہیں، نکاح کی محفل میں کتنی نمازیں قضاء ہوتی ہیں، پھر لڑکی کی دعوت میں کتنی نمازیں قضاء اور برباد ہوتی ہیں، اور آگے ولیمہ کے اندر اور پھر ولیمہ کے بعد۔

بلا عذر ایک نماز قضاء کرنے کا گناہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ نے فضائل نماز میں ایک حدیث کی روشنی میں لکھا ہے کہ جس آدمی نے جان بوجھ کر بلا عذر شرعی ایک نماز بھی قضاء کر دی، اب چاہے اس نے اس کی قضاء بھی پڑھ لی، تب بھی اس کو جہنم میں ایک حقب جلایا جائے گا اور ایک حقب کا حساب حضرت نے دو کروڑ اٹھاسی لاکھ سال بتلایا ہے، اللہ بچائے۔

اور جہاں دلہا دلہن سے لے کر اوّل تا آخر شریک ہونے والوں کی

سینکڑوں نمازیں قضاء ہو رہی ہوں، اندازہ لگایئے کہ کیا وہ شادی ہے یا تباہی ہے؟ یہ سب کچھ صرف اس وجہ سے ہے کہ ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ چھوڑ دیا اور جس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ چھوڑ دیا تو پھر دوسرا راستہ گمراہی ہو سکتا ہے، اور گمراہی کے اندر پھر اسی طرح کی خرابی ہوتی ہے اور اسی طریقے کے اس میں گناہ ہوتے ہیں اور پھر ایسے ہی گناہوں کا اس کے اندر عذاب و وبال ہوتا ہے۔

لعنت کے دو کام

اور دو کام بڑے لعنت کے ہوتے ہیں، اللہ بچائے، وہ عورتوں کے ساتھ ہوتے ہیں، دونوں کام تقریباً عام ہیں، اور جس زمانے میں ہم ہیں اس میں تقریباً سارے گناہ ہی عام ہیں، کوئی نہ بھی چاہے تو دوسرے کروا دیتے ہیں۔

ایک گناہ بھنویں بنانے کا ہے۔ شاید ہی کوئی گھر خالی ہوگا جس کے اندر خاتون اپنی بھنویں نہ تراشتی ہوں اور ان کو باریک نہ بناتی ہوں۔

دوسرا گناہ یہ ہے کہ اگر عورت کے بال کم ہو جائیں، گر جائیں، جھڑ جائیں، تو ان کے ساتھ دوسرے بال لگائے جاتے ہیں۔

یاد رکھئے! بھنویں اگر منڈوا کر ان کو باریک کیا جائے، یا بال نوچ نوچ کر انہیں باریک کیا جائے، یہ بھی گناہ ہے، حدیث میں اس کے اوپر لعنت آئی ہے۔

اور ایسے ہی جس کے بال کم ہوں اور وہ دوسری عورت کے بال اپنے بالوں میں ملا کر یہ ظاہر کرے کہ اس کے سر کے بال بہت گھنے ہیں اور بہت ہی

زیادہ ہیں، بہت موٹی چٹیاں ہے، حالانکہ بہت پتلی چٹیاں ہے، تو یہ دھوکہ ہے اور حدیث (بخاری، ج ۲، ص ۸۷۹) میں اس پر بھی لعنت ہے اور یہ بھی ناجائز اور گناہ کی بات ہے۔ آج کل یہ ایسا منحوس فیشن ہے کہ دلہن کی بھنویں بنانا تو لازمی سمجھا جاتا ہے، اور جتنی عورتیں اس کی شادی میں شریک ہیں ۹۵ فیصد ان کی بھی بھنویں بنی ہوئی ہوں گی، یہ ایک گناہ ہوا۔

بالوں کے بارے میں گنجائش

البتہ بالوں کا مسئلہ یہ ہے کہ جس عورت کے بال کم ہوتے ہیں بس وہی اس گناہ میں عموماً مبتلاء ہوتی ہے۔

لیکن اس میں ایک گنجائش بھی یاد رکھنی چاہئے، جس عورت کے سر پر بال کم ہوں، یا بالکل ہی نہ ہوں یا بہت کم ہوں تو وہ مصنوعی بال لگا سکتی ہے، مصنوعی بال پلاسٹک کے بنے ہوئے ہوتے ہیں، دور سے پتہ چل جاتا ہے کہ یہ مصنوعی ہیں۔ اسی طرح انسانی بال کے علاوہ کسی اور حیوان کے بال ہوں، وہ بھی مصنوعی بال کے ضمن میں ہیں، تو مصنوعی بال اگر کوئی لگائے تو اس کی گنجائش ہے، وہ گناہ نہیں۔

حدیث کا مصداق

حدیث میں جس پر لعنت آئی ہے اس کا مصداق مصنوعی بال نہیں ہیں، اسی طرح انسان کے علاوہ دیگر حیوان کے بال بھی اس کے مصداق نہیں ہیں، بلکہ حدیث میں جس پر لعنت آئی ہے اس سے مراد کسی دوسری عورت کے یا کسی دوسرے انسان کے سر کے بال لے کر عورت کسی بھی طریقہ سے اپنے بالوں

میں ملائے، اور اپنی چٹیا کو موٹا کر کے دکھائے، یہ حدیث کا مصداق ہے، اس پر لعنت ہے اور گناہ ہے اور ناجائز ہے جس سے بچنا ضروری ہے۔

لیکن بھنویں باریک کرنے کا جو آج کل فیشن ہے، یہ بالکل ناجائز ہے جس سے بچنا ضروری ہے، شادی کے موقع پر بھی شادی کے علاوہ بھی، مگر اب یہ عام فیشن بن گیا ہے، آج کل اس سے بچنے کی بڑی سخت ضرورت ہے۔

یہ دو گناہ ہمارے ہاں شادی کے موقع پر خاص طور سے ہوتے ہیں۔

عورتوں کا پٹھے بال رکھنا

ایک گناہ یہ بھی ہوتا ہے کہ عورتیں اپنے سر کے بال چٹیا کی شکل میں نہیں رکھتیں بلکہ پٹھے بال کروالیتی ہیں، اور یہ بھی آج کل کا فیشن ہے کہ عورتیں اپنے بالوں کو کٹوا کر کتروا کر چھوٹے کر لیتی ہیں اور پھر وہ ایسی لگتی ہیں جیسے مرد ہوتے ہیں، یہ بھی ناجائز ہے۔

کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ لعنت ہے ان مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت اختیار کریں اور لعنت ان عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت اختیار کریں۔
(بخاری، ج ۲، ص ۸۷۴)

دین کا مطالبہ

ہمارا دین ہر وقت ہم سے مطالبہ کرتا ہے کہ اے مسلمانو! تم اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔ ہم پورے پورے داخل نہیں ہیں، لہٰذا ہم پورے پورے داخل ہو جائیں اور پورے پورے دین پر چلنے والے ہو جائیں، تاکہ اس کے نتیجے میں دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رضا ہمیں نصیب ہو جائے،

صلاح اور فلاح ہم کو نصیب ہو اور ہماری زندگی، دنیا میں بھی حیاتِ طیبہ کی مصداق بن جائے اور مرنے کے بعد ہمارے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا معاملہ ہو، عذابِ قبر سے بھی محفوظ رہیں، اور قیامت کے دن کی ہولناکی سے بھی ہماری حفاظت ہو، اور بغیر حساب وکتاب کے محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے جنت میں داخل ہوں، اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس مقصد میں ہمیں کامیابی عطا فرمائیں۔آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ○

مختلف فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ناشر: میمن اسلامک بکس

دکان نمبر ۲۹، نایاب جامع مسجد لیاقت آباد ڈاک خانہ، کراچی ۱۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ

رَبِّ الْعَالَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ

اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ

صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مختلف فتاویٰ

بچوں کی پٹائی کا شرعی حکم

استفتاء

کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ کے بارے میں علماء دین شرع متین کہ آج کل بعض مدارس عربیہ میں قرآن کریم کے حفظ و ناظرہ کے درجہ کے اساتذہ کرام بچوں کو سبق کچا یاد ہونے پر یا بالکل یاد نہ ہونے پر اس قدر مارتے ہیں کہ بچے کے جسم پر بہت واضح قسم کے لال یا نیلے نشان پڑتے ہیں اور جسم پر سوجن آجاتی ہے یا زخم آجاتے ہیں اور معصوم بچے اس مار پیٹ کی وجہ سے بہت زیادہ خوفزدہ ہو جاتے ہیں، مدرسہ جانے کے نام سے چڑ جاتے ہیں اور بہت روتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قاری صاحب بہت مارتے ہیں اور بعض بچے مدرسہ چھوڑ دینے کا مطالبہ کرتے ہیں اور لارڈ میکالے کی تعلیم (یعنی اسکول کی تعلیم) کے لئے ضد کرتے ہیں۔ اس بارے میں درج ذیل سوالوں کے جوابات درکار ہیں۔

① کیا اساتذہ کرام کو ہماری شریعت مطہرہ نے یہ اجازت دی ہے کہ وہ بچوں کو جو کہ علم دین شوق سے سیکھنے آتے ہیں، ان کو سبق کچا یاد ہونے یا یاد نہ ہونے پر اس قدر ماریں کہ وہ علم دین سیکھنے کو خیر باد کہہ دیں۔

② اساتذہ کرام بچوں کے منہ پر بھی تھپڑ مارتے ہیں جو کہ حدیث نبوی

صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی خلاف ہے، اگر بچہ اس علم دین سیکھنے کو چھوڑ کر انگریزی کی تعلیم کی طرف چلا گیا تو اس کا ذمہ دار کون ہوگا؟ بچہ یا اساتذۂ کرام جن کی مار پٹائی کی وجہ سے وہ بچہ دینی تعلیم سے محروم ہوگیا اور اہل مدارس سے نفرت کرنے لگا۔

③ کیا جو اساتذۂ کرام بچوں کو سخت مار مارتے ہیں، ان کی اللہ پاک پکڑ فرمائے گا یا معاف کردے گا؟ کیونکہ بعض اساتذۂ کرام مارنے کے بعد یہ کہتے ہیں کہ گھر پر نہیں بتانا اور بات کو یعنی پٹائی کو بھول جاؤ، انتظامیہ کو پتہ نہ چلے، اس طرح اگر بچہ معاف کردے تو کیا بچے کی اس زبردستی معافی کا اعتبار ہے یا نہیں جبکہ بچہ معصوم ہو۔

④ اگر انتظامیہ کو شکایت کی جاتی ہے تو بعض مرتبہ انتظامیہ یہ جواب دیتی ہے کہ استاد کو حق ہے مارنے کا، اور اگر آپ کو اعتراض ہے تو اپنے بچے کو مدرسہ سے اٹھالیں، کہیں اور داخل کردیں۔ کیا ایسا جواب دینا درست ہے؟ حالانکہ وہ مدرسہ اہل خیر حضرات اور اہل محلہ کے چندے سے چل رہا ہو، جبکہ پاس کوئی دوسرا مدرسہ بھی نہ ہو، اس طرح بچے کا علمِ دین سے دور ہونے کا گناہ انتظامیہ پر ہوگا یا نہیں؟

⑤ بعض قاری حضرات یہ بات بھی کہتے ہیں کہ بچے کے جسم کے جس جگہ پر علم دین سیکھنے کے لئے پٹائی لگے گی، جسم کے اس حصے کو جہنم نہیں جلائے گی، کیا یہ بات صحیح ہے؟ اور استاد سے اس بارے میں کوئی پوچھ نہیں ہوگی؟

⑥ والدین کا شوق تھا بچے کو علمِ دین سکھانے کا مگر بچہ اس طرح مارپٹائی

کی وجہ سے علم دین سیکھنے سے محروم ہو گیا تو کیا والدین کو اس شوق اور کوشش پر اجر ملے گا یا نہیں؟

لہٰذا آپ سے گزارش ہے کہ ان سوالات کے جوابات شریعت مطہرہ کی روشنی میں دے کر مشکور فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً

اس کا اصولی جواب یہ ہے کہ استاد کو چاہئے کہ وہ حفظ و ناظرہ کے بچوں کو شفقت و نرمی سے پڑھائے، بے جا سختی، ڈانٹ ڈپٹ اور مار پیٹ سے کام نہ لے، بلکہ اپنے رعب سے کام چلائے، اس کے باوجود اگر کوئی طالب علم سبق یاد نہیں کرتا اور وقت ضائع کرتا ہے تو اس طالب علم کی اصلاح کی غرض سے اس کی مصلحت کو مدنظر رکھتے ہوئے استاد اس کی صرف کھلے ہاتھ سے ہلکی پٹائی کر سکتا ہے، استاد کا طالب علم کو ڈنڈے سے مارنا جائز نہیں، بلکہ ہاتھ سے بھی زیادہ سے زیادہ تین دفعہ اس کو ہلکی مار لگا سکتا ہے جس سے بدن پر نشان نہ پڑے، نیز چہرہ پر اس کو ہرگز نہ مارے اور جسم کے دیگر نازک حصوں پر بھی نہ مارے۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: إذا ضرب احدکم فلیتق الوجہ

(رواہ ابو داؤد، ص ۳۱۶)

فی البحر الرائق: ولو امر غیرہ بضرب عبدہ حل للمامور ضرب بخلاف الحر، قال رحمہ اللہ: فھذا تنصیص علی عدم جواز ضرب ولد الأمر بامرہ

بخلاف المعلم لان المامور يضربه نيابة عن الاب لمصلحته والمعلم يضرب بحكم الملك بتمليك ابيه لمصلحة الولد الخ. (۴۹/۵)

وفى الشامية: ولايجاوز الثلاث و كذلك المعلم ليس له ان يجاوزها. قال عليه الصلاة والسلام لمرداس معلم: اياك ان تضرب فوق الثلاث فانك اذا ضربت فوق الثلاث اقتص الله ملك الخ اسماعيل عن احكام الصغار للاستروشى وظاهره انه لايضرب بالعصافى غير الصلاة ايضا (۳۵۲/۱)

اب اختصار کے ساتھ سوالات کے جوابات ملاحظہ ہوں:

① اس قدر مارنا ہرگز جائز نہیں۔

② منہ پر مارنا جائز نہیں، اور اگر استاد کی بہیمانہ پٹائی سے کوئی بچہ بھاگ گیا اور قرآن کریم کی تعلیم ترک کردی تو اس کا گناہ استاد پر ہوگا۔

③ استاد کا بچہ کو سخت مار مارنا جائز نہیں، اس پر استاد کی پکڑ ہوگی، ایسی مار پر استاد کا اپنی مار کو انتظامیہ یا بچہ کے گھر والوں سے سے چھپانا اس گناہ سے بچنے کے لئے ہرگز کافی نہیں، اگر بچہ بالغ ہے تو اس سے معافی مانگے، اور اگر نابالغ ہے تو فی الحال اس کی معافی معتبر نہیں، ہاں بالغ ہونے کے بعد معاف کرسکتا ہے، اور اللہ تعالیٰ سے توبہ بھی

کرے، تب معافی ہوگی۔

④ انتظامیہ کا اس طرح کہنا جائز نہیں، بلکہ انتظامیہ پر واجب ہے کہ وہ اساتذہ کو خلافِ شرع طریقے پر بچوں کو مارنے سے منع کرے، اور اگر وہ منع نہیں کرتی بلکہ اساتذہ کے اس فعل کی تائید کرتی ہے، تو اس صورت میں اساتذہ کے خلافِ شرع طریقے پر مار لگانے کے گناہ میں انتظامیہ بھی شامل ہوگی۔

⑤ یہ محض غلط ہے۔

⑥ انشاء اللہ تعالیٰ ان کو اپنی محنت وکوشش کرنے کا ثواب ملے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسجد کے نیچے دکان، اسپتال وغیرہ بنانے کا حکم

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس سلسلہ میں کہ کسی جگہ نئی مسجد تعمیر کرنے کا ارادہ ہے اور منتظمین اس کے نیچے والے حصہ میں مختلف فلاحی اور رفاہی شعبے رکھنا چاہتے ہیں، مثلاً دینی تعلیم کی درسگاہ، لائبریری، اسپتال، یا مسجد کے نیچے مسجد کے لئے دکانیں اور گودام وغیرہ اور بالائی حصہ پر مسجد بنانا چاہتے ہیں، کیا شرعاً انتظامیہ کو بالائی حصہ میں مسجد اور نچلے حصہ میں مذکورہ چیزیں بنانا جائز ہے یا نہیں؟ برائے کرم مفصل اور مدلل جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

المستفتی

محمد یونس شہداد پوری

مقیم کھپرو شہر ضلع سانگھڑ سندھ

الجواب

مسجد بنانے کے بعد مسجد کے نیچے یا بالائی حصہ میں ذکر کردہ چیزوں میں کوئی چیز بنانا بالکل جائز نہیں ہے، البتہ مسجد بننے سے پہلے اگر انتظامیہ یہ نیت

کرے کہ مسجد کے نچلے حصہ میں مسجد کی دکانیں، گودام، یا رفاہ عامہ کی چیزیں جیسے مدرسہ، لائبریری یا اسپتال ہوگا، اور بالائی حصہ پر مسجد ہوگی تو بوقت ضرورت اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے بشرطیکہ مسجد کا یہ نچلا حصہ کسی شخص کی ذاتی ملکیت نہ ہو، پھر خواہ وہ نچلا حصہ مسجد یا مصالح مسجد کے لئے وقف ہو یا رفاہ عامہ پر وقف ہو، تاہم وقف ہو، کسی شخص کی ذاتی ملکیت نہ ہو۔

اس مسئلہ کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ مسجد اصل میں تحت الثریٰ سے آسمان تک ہوتی ہے البتہ ضرورت کے وقت مسجد بنانے سے پہلے مسجد کے نچلے حصہ کو یا مسجد کے بالائی حصے کو مسجد سے مستثنیٰ کرنے کی فقہاء کرام رحمہم اللہ نے اجازت دی ہے، لیکن اس کے لئے شرط یہ بیان فرمائی ہے کہ مسجد کے نچلے یا بالائی حصہ سے جو کہ مسجد سے مستثنیٰ کیا گیا ہے، کسی بندہ کا حق متعلق نہ رہنا چاہئے، حق العبد اس سے بالکل منقطع ہو جانا ضروری ہے، جس کی عبارات فقہاء میں دو مثالیں دی گئی ہیں، ایک یہ کہ وہ نچلا حصہ مسجد پر وقف ہو یا مسجد پر وقف نہ ہو لیکن مصالح مسجد پر وقف ہو، اور علامہ رافعی رحمہ اللہ نے مصالح مسجد کی تشریح فرماتے ہوئے اس کے حکم میں رفاہ عامہ کی چیزیں بھی داخل کی ہیں اور ان پر نچلے یا بالائی حصہ کے لئے وقف کرنے کو بھی صحیح قرار دیا ہے کیونکہ رفاہ عامہ کی چیزوں پر وقف کرنے سے بھی اس نچلے اور بالائی موقوف حصہ سے شخصی ملکیت اور حق العبد باقی نہیں رہتا اور یہی شرط تھی، لہٰذا ضرورت کے وقت مسجد بنانے سے پہلے مسجد کے نیچے یا اوپر والے حصہ میں لائبریری، مدرسہ اور اسپتال وغیرہ بنانے کی شرعاً گنجائش ہے۔

البتہ کسی حصہ ارض کو برائے مسجد وقف کرنے سے پہلے اس کے نچلے یا

بالائی حصہ کو مسجد سے مستثنیٰ کرنے کے بعد مستثنیٰ حصہ میں جو کچھ بنایا جائے، اس میں یہ بات ملحوظ رہے کہ جو رفاہی چیزیں بذاتِ خود احترام مسجد کے خلاف ہیں جیسے بیت الخلاء، پیشاب خانہ اور غسل خانہ وغیرہ تو انہیں مسجد کے اوپر یا نچلے حصہ میں مستقل طور پر نہ بنایا جائے ہاں ضمناً اور تبعاً بنانے میں مضائقہ نہیں ہے جیسے امام کا رہائشی مکان، یا مدرسہ، یا ہسپتال بنایا جائے، ان میں ضمناً یہ چیزیں بھی بن جائیں اور جو چیزیں بذات خود احترامِ مسجد کے منافی نہیں ہیں جیسے لائبریری، مدرسہ وغیرہ انہیں مستقلاً بنانا درست ہے۔

اس فتویٰ سے پہلے ہمارے یہاں سے بعض فتوے ایسے گئے ہیں جن میں مسجد کے نیچے یا اوپر مدرسہ، لائبریری یا کوئی رفاہی ادارہ بنانے کی کوئی گنجائش نہیں دی گئی تھی اور واضح طور پر ممانعت کا فتویٰ دیا گیا تھا، اب اس تحقیق کے بعد سابقہ فتویٰ سے رجوع کیا جاتا ہے۔

عباراتِ فقہاء ذیل میں ملاحظہ ہوں:۔

فی الدر المختار فی کتاب الوقف: واذا جعل تحته سردابا لمصالحه ای المسجد جاز کمسجد القدس ولو جعل لغیرها او جعل فوقه بیتاً وجعل باب المسجد الی طریق وعزله عن ماله لایکون مسجداً وفی الشامیة: ظاهره انّه لافرق بین ان یکون البیت للمسجد أولا إلاّ انّه یؤخذ من التعلیل انّ محلّ عدم کونه مسجداً فیها اذا لم یکن وقف

علی مصالح المسجد وبه صرح فی الاسعاف فقال واذا کان السرداب والعلو لمصالح المسجد أو کانا وقفا علیه صار مسجداً اھ شرنبلالیۃ قال فی البحر وحاصله ان شرط کونه مسجداً ان یکون سفله وعلوه مسجداً لینقطع حقّ العبد عنه لقوله تعالی وانّ المساجد لله بخلاف ما اذا کان السرداب او العلو موقوفاً لمصالح المسجد فهو کسرداب بیت المقدس هذا هو ظاهر الروایة و هناك روایات ضعیفة مذکورة فی الهدایة۔

(راجع: ردّ المختار، ج۳، ص ۳۷۰)

وفی فتح القدیر فی کتاب الوقف: بخلاف ما اذا کان السرداب او العلو موقوفا لصاحب المسجد فانه یجوز اذ لا ملك فیه لاحد بل هو من تتمیم مصالح المسجد فهو کسرداب مسجد بیت المقدس وهذا هو ظاهر المذاهب اھ

(راجع: فتح القدیر ج۵، ص ۶۳)

وفی الشامیة فی باب مکروهات الصلوة: تحت قول الدر المختار (لانه مسجد الی عنان السماء) بفتح العین و کذا الی تحت الثری کما فی البیری عن الاسبیجابی بصی لو جعل الواقف تحته

بیتاً للخلاء هل یجوز کما فی مسجد محلة الشعم فی دمشق لم اره صریحا نعم سیأتی متنا انه لوجعل تحته سر دابا لمصالحه جاز. تأمل اھ

(راجع: ردالمختار: ج۳،ص۴۲۱)

وفی التحریر المختار للرافعی ؒ (قول المصنف لمصالحه) لیس بقید بل الحکم کذالك اذا کان ینتفع به عامة المسلمین علی ما افاده فی غایة البیان حیث قال: اورد الفقیه ابو اللیث سوالا وجوابا فقال: فان قیل الیس مسجد بیت المقدس تحته مجتمع الماء والناس ینتفعون به قیل: اذا کان تحته شیء ینتفع به عامة المسلمین یجوز لأنه اذا ینتفع به عامتهم صار ذالك لله تعالی ایضا اھ. ومنه یعلم حکم کثیر من مساجد مصر التی تحتها صهادیج ونحوها۔

(راجع: التحریر الفتاوی للرافعی ؒ: ج۲،ص۸۰)

وفی امداد الفتاوی تحت جواب سوال نمبر ۲۹،

اصل مذہب تو یہی ہے کہ عنان سماء اور تحت الثری تک سب مسجد ہے لیکن ضرورت میں اصل مذہب سے عدول کیا گیا ہے گو اس عدول کی مختلف توجیہیں کر کے اصل مذہب پر منطبق کرنا چاہا ہے لیکن اقرب یہی ہے کہ انطباق مشکل ہے اور اصل توجیہ ضرورت ہے چنانچہ ہدایہ میں صاحبین ؒ سے

بغداد اور رے میں داخل ہونے کے وقت اجازت کی روایت اس کی شاہد ہے اور حاصل عبارت بحر کا یہ ہے کہ یہ جو فقہاء کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے کہ مسجد اس وقت مسجد ہوتی ہے کہ اس کا علو و سفل سب مسجد ہو، سو اس کلام سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ علو و سفل بھی مسجد ہی ہو بلکہ اس اشتراط سے اصل مقصود یہ ہے کہ اس سے حق عبد منقطع ہو جاوے خواہ مسجدیت کی وجہ سے یا وقف علی المسجد کی وجہ سے پس اشتراط مسجدیت تمثیلاً ہے اور اصل اشتراط انقطاع حق العبد ہے اور اگر تمثیلاً نہ ہو تعلیلاً ہے تو اشتراک علت سے کہ وہ انقطاع حق عبد ہے حکم معلول بھی عام ہوگا اور جہاں انقطاع نہ ہو وہ مسجد نہ ہوگی اور "لینقطع الخ" سے چونکہ اس عدم انقطاع کی صورت بھی مفہوم ہوتی تھی، اس اعتبار سے آگے بخلاف کہہ رہے ہیں اور یہ قول "لانه مسجد الی عنان المساء و کذا الی تحت الثریٰ" یہ اس صورت میں ہے جب پہلے سے اس کے نیچے ہے اب نہ بنایا ہو پس تبعاً سب مسجد ہو جاوے گی، اور جب اوّل ہی سے اس کے نیچے سرداب بنالیا ہو تو قصد سے وہ جزو مستثنیٰ ہو جاوے گا، "وللقصد ترجیح علی التبع" امید ہے کہ اس تقریر سے سب اجزاء سوال کا جواب ہو گیا ہوگا، اگر کچھ باقی ہے تو مکرر واضح عبارت سے پوچھ لیجئے"

(راجع: امداد الفتاویٰ : ج۶، ص ۵۹۵ تا ۵۹۷)

واللہ اعلم

بندہ عبدالرؤف سکھروی

(دارالافتاء دارالعلوم کراچی ۱۴)

۱۴-۱۱-۱۴۰۸ء

مرکزی رویت ہلال کمیٹی کے اعلان پر عمل کرنا چاہئے

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے صوبے میں رمضان اور عید کا مسئلہ ہر سال پیدا ہوتا ہے، جس کی وجہ سے یہاں کے لوگوں میں ان مواقع پر انتشار اور اختلاف پیدا ہو جاتا ہے، کیونکہ صوبائی کمیٹیاں چاند ہونے کا اعلان کر دیتی ہیں اور مرکزی کمیٹی چاند نہ ہونے کا اعلان کر دیتی ہے، اب بعض لوگ صوبائی کمیٹی کے اعلان کے مطابق عمل کرتے ہیں اور بعض لوگ مرکزی کمیٹی کے اعلان کے مطابق عمل کرتے ہیں، اور یہ دونوں فریق ایک دوسرے پر لعن طعن کرتے ہیں، جو لوگ صوبائی کمیٹی کے اعلان کے مطابق عمل کرتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ مرکزی کمیٹی ہماری شہادتیں یا تو لیتی نہیں، یا جلدی اجلاس ختم کرنے کی وجہ سے ان تک شہادتیں پہنچتی نہیں، اس لئے ہم مقامی اعلان کے مطابق عمل کریں گے۔ اس صورت حال میں شرعاً کیا کیا جائے؟

المستفتی:

عبداللہ مردان صوبہ سرحد

الجواب حامداً ومصلیاً

ہمارے ملک میں حکومت کی طرف سے مرکزی رویت ہلال کمیٹی قائم ہے، جس کی حیثیت قاضی کی ہے، لہٰذا اسی کمیٹی کے فیصلے کے مطابق عمل کرنا

چاہئے، اور علماء کرام کو بھی چاہئے کہ وہ عوام کو اسی کمیٹی کے اعلان کے مطابق عمل کرانے کی کوشش کریں، کیونکہ مرکزی رویت ہلال کمیٹی کو ولایتِ عامہ حاصل ہے، جس کی وجہ سے وہ شہادتوں کو وصول کرسکتی ہے جو عید اور بعض صورتوں میں رمضان کے لئے ضروری ہیں۔

نیز مرکزی رویت ہلال کمیٹی کے اعلان کے مطابق عمل کرنے سے امت فتنہ وانتشار سے بچ جاتی ہے، بخلاف مقامی کمیٹیوں کے کہ ان کمیٹیوں کے اعلانات کے مطابق عوام میں فتنہ و انتشار پیدا ہوتا ہے، قتل و قتال تک نوبت آجاتی ہے، لوگ دین اور اہل دین کے بارے میں شبہات کا شکار ہوجاتے ہیں اور سوءِ ظن میں مبتلا ہوجاتے ہیں جس کا مشاہدہ ہر سال رمضان اور عیدین کے موقع پر ان علاقوں میں ہوتا ہے جہاں یہ کمیٹیاں موجود ہیں۔

لیکن یاد رکھیں! کہ ''فیصلے'' سے مراد یہ ہے کہ مرکزی کمیٹی رمضان یا عید کا چاند نظر آنے کا اعلان کرے تو یہ فیصلہ ہے، اس کا حکم وہ ہے جو مذکور ہوا کہ اس فیصلے کے مطابق عمل کرنا تمام اہل پاکستان کے لئے ضروری ہے، اور صوبائی یا مقامی کمیٹیوں کے لئے اس کے خلاف کرنا جائز نہیں، لیکن اگر مرکزی کمیٹی چاند نظر نہ آنے کا اعلان کرے تو یہ فیصلہ نہیں، بلکہ محض عدم علم کا اعلان ہے، لہٰذا اگر صوبائی کمیٹی کے پاس شرعی شہادت پیش ہوئی اور کمیٹی کو شرعی اصول کی روشنی میں اطمینان ہوگیا تو کمیٹی یہ شہادت شرعی طریقہ سے مرکزی کمیٹی تک پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کرے، اور مرکزی کمیٹی تک پہنچائے بغیر از خود کوئی اعلان نہ کرے، تاہم اگر درج ذیل صورتحال ہو تو اس صورت میں مقامی کمیٹی کے اعلان کے مطابق متعلقہ لوگوں کے لئے عمل کرنا جائز ہے بلکہ واجب ہے،

کیونکہ اس صورت میں گویا کہ اس علاقہ کی نسبت سے حاکم کالعدم ہوگیا۔

الف: مقامی یا صوبائی کمیٹی نے مرکزی کمیٹی کو شہادت پہنچانے کی کوشش کی، لیکن کمیٹی کا اجلاس مثلاً برخاست ہوگیا تھا، جس کی وجہ سے مرکزی کمیٹی تک شہادت نہیں پہنچ سکی، یا کسی اور وجہ سے مرکزی کمیٹی تک شہادت پہنچانا ممکن نہ ہو۔

ب: مطلع ابر آلود ہونے کی صورت میں رمضان کا چاند کم سے کم ایک ثقہ آدمی نے دیکھا ہو، اور عید کا چاند کم سے کم دو ثقہ آدمیوں نے دیکھا ہو، اور اگر مطلع صاف ہو تو اس صورت میں رمضان اور عید دونوں کے لئے جمع غفیر کا دیکھنا ضروری ہے۔

اور اگر مرکزی کمیٹی نے کسی وجہ سے صوبائی حکومت کی شہادت کو مسترد کر دیا تو اس صورت میں صوبائی کمیٹی کے لئے اس شہادت پر فیصلہ کرنا درست نہیں، اور اگر فیصلہ کر لیا تو اس پر عمل کرنا جائز نہیں۔

فی فتح القدیر: و اما علی قیاس قول ابی حنیفةؒ فینبغی ان تشترط الدعوی فی ہلال الفطر وہلال رمضان الخ و علی ہذا فما ذکروا من ان من رأی ہلال رمضان فی الرستاق ولیس ہناك وال ولا قاض فان ثقة یصوم الناس بقوله وفی الفطر ان اخبر عدلان برؤیة الہلال لا بأس بان یفطروا یکون الثبوت فیه بلا دعوی و حکم للضرورة الخ (۲/۲۵۲)

فی الدر المختار ولو کانوا ببلدۃ لا حا کم فیھا صاموا بقول ثقة و افطروا باخبار عدلین مع العلة للضرورة الخ

وفی الشامیة: (قوله: ببلدة) ای او قریة قال: فی السراج: ولو تفرد واحد برؤیته فی قریة لیس فیھا وال و لم یات مصرا لیشھد و ھو ثقة یصومون بقوله الخ .... (قوله: صاموا بقول ثقة) ای افتراضا لقول المصنف فی شرحه: و علیھم ان یصو موا بقوله اذا کان عد لا الخ ط (قوله: وافطروا) عبارة غیره: لاباس ان یفطروا والظاھر ان المراد به الوجوب ایضا.. (قوله: للضرورة) ای ضرورة عدم وجود حا کم یشھد عندہ (۳۸۶۲)

کذا فی البحر الرائق. وفی الحاشیة علی المراقی وفیھا (للضرورة) ای انما فعلوا ذلك استقلالاً للضرورة وھی عد م الحا کم والظاھر ان ذلك یجری فیما اذا کان الحکم بعیدا عنھا (ص۳۵۹)

عصمت اللہ عصمہ اللہ
دارالافتاء دارالعلوم کراچی ۱۴
۲۹/۲/۲۸ھ

ڈیجیٹل تصویریں شرعاً تصویر کے حکم میں ہیں یا نہیں؟

استفتاء

جناب مفتی صاحب جامعہ دار العلوم کراچی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل ٹی وی پر جو علماء آتے ہیں، ان کے ٹی وی پر آنے کا کیا حکم ہے؟ اور ان کے دینی پروگرام دیکھنے کا کیا حکم ہے؟ اور ڈیجیٹل تصویر شرعاً حرام اور ناجائز تصویر میں داخل ہے یا نہیں؟ اور آپ کے نزدیک راجح کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً

الیکٹرانک میڈیا جیسے ٹیلی ویژن وغیرہ کے بارے میں اتنی بات تو واضح ہے کہ بحالاتِ موجود اس پر آنے والے پروگرام معاشرے میں بداخلاقی، بے حیائی، فحاشی، جرائم اور دہشت گردی کو فروغ دے رہے ہیں، اور ایسے پروگرام اوّل تو مشکل ہی سے ملتے ہیں جن میں کوئی نہ کوئی شرعی برائی موجود نہ ہو، دوسرے اگر کوئی شخص ٹیلی ویژن اپنے گھر میں رکھے تو یہ بات تقریباً ناممکن جیسی ہے کہ وہ ان منکرات سے محفوظ رہے، لہٰذا ٹیلی ویژن گھر میں رکھنے سے بحالت مذکورہ اجتناب ہی کرنا چاہئے۔

جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ ٹیلی ویژن یا ڈیجیٹل کیمروں کے ذریعے جو شکلیں نظر آتی ہیں وہ شرعاً تصویر کے حکم میں ہیں یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب ان شکلوں کا پرنٹ لے لیا جائے یا انہیں پائیدار طریقے سے کسی چیز پر نقش کرلیا جائے تو ان پر شرعاً تصویر کے احکام جاری ہوں گے۔

البتہ جب تک ان کا پرنٹ نہ لیا گیا ہو تو یا انہیں پائیدار طریقے سے کسی چیز پر نقش نہ کیا گیا ہو، ان کے بارے میں علماء عصر کی آراء مختلف ہیں۔

① بعض علماء انہیں بھی تصویر کے حکم میں قرار دیتے ہیں۔

② بعض علماء کے نزدیک ان پر تصویر کے احکام کا اطلاق نہیں ہوتا۔

③ بعض علماء کہتے ہیں کہ وہ ان کی رائے میں تصویر تو ہیں، لیکن چونکہ ان کے تصویر کے حکم میں ہونے یا نہ ہونے میں ایک سے زائد فقہی آراء موجود ہیں اس لئے مجتہد فیہ ہونے کی بناء پر بوقتِ حاجتِ شرعیہ، مثلاً جہاد وغیرہ کے موقع پر ان کے استعمال کی گنجائش ہے۔

ہمارے نزدیک اگرچہ دوسری رائے راجح ہے کہ جب تک وہ پائیدار طریقے سے کسی چیز پر نقش نہ ہوں، ان پر تصویر کے احکام کا اطلاق نہیں ہوتا، لیکن ایک لحاظ سے احتیاط پہلی رائے میں ہے جیسا کہ ظاہر ہے اور دوسرے لحاظ سے ہمیں احتیاط دوسری اور تیسری رائے میں معلوم ہوتی ہے، کیونکہ دین اسلام پر دشمنانِ اسلام کی جو یلغار الیکٹرانک میڈیا کے ذریعہ منظم طریقہ سے ہو رہی ہے، اس سے دفاع کرنا بھی امت کی ذمہ داری ہے، جس سے حتی الامکان عہدہ برا ہونے کے لئے الیکٹرانک میڈیا/ ٹیلی ویژن کے ایسے استعمال کو

بروئے کار لانے کی ضرورت ہے جو فواحش و منکرات سے پاک ہو۔

لہٰذا جو حضراتِ علماء کرام مذکورہ بالا تین آراء میں سے کسی سے متفق ہوں اور اس پر عمل کریں وہ سب قابل احترام ہیں اور ان میں سے کوئی بھی ہمارے نزدیک مستحق ملامت نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

محمد تقی عثمانی

مفتی و نائب صدر جامعہ دار العلوم کراچی

”لیز چپس کمپنی“ کے چپس کا حکم

استفتاء

بنام جامعہ دار العلوم کراچی

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

لیز چپس کمپنی، پیپسی کولا انٹر نیشنل نامی امریکی کمپنی کا ذیلی ادارہ ہے جو مختلف اقسام کی چپس تیار کرتا ہے۔ ملٹی نیشنل کمپنی ہونے کے باعث پاکستان میں بھی ان کے کارخانے ہیں۔ اس بات کے واضح ثبوت موجود ہیں کہ لیز کی مصنوعات میں ذائقہ بڑھانے کے لئے جو اجزا ملائے جاتے ہیں، ان میں سور کی چربی کے کچھ جز شامل ہوتے ہیں، فتویٰ کی اس درخواست کے ساتھ یہ ثبوت منسلک ہیں۔

① لیز کی اپنی ویب سائٹ پر یہ وارننگ موجود ہے کہ ان کی کچھ مصنوعات میں سور کے اجزاء شامل ہوسکتے ہیں، کیونکہ جو ادارے انہیں خام مال فراہم کرتے ہیں، وہ سور کے اجزا اپنی پروڈکٹ کی تیاری میں استعمال کرتے ہیں۔ دیکھئے منسلک صفحہ نمبر ا: لیکن وہاں دونوں کے بارے میں لکھا ہوا ہے کہ یہ ویب سائٹ پاکستان سے

متعلق بھی ہیں۔

(۲) لیز نے ''امت'' کو جو دستاویزات دی ہیں، ان کے مطابق پاکستان میں لیز کی مصنوعات تیار کرنے کے لئے ذائقہ بڑھانے والے اجزا تھائی لینڈ کی دو کمپنیوں IFF اور اجینوموتو سے منگوائے جاتے ہیں IFF نے اپنی ویب سائٹ پر اپنی تمام پروڈکٹ کے لئے وارننگ کے طور پر لکھ رکھا ہے، ان کی پروڈکٹ حلال ہیں، مگر اس کی کوئی گارنٹی نہیں کہ یہ حلال ہی ہوں۔ اجینوموتو کا دعویٰ یہ ہے کہ اس کی پروڈکٹ حلال ہیں، مگر جنوری ۲۰۰۱ء میں یہ بات غلط ثابت ہوئی۔ انڈونیشیا میں مذکورہ کمپنی اپنی پروڈکٹ کو حلال کہہ کر فروخت کر رہی تھی، مگر اس کے کارخانے پر پولیس چھاپے سے انکشاف ہوا کہ ذائقہ بڑھانے والے مصنوعات کی تیاری میں سور کے اجزا شامل کئے جا رہے تھے۔ کمپنی کے ڈائریکٹرز گرفتار ہوئے، ان میں تین جاپانی تھے، بعد میں کمپنی نے تحریری طور پر اپنا جھوٹ تسلیم کر کے معافی مانگی، بعد میں اجینوموتو انڈونیشیا میں اپنا کارخانہ بند کر کے ۲۰۰۱ء میں تھائی لینڈ منتقل ہوگئی اور اب یہ کمپنی لیز چپس کو ذائقہ بڑھانے والے اجزا فراہم کرتی ہے۔ انڈونیشیا کے جنوری / فروری ۲۰۰۱ء کے اخبارات میں یہ تفصیل موجود ہے۔ دیکھئے منسلک صفحہ نمبر ۳۔۲

(۳) لیز چپس نے دعویٰ کیا تھا کہ جامعہ اشرفیہ لاہور نے اس کی

مصنوعات کو ۱۰۰ فیصد حلال قرار دیا ہے۔ جامعہ اشرفیہ نے اس دعویٰ کو جھوٹا قرار دیا ہے، اور کہا ہے کہ لیز نے ان کا مشروط فتویٰ بد دیانتی سے استعمال کیا ہے۔ دیکھئے منسلک صفحہ نمبر ۴

④ فوڈ سائنس کے حوالے سے دنیا کی ٹاپ یونیورسٹی ہالینڈ کی Wagehingen University ہے۔ یہ یونیورسٹی غذائی مواد کے بارے میں معلومات فراہم کرتی ہے۔ ذائقہ بڑھانے والے جز E631 کے بارے میں اس نے اپنی ویب سائٹ پر مکمل تفصیل دی ہے، اس تفصیل میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ مذکورہ بالا ذائقہ بڑھانے والا جز گوشت سے بنے یا پودوں سے، مسلمانوں کے لئے حلال یا suitable نہیں ہے۔ دیکھئے منسلک صفحہ نمبر ۵

پاکستان میں غذائی اشیا کو چیک/ٹیسٹ کرنے کے بعد قابل فروخت کا سرٹیفکیٹ دینے والا سرکاری ادارہ پاکستان اسٹینڈرڈ اینڈ کوالٹی کنٹرول اتھارٹی ہے۔ لیز چپس نے اس ادارے سے اپنی مصنوعات منظور کرائیں نہ ہی ٹیسٹ کرائیں۔

درخواست گزار
سعید احمد عباسی
پالیسی ریسرچ سینٹر، روزنامہ امت۔ کراچی
۲۰۰۹ء۔۵۔۱۰

الجواب بعون ملہم الصواب

جواب سے پہلے چند باتیں بطورِ تمہید سمجھ لینا مناسب ہے۔

(الف) گوشت میں اصل حرمت ہے، یعنی اس کا اصل حکم حرام ہونا ہے، اس

لئے جب تک اس بات پر دلیل یا واضح قرینہ قائم نہ ہو جائے کہ یہ گوشت حلال جانور کا ہے اور شرعی طریقہ سے ذبح کر کے حاصل کیا گیا ہے، اس وقت تک اس گوشت کو حرام سمجھا جائے گا۔ جبکہ گوشت کے علاوہ دوسری چیزوں میں اصل حلت اور اباحت ہے یعنی انکا اصل حکم حلال اور مباح ہونا ہے، اس لئے گوشت کے علاوہ کھانے پینے کی دوسری چیزوں کو اس وقت تک حلال اور مباح سمجھا جائے گا جب تک ان میں حرام ہونے پر کوئی دلیل یقینی طور پر قائم نہ ہو جائے، مثلاً روٹی، پانی یا دوسری غذائی اشیاء میں چونکہ حلال ہونا اصل ہے، اس لئے یہ چیزیں خواہ کسی مسلمان سے حاصل ہوں یا کسی کافر سے، کسی مسلم ملک سے درآمد ہوئی ہوں یا غیر مسلم ملک سے، بہر صورت اس وقت تک وہ چیزیں حلال اور پاک سمجھی جائیں گی جب تک ان میں کوئی حرام یا ناپاک چیز شامل ہونے کا کوئی ثبوت یا دلیل یقینی طور پر معلوم نہ ہو جائے، البتہ جب دلیل سے یہ ثابت ہو جائے کہ کسی حلال چیز میں کوئی ناپاک یا حرام چیز شامل کی گئی ہے تو اس وقت وہ حلال چیز حرام اور ناپاک ہو جائے گی۔ لیکن خیال رہے کہ شرعی نقطہ نگاہ سے حرام یا ناپاک ہونے کی دلیل یا ثبوت اس کو کہا جائے گا جس میں اس کے تمام پہلوؤں پر فقہی اعتبار سے تحقیق ہو جانے کے بعد اس کا حرام ہونا یا ناپاک ہونا ثابت ہوا ہو یا اس چیز میں حرام یا ناپاکی نظر آرہی ہو، ورنہ اس کے حرام ہونے کا یقینی حکم نہیں لگایا جا سکتا، کیونکہ کسی حلال چیز کو حرام قرار دینے کے لئے شرعی دلیل اور مستند

ثبوت کے بغیر محض یہ بات کافی نہیں کہ لوگوں کے درمیان اس کا حرام ہونا مشہور ہو جائے، یا اس کی حرمت کے متعلق اخبارات یا جریدوں میں مختلف خبریں یا مضامین شائع ہو جائیں۔

(ب) جن چیزوں میں اصل اباحت اور حلت ہے، ان میں اگر حرام یا ناپاک ہونے کا کوئی شبہ پیدا ہو جائے اور وہ شبہ کسی دلیل سے پیدا ہوا ہے تو اس صورت میں بھی اس شبہ کے نتیجے میں اس مباح چیز کو چھوڑ دینا شرعاً واجب نہیں، بلکہ شبہ سے بچنے کی غرض سے اس کو چھوڑنا مستحب اور تقویٰ کا تقاضا ہے۔ لیکن پیدا ہونے والا شبہ اگر کسی دلیل سے پیدا نہ ہو تو ایسے شبہ کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں، اس لئے اس سے بچنا شرعاً مستحب بھی نہیں ہے، کیونکہ بلا دلیل پیدا ہونے والا شبہ وسوسہ ہے اور وسوسہ کی وجہ سے کسی حلال اور جائز چیز کو ترک کرنے یا کسی دوسرے کو ترک کرنے کا مشورہ دینے یا اس کے متعلق بہت زیادہ کنج کاؤ میں پڑنے کی شرعاً ضرورت نہیں، بلکہ ایسی صورت میں اس تحقیق اور کھود کرید میں لگ جانے میں کہ اس میں کوئی حرام چیز تو شامل نہیں ہو گئی، شرعی احکام میں بلا وجہ تنگی پیدا کرنا ہے جو شرعاً پسندیدہ نہیں، چنانچہ مؤطا امام مالک، سنن کبریٰ، سنن دار قطنی وغیرہ کتب حدیث میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ مذکور ہے کہ آپ ایک جنگل اور بیابان سے گزر رہے تھے، آپ کے ساتھ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بھی تھے، راستے میں وضو کے لئے جب ایک حوض پر آئے تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بغرض تحقیق صاحب حوض سے دریافت

فرمایا کہ کیا تمہارے حوض پر درندے پانی پینے کے لئے آتے ہیں؟

فقال عمرو بن العاص لصاحب الحوض یا
صاحب الحوض هل ترد حوضك السباع؟

اس سے پہلے کہ حوض والا کچھ جواب دیتا، حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا کہ اے حوض والے! ہمیں مت بتانا کہ اس حوض پر درندے آتے ہیں یا نہیں؟

فقال عمر بن الخطاب یا صاحب الحوض لا تخبرنا

(مؤطا امام مالک ص ۱۷، کتاب الطهارة)

وجہ یہی تھی کہ چونکہ پانی میں اصل حلت اور طہارت ہے جس سے اصلاً وضو کرنا جائز ہے، لہٰذا بلاوجہ کھود کرید میں پڑنے کی ضرورت نہیں بلکہ جب تک اس میں کوئی ظاہری ناپاکی یا یقینی طور پر اس کے ناپاک ہونے کا علم نہ ہو جائے، اس وقت تک اصل حلت کی بنیاد پر اس سے وضو غسل وغیرہ جائز ہے۔

(ج) مذکورہ بالا تفصیل کی رو سے کھانے پینے میں استعمال کی جانے والی چیزوں کی تین قسمیں ہوسکتی ہیں: ① گوشت چربی اور حیوانی اجزاء مثلاً کلیجی، پوٹے یا دماغ وغیرہ ② گوشت، چربی وغیرہ کے علاوہ دیگر کھانے پینے کی اشیاء جن میں حیوانی اجزاء مثلاً گوشت یا چربی استعمال کی گئی ہو۔ ③ گوشت، چربی وغیرہ کے علاوہ دیگر کھانے پینے کی اشیاء جن میں حیوانی اجزاء ملانے کے بارے میں علم نہ ہو۔

پہلی قسم کے بارے میں معلوم ہو چکا ہے کہ اس کا تعلق ان چیزوں

سے ہے جن میں اصل حرمت ہے اور جب تک کسی دلیل یا واضح قرینہ سے انکا حلال ہونا معلوم نہ ہو جائے، اس وقت تک انہیں حرام سمجھا جائے گا۔ چونکہ مسلم ممالک میں ذبح ہونے والے گوشت کے حلال اور مشروع ہونے پر ظاہر حال واضح قرینہ ہے، اس لئے اس کو حلال قرار دینے کے لئے تحقیق کی ضرورت نہیں، لیکن غیر مسلم ممالک کے گوشت (یا ایسے شہروں میں پائے جانے والے گوشت جہاں زیادہ تر غیر مشروع گوشت کا رواج ہے) کے بارے میں جب تک یقین یا گمانِ غالب سے معلوم نہ ہو جائے کہ یہ حلال جانور کا گوشت ہے اور شرعی طریقے سے ذبح کئے ہوئے جانور کا گوشت ہے، اس وقت تک اس کو حلال سمجھنا اور کھانا جائز نہیں۔

اور دوسری قسم یعنی گوشت، چربی وغیرہ کے علاوہ دیگر کھانے پینے کی اشیاء جن میں حیوانی اجزاء مثلاً گوشت یا چربی استعمال کی گئی ہو، ان کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ کسی مسلم ملک کی مصنوعات ہوں، اور وہاں پر غیر شرعی طریقے سے ذبح کرنے کا عام رواج بھی نہ ہو تو ایسی صورت میں ان اشیاء کو حلال سمجھا جائے گا اور ہر شخص پر استعمال سے پہلے ان کے متعلق تحقیق کرنا ضروری نہ ہوگا، اور اگر وہ اشیاء کسی غیر مسلم ملک سے درآمد کردہ ہوں تو ایسی صورت میں انکا استعمال اس وقت تک جائز نہ ہوگا جب تک یہ تحقیق نہ ہو جائے کہ ان میں استعمال ہونے والا گوشت وغیرہ صحیح شرعی طریقے سے حاصل کیا گیا ہے۔ خیال رہے کہ گوشت چربی وغیرہ سے بننے والی چیزوں کا مذکورہ حکم اس وقت ہے جب گوشت یا چربی کو ان کی ماہیت تبدیل کئے بغیر ان میں استعمال کیا گیا ہو یا استعمال کے بعد مصنوعات کی تیاری تک کسی بھی مرحلہ میں ان کی ماہیت تبدیل نہ ہوئی ہو۔

جبکہ تیسری قسم کی چیزوں کا حکم بھی اوپر تفصیلاً معلوم ہو چکا ہے کہ حرام ہونے پر کوئی دلیل قائم ہونے سے پہلے تک ان کو حلال ہی سمجھا جائے گا، شبہ کی صورت میں بچنا مستحب اور بہتر ہوگا اور وسوسہ کا شرعاً کچھ اعتبار نہ ہوگا۔

مذکورہ تمہیدی باتوں کے بعد اصل سوال کا جواب ملاحظہ ہو

سوال میں درج شدہ بیان کے مطابق لیز چپس کمپنی، مختلف اقسام کے چپس تیار کرتی ہے، اور یہ کہ لیز کی مصنوعات میں ذائقہ بڑھانے کے لئے جو اجزاء ملائے جاتے ہیں، ان میں سور کی چربی کے کچھ جز شامل ہوتے ہیں، سوال میں ذکر کردہ اس بات کی تائید میں کچھ معلوماتی دستاویزات بھی سوال کے ساتھ منسلک ہیں۔

لہٰذا اگر واقعۃً لیز چپس میں خنزیر کی چربی (یا کسی بھی ناپاک چیز) کے کچھ اجزاء ملائے جاتے ہوں جیسا کہ سوال میں ہے تو اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

(الف) خنزیر کی چربی کو (یا کسی بھی دوسری ناپاک چیز کو) اس کی طبعی حالت میں رکھتے ہوئے پیس کر یا کوٹ کر باریک ذرات میں تبدیل کر کے ذائقہ بڑھانے کی غرض سے ان ذرات کو تیار شدہ لیز چپس میں یا کسی بھی کھانے پینے کی چیز میں ڈال دیا جاتا ہو تو اس صورت میں یہ چپس اور اشیاء جن میں ناپاک ذرات ملائے گئے ہیں ناپاک ہیں اور ان کا کھانا پینا بھی حرام ہے۔

(ب) دوسری صورت یہ ہے کہ خنزیر کی چربی کو (یا کسی بھی دوسری ناپاک چیز

کو) مشینوں کے ذریعہ مختلف کیمیکل میں اس طرح حل کیا جاتا ہو کہ چربی اور ناپاک چیز کی ماہیت اور حقیقت تبدیل ہو جاتی ہو پھر اس تبدیل شدہ چیز کو ذائقہ بڑھانے کی غرض سے حلال چیز سے تیار کردہ چپس میں ڈالدیا جاتا ہو، یا چپس کی تیاری سے پہلے ہی اس کے خام مواد میں خنزیر کی چربی کو (یا کسی بھی دوسری ناپاک چیز کو) پہلے ملادیا جاتا ہو، اس کے بعد چربی یا ناپاک چیز ملی ہوئی ان مواد کو مشینوں میں ڈال کر اس طرح چپس تیار کی جاتی ہو کہ چپس بننے تک مختلف کیمیاوی تبدیلی کی وجہ سے ان کی ماہیت اور حقیقت تبدیل ہو جاتی ہو تو ان دونوں شکلوں میں مذکورہ چپس حلال ہوں گے اور اور انکا استعمال جائز ہوگا۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ اگر تحقیق سے (مثلاً کمپنی کے اقرار سے یا شرعی شہادت سے) لیز چپس کے بارے میں یہ ثابت ہو جائے کہ اس میں خنزیر کی چربی (یا کسی بھی ناپاک چیز) کے کچھ اجزاء ملائے جاتے ہوں اور اس کی تیاری میں پہلی صورت اختیار کی جاتی ہے تو اس کے حرام و ناپاک ہونے میں کوئی شبہ نہیں، لیکن جب تک مذکورہ تفصیل کے مطابق اس کے حرام یا ناپاک ہونے کا علم نہ ہو یا اس کی تیاری میں دوسری صورت اختیار کی جاتی ہو تو اس کو حلال ہی سمجھا جائے گا اور اس کا استعمال بھی جائز ہوگا، تاہم چونکہ سوال کے ساتھ منسلکہ شواہد اگرچہ موجودہ شکل میں شرعاً مستند ثبوت یا دلیل نہیں ہیں، لیکن شبہ پیدا کرنے میں بنیاد بن سکتے ہیں، اس لئے شبہ سے بچنے کی خاطر اگر کوئی اپنے طور پر احتیاط کرنا چاہے تو یہ بہتر اور اولیٰ ہوگا، کیونکہ شبہ سے بچنا مستحب

ہے، جیسا کہ تفصیل تمہید میں گزر چکی ہے، خصوصاً جبکہ چپس کوئی ایسی ضرورت کی چیز بھی نہیں جو ضرورت زندگی میں شامل ہو۔

واضح رہے کہ E.numbers یا E.codes کے بارے میں اب تک جو معلومات ہمیں حاصل ہوئیں، ان کی رو سے یہ ان کوڈز کو کہا جاتا ہے جو کسی بھی مصنوعات میں (اور خاص کر کھانے پینے کی اشیاء میں ذائقہ بڑھانے کے لئے) مختلف نباتاتی اور حیوانی ذرائع سے حاصل ہونے والے اجزاء کو ظاہر کرتے ہیں اور یہ مختلف مصنوعات اور کھانے پینے کی چیزوں کے لیبل پر درج ہوتے ہیں، ان کا استعمال عام طور پر مغربی ممالک میں کثرت سے ہوتا ہے مگر اب ان کا استعمال دوسرے ملکوں میں بھی ہونے لگا ہے بعض ذرائع سے حاصل ہونے والی تفصیلات کے مطابق ان میں تفصیل یہ ہے کہ ان میں سے بعض مکمل حلال اشیاء سے حاصل ہوتے ہیں جیسا کہ E.406 ایک اجزائے ترکیبی ager کا کوڈ ہے جو سمندری نباتات seaweed سے حاصل کیا جاتا ہے، اور بعض E.codes ایسے ہیں جو حلال وحرام دونوں قسم کی اشیاء سے حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ یعنی ان میں یہ بھی امکان ہے کہ انہیں حلال اشیاء سے تیار کیا گیا ہو اور یہ بھی امکان ہے کہ حرام اشیاء سے تیار کیا گیا ہو، جیسا کہ E.570 Fatty Acid کا کوڈ ہے جو کہ حیوانات اور نباتات دونوں سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا کسی چیز کے اندر درج کوڈز کو بنیاد بنا کر کسی چیز کو حتمی طور پر اس وقت تک حرام قرار نہیں دیا جاسکتا جب تک کہ ہر کوڈ کے بارے میں علیحدہ علیحدہ کسی مستند تحقیق سے معلوم نہ ہو جائے کہ اس کوڈ کے تحت آنے والی اشیاء میں سے کس چیز کو استعمال کیا گیا ہے اور اسے کہاں سے حاصل کیا گیا ہے،

اگر کوئی حرام یا ناپاک چیز اس میں استعمال ہوئی ہو تو کیا تیاری مکمل ہونے تک کسی بھی مرحلہ میں اس کی ماہیت اور حقیقت تبدیل ہوئی یا نہیں؟ وغیرہ، بلکہ اس صورت میں حلال وحرام ہونے کا فیصلہ اوپر تمہید میں بیان کردہ تفصیل کو مدنظر رکھتے ہوئے شرعی ضابطہ کے مطابق کیا جائے گا، تاہم اگر کوئی شخص احتیاط کے پیش نظر اپنی ذات کی حد تک ان چیزوں سے اجتناب کرے تو اچھا ہے، جیسا کہ تفصیل اوپر گزری ہے۔ (فی مؤطا مالك، ج۱، ص۵۸)

أن عمر بن الخطاب خرج فی رکب فیهم عمرو بن العاص حتی وردوا حوضا فقال عمرو بن العاص لصاحب الحوض یا صاحب الحوض هل ترد حوضك السباع فقال عمر بن الخطاب یا صاحب الحوض لا تخبرنا فانا نرد علی السباع و ترد علینا، وفی أوجز المسالك: ۲۳۵/۱، فقال له عمر بن خطاب رضي الله عنه (یا صاحب الحوض لا تخبرنا) لأنا لم نكلف بالتفحص، فلو فتحنا هذا الباب علی أنفسنا لوقعنا فی المشقة (وفی فتح القدیر، ج۱، ص۲۰۰) خشبة أصابها بول فاحترقت ووقع رمادها فی بئر یفسد الماء وكذلك رماد العذرة وكذا الحمار إذا مات فی مملحة لا یؤكل الملح وهذا كله قول أبي یوسف رحمه الله خلافا لمحمد رحمه الله لأن الرماد أجزاء تلك النجاسة فتبقی النجاسة من وجه

فالتحقت بالنجس من كل وجه احتياطا انتهى و كثير من المشايخ اختاروا قول محمد رحمه الله وهو المختار لأن الشرع رتب وصف النجاسة على تلك الحقيقة وتنتفي الحقيقة بانتفاء بعض أجزاء مفهومها فكيف بالكل فإن العظم و اللحم فإذا صار ملحا ترتب حكم الملح ونظيره في الشرع النطفة نجسة وتصير علقة وهي نجسة وتصير مضغة فتطهر والعصير طاهر فيصير خمراً فينجس الرجعة خلا فيطهر فعرفنا أن استحالة العين تستتبع زوال الوصف المرتب عليها وعلى قول محمد رحمه الله فرعوا الحكم بطهارة صابون صنع من زيت نجس۔

وفي البحر الرائق ج:۱، ص۲۳۹

والسابع انقلاب العين فإن كان في الخمر فلا خلاف في الطهارة وإن كان في غيره كالخنزير والميتة تقع في المملحة فتصير ملحا يؤكل والسرقين والعذرة تحترق فتصير رمادا تطهر عند محمد......... في المحيط و كثير من المشائخ اختاروا قول محمد وفي الخلاصة وعليه الفتوى وفي فتح القدير أنه المختار لأن الشرع رتب

وصف النجاسة على تلك الحقيقة وتلتفي الحقيقة بانتفاء بعض أجزاء مفهومها فكيف بالكل فإن العظم واللحم فإذا صار ملحا ترتب حكم الملح ونظيره في الشرع النطفة نجسة وتصير علقة وهي نجسة وتصير مضغة فتطهر والعصير طاهر فيصير خمرا فينجس الرجعة خلا فيطهر فعرفنا أن استحالة العين تستتبع زوال الوصف المرتب عليها وعلى قول محمد فرعوا الحكم بطهارة صابون صنع من زيت نجس اه وفي المجتبى جعل الدهن النجس في صابون يفتى بطهارته لأنه تغير والتغيير يطهر عند محمد ويفتى به للبلوى. والله اعلم بالصواب

احقر شاہ محمد تفضل علی

دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی

۵/ ۷/ ۱۴۱۳ھ

خواتین کا تبلیغ کے لئے نکلنا

استفتاء

سوال: خواتین کے لئے تبلیغی جماعت میں جانا جائز ہے یا نہیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب حامداً ومصلیاً

خواتین کے لئے اصل حکم تو یہ ہے کہ وہ اپنے گھروں میں رہیں اور بلا ضرورت شدیدہ گھروں سے باہر نہ نکلیں، کیونکہ عورتوں کے باہر نکلنے میں فتنہ کا اندیشہ ہے، اس لئے حضرات فقہاء کرام نے بلا ضرورت عورتوں کو گھروں سے نکلنے سے منع فرمایا ہے، البتہ اگر ضروریات دین مثلاً نماز روزہ وغیرہ کے مسائل گھر میں معلوم نہ ہوسکیں تو اس کے لئے عورت حدود شرعیہ میں رہتے ہوئے باہر نکل سکتی ہے۔ (کما فی الطحطاوی)

لیکن عورتوں کے لئے باہر نکل کر تبلیغ کرنا کچھ ضروری نہیں، البتہ آج کل چونکہ فتنہ کا دور ہے اور بے دینی تیزی سے بڑھ رہی ہے، خاص طور پر عورتوں میں بے دینی بہت ہوگئی ہے، اس لئے اگر عورتیں مندرجہ ذیل شرائط کی پابندی کرتے ہوئے کبھی کبھی تبلیغ کے لئے چلی جایا کریں تو اس کی گنجائش ہے لیکن اگر وہ ان شرائط کی رعایت نہ رکھیں تو ان کا تبلیغ میں نکلنا بھی جائز نہیں۔

وہ شرائط درج ذیل ہیں:

① سرپرست یا شوہر کی اجازت ہو۔
② محرم یا شوہر کے ساتھ ہو۔
③ مکمل شرعی پردہ ہو۔
④ زینت یا بناؤ سنگھار کر کے یا خوشبو لگا کر نہ نکلیں۔
⑤ عورتیں جس گھر میں ٹھہریں وہاں پردے کا مکمل انتظام ہو اور مردوں کا کوئی عمل دخل نہ ہو۔
⑥ دوران تعلیم عورتوں کی آواز غیر محرم نہ سنے۔
⑦ اولاد اور متعلقین کے حقوق پامال نہ ہوں۔
⑧ عورتوں پر عمومی تبلیغ کو فرض نہ قرار دیا جائے۔
⑨ جو دیندار عورتیں گھر میں رہیں انہیں کمتر اور دین سے محروم نہ سمجھا جائے۔
⑩ تعلیم میں غیر تحقیقی اور غیر شرعی باتیں بیان نہ کی جائیں۔
⑪ کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔

وفی الطحطاوی ۲/ ۲۶۸: تحت قول الدر "ومن مجلس العلم إلا لنازلة قال فی البحر:

فإذا أرادت أن تخرج إلی مجلس العلم بغیر رضی الزوج لیس لها ذلك فإذا وقعت لها نازلة ان سأل الزوج من العالم وأخبرها بذلك لا یسعها الخروج من غیر رضی الزوج وإن لم تقع

لها نازلة ولكن أرادت أن تخرج إلى مجلس العلم لتتعلم مسئلة من مسائل الوضوء والصلوة إن كان الزوج يحفظ المسائل ويذكرها عندها فله أن يمنعها وإن كان لا يحفظ فالأولى أن يأذن لها أحيانا وإن لم يأذن فلا شيء عليه ولا يسعها الخروج ما لم تقع لها نازلة والله سبحانه أعلم۔۔

بندہ عبدالرؤف سکھروی

دارالافتاء دارالعلوم کراچی ۱۴

۲۷-۵-۱۴۱۹ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فرائض کے بعد کی اجتماعی دعا

کا ثبوت اور درجہ

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ:

① کیا فرض نماز کے بعد امام کا اجتماعی طور پر دعا کرنا اور مقتدیوں کا آمین کہنا کیا حدیث وسنت سے ثابت ہے، اگر ثابت ہے تو حوالہ تحریر فرمائیے، اور اگر ثابت نہیں تو کیا اسے بدعت کہنا صحیح ہوگا جیسا کہ بعض حضرات کہتے ہیں (خصوصاً سعودی عرب میں)

② نماز کے علاوہ دیگر کسی اہم مواقع پر مثلاً میت کے لئے یا درسِ قرآن و حدیث یا وعظ وتبلیغ کے موقع پر اجتماعی طور پر دعا کرنا صحیح ہے یا یہ بھی بدعت ہے، جیسا کہ ایک عالم حکیم محمود دیوبندی صاحب نے اپنی ایک ضخیم کتاب میں لکھا ہے اور کوئٹہ (ژوب) سے شائع کیا ہے۔

③ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ "النفائس المرغوبہ فی حکم الدعاء بعد المکتوبۃ" (مکتبہ تھانوی) میں مولانا عبدالحئی رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ کا حوالہ ہے، اس میں ایک حدیث لکھی ہے کہ "ایک صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے فجر کی نماز پڑھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا اور

ہماری طرف مڑ گئے، پھر ہاتھ اٹھایا اور دعا کی"۔

(مصنف عبد الرزاق)

لیکن ایک صاحب نے مجھے جدہ میں یہ کتاب طبع شدہ دکھائی جسے دار السلفیہ والوں نے چھاپا ہے، اس میں حدیث کا آخری ٹکڑا یعنی "ثم رفع یدیہ و دعا" نہیں ہے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ صحیح حدیث کیا ہے اور یہ اختلاف کیوں ہے؟

المستفتی

نیاز مند، صبا حسین

الجواب حامداً و مصلیاً

① فرض نمازوں کے بعد اجتماعی طور پر دعا کرنے کا جو طریقہ رائج ہے، یہ درست ہے، اس کو بدعت کہنا صحیح نہیں، محققین علماء اور فقہاء دار العلوم دیوبند کی یہی تحقیق ہے، اسی پر اُن کا عمل ہے، اس موضوع پر ان حضرات کے مدلّل فتاویٰ اور تحقیقی رسائل موجود ہیں مثلاً حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا ایک رسالہ "استحباب الدعوات عقیب الصلوٰۃ" ہے اور ایک رسالہ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کا "النفائس المرغوبۃ فی حکم الدعاء بعد المکتوبۃ" ہے۔

ان تمام اکابر فقہاء کرام رحمہم اللہ نے احادیث طیبہ اور چاروں اماموں کی معتبر کتابوں کے حوالوں سے فرائض کے بعد کی جانے والی دعا کو نہ صرف جائز بلکہ سنت و مستحب قرار دیا ہے۔

اور ان اکابر رحمہم اللہ نے ان رسائل میں ایسی واضح واضح احادیث طیبہ جمع فرمائی ہیں، جن سے امام، مقتدی اور منفرد سب کے واسطے فرض نماز کے بعد

دعا کا سنت ہونا ثابت ہوتا ہے اور جب ان سب کے لئے یہ دعا سنت ہے تو فرائض کے بعد امام اور مقتدی جب اس سنت پر عمل کرتے ہوئے دعا کریں گے تو ضمناً خود بخود اجتماع ہو جائے گا، لیکن یہ اجتماع ایک ضمنی چیز ہے اور جائز ہے، اس کے لئے الگ سے صریح اور مستقل ثبوت کا طالب ہونا اور ثبوت نہ ملنے پر اس کو بدعت قرار دینا درست نہیں، بلکہ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی رحمہ اللہ نے فرائض کے بعد ہونے والی اجتماعی دعا کے بارے میں ایک رسالہ تحریر کیا ہے جس کا نام "التحفة المرغوبة فی افضلیة الدعاء بعد المکتوبة" ہے، اس میں مخدوم صاحب رحمہ اللہ نے اس اجتماعی دعا کے بدعت قرار دینے والوں کو مفصّل جواب دیا ہے۔

چنانچہ اس رسالہ کا اقتباس ملاحظہ ہو:۔

قلت فثبت بجمیع ما ذکرنا فی ھٰذین الفصلین من الأحادیث النبویة والروایات الفقھیة ان الدّعاء بعد المکتوبة سنة فان قیل قد ذکر الشیخ عبد الحق الدھلوی رحمہ اللہ فی شرحه علی الصراط المستقیم ما لفظه. اما این دعا که آئمه مساجد بعد از سلام نماز میکنند و مقتدیان. آمین آمین میگویند چنانکه الان در دیار عرب و عجم متعارف ست از عادت پیغمبر ﷺ نبود و درین باب هیچ حدیثی ثابت نشده و بدعتی است مستحسن اھ فما الجواب عنه؛ قلت الجواب عنه علی وجوہ: الوجه الأوّل أنه قال العلامة فتح محمد بن الشیخ عیسیٰ الشیطاری صاحب مفتاح الصلاة فی کتابة المسمی بفتوح الأوراد ما حاصله

ان الشيخ عبد الحق انما حكم بكونه بدعة لانه لم يطلع على الأحاديث المرويه في الصحاح الستة وغيرها الواردة في الأدعية الماثورة بعد الصلاة انتهى.

ولهذا قال "درين باب هيچ حديثى وارد نشده"

الوجه الثاني: أنه اى الشيخ عبد الحق ان اراد ان اصل الدعاء بعد الصلاة بدعة فلا ريب ان قوله غير صحيح لكونه مردوداً بجميع ما ذكرنا في هذين الفصلين من الأحاديث النبوية والروايات الفقهية الدالة على سنية الدعاء بعد المكتوبة.

الوجه الثالث أنه اى الشيخ عبد الحق ان أراد ان الدعاء بعد الصلاة بهذه الكيفية المخصوصة من رفع اليدين وقول آمين آمين من المقتدين بدعة فهو غير صحيح أيضا لان رفع اليدين من سنن الدعاء أيضا وقول آمين آمين من السامعين من سنن الدعاء أيضا وان كانت هذه الامور سنناً مستحبة لامؤكدة والأمر المركب من السنن المأثورة لايصح القول بكونه بدعة أما كونه رفع اليدين سنة الدعاء فثابت بالاحاديث النبوية و الروايات الفقهية أما الأحاديث فمنها ما أخرجه أبو داؤد عن خلاد بن السائب عن أبيه أو عن السائب بن يزيد عن أبيه قال كان رسول الله ﷺ اذا دعا رفع يديه و مسح وجه بيديه. (رواه الطبراني في معجمه الكبير)

وأما كون مسح الوجه باليدين بعد الفراغ من الدعاء سنة الدعاء فثابت ايضاً بالأحاديث والروايات الفقهية
أما الأحاديث فمنها ماقدمنا أنفا فى احاديث رفع اليدين من رواية أبي داؤدو الطبرانى.

ومنها ما أخرجه الترمذى عن عمر بن الخطاب ﷺ قال كان رسول الله ﷺ اذا رفع يديه فى الدعاء لم يردّها حتى يمسح بهما وجهه.

ومنها ما أخرجه ابن ماجه عن ابن عباس رضى الله عنهما قال قال رسول الله ﷺ اذا فرغت من الدّعاء فامسح بيديك وجهك.

وأما الروايات الفقهية: فهى اكثر من ان تحصى قد ذكرنا فى هذه الرسالة سابقا ولاحقا شئيا منها نقلا عن نور الايضاح وشرحه امداد الفتاح ومواهب الرحمن وشرحه البرهان والعقائد السنية ومنهج العمال وغيرهما.

وأما كون قول المقتدين آمين آمين سنة الدعاء فثابت ايضا بالاحاديث والروايات الفقهية.

أما الاحاديث: فمنها ما قال الجزرى فى حصنه أن من آداب الدعاء تأمين المستمع. رواه البخارى ومسلم وابوداؤد والنسائى.

ومن آدابه مسح وجهه بيديه بعد فراغ الدعاء رواه أبو داؤدو الترمذى وابن ماجه وابن حبان فى صحيحه والحاكم فى مستدركه.

ومنها ان الله سبحانه وتعالیٰ لمّا أمر موسیٰ وهارون عليهما السلام بالدعا جعل موسیٰ يدعو وجعل هارون يقول آمين، آمين فاجاب الله تعالیٰ دعائهما كما بينه الله تعالیٰ في القرآن العظيم يقول: قال قد أجيبت دعوتكما. كما في كتب التفاسير.

وأما الروايات الفقهية: فمنها ما ذكرنا سابقا عن نور الايضاح وشرحه امداد الفتاح وغيرهما ومنها غير ذلك.

خلاصہ یہ کہ فرائض کے بعد اجتماعی دعا کے تمام اجزاء یعنی نفسِ دعا اور دونوں ہاتھ اٹھانا، آمین کہنا اور ختم دعا پر دونوں ہاتھ چہرہ پر پھیرنا، سب احادیث طیبہ سے ثابت ہے لہٰذا اس کے مجموعہ کو بدعت کہنا درست نہیں ہے۔

البتہ یہ دعا آہستہ اور چپکے چپکے مانگنا افضل ہے، کیونکہ قرآن وسنت میں اس کی زیادہ ترغیب دی گئی ہے اور اگر کبھی کبھی امام بلند آواز سے دعا کرے اور مقتدی اس پر آمین کہیں تو تعلیماً یہ بھی جائز ہے لیکن واضح رہے کہ فرائض کے بعد کی مذکورہ دعا کا درجہ تفصیلِ بالا کی روشنی میں بہت سے بہت سنت ومستحب ہے، لہٰذا اس دعا کو اس کے اسی درجہ میں رکھتے ہوئے کرنا چاہئے۔

بعض لوگ اس دعا کو فرض وواجب کی طرح ضروری سمجھتے ہیں اور اسی درجہ میں اس پر عمل کرتے ہیں سو یہ واجب الترک ہے، اسی طرح بعض لوگ اس کا التزام کرتے ہیں کہ امام اور مقتدی سب مل کر ہی دعا کریں، ابتداء بھی ساتھ ہو اور انتہا بھی ساتھ ہو جیسا کہ بعض مساجد میں دیکھا جاتا ہے کہ امام کی دعا کے شروع میں مؤذن زور سے الحمد للہ رب العالمین پڑھتا ہے اور جب امام دعا ختم کرتا ہے تو برحمتك يا أرحم الراحمين، پکار کر کہتا ہے، اس کو ترک کرنا ضروری ہے کیونکہ

اس التزام کا نتیجہ یہ ہے کہ مقتدی حضرات امام کی دعا کا انتظار کرتے رہتے ہیں، کوئی مقتدی امام کی دعا سے پہلے اپنی دعا نہیں کرسکتا، ورنہ لوگ اس پر طعن کرتے ہیں اور اس کے اس عمل کو معیوب سمجھتے ہیں حالانکہ اوپر لکھا جاچکا ہے کہ اس دعا میں اجتماع اصل مقصود نہیں بلکہ وہ ایک ضمنی چیز ہے، لہٰذا تابع کو اصل دعا کے درجہ سے آگے بڑھانا بھی درست نہیں، جتنی دیر چاہے امام دعا کرے اور جتنی دیر چاہے مقتدی دعا مانگے، دونوں ایک دوسرے کے تابع نہیں ہیں، مقتدی کو اختیار ہے کہ اپنی مختصر دعا مانگ کر چلا جائے اور چاہے امام کے ساتھ دعا ختم کرے اور چاہے امام کی دعا سے زیادہ دیر تک دعا کرتا رہے، ہر طرح جائز ہے اور ہر طرح فرائض کے بعد کی یہ سنت ادا ہو جاتی ہے۔

(۲) درسِ قرآن یا درسِ حدیث یا وعظ و تبلیغ کے موقع پر اجتماعی طور پر دعا کرنا بلاشبہ جائز ہے اور حدیث ذیل اور صحابی کے عمل سے ایسی اجتماعی دعا کرنا صراحت کے ساتھ ثابت ہے اور تعامل امت بھی اس کے جائز ہونے کی مستقل دلیل ہے، لہٰذا اس کو بدعت قرار دینا درست نہیں ہے۔

مجمع الزوائد میں ایک مستقل باب اس موضوع سے متعلق ہے، ذیل میں اس کو نقل کیا جاتا ہے، ملاحظہ ہو:۔

باب التأمین علی الدعاء: عن أبي هبيرة عن حبيب بن مسلمة الفهري وكان مستجابا انه امر على جيش فدرب الدروب فلما لقي العدو قال للناس، سمعت رسول الله ﷺ يقول لا يجتمع ملأ فيدعوا بعضهم ويؤمن سائرهم الا أجابهم الله ثم انه حمد الله واثنى عليه وقال اللهم احقن دمائنا واجعل اجورنا اجور الشهداء

فبيناهم على ذلك اذ نزل الهبناط أمير العدو فدخل على حبيب سرادقه. رواه الطبراني وقال الهبناط بالرومية صاحب الجيش ورجاله رجال الصحيح غير ابن لهيعة وهو حسن الحديث. (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد للهيثمي ج:۱۰/۱۷۰)

اور مسلم شریف کی حدیث ذیل بھی اجتماعی ذکر کے بعد اجتماعی دعاء و استغفار کے بارے میں ہے:۔

وفى رواية مسلم قال ان الله ملائكة سيّارة فضلا يبتغون مجالس الذكر فاذا وجدوا مجلسا فيه ذكر قعدوا معهم وحف بعضهم بعضا باجنحتهم حتى يملؤا ما بينهم وبين السماء الدنيا فاذا تفرقوا عرجوا صعدوا الى السمآء قال فيسألهم الله وهو أعلم من أين جئتم فيقولون جئنا من عند عبادك فى الارض يسبحونك ويكبرونك ويهللونك ويحمدونك ويسئلونك قال وماذا يسئالونى قالوا يسئلونك جنتك قال وهل رأوجنتى قالوا لا اى رب قال وكيف لو رأوجنتى قالوا يستجيرونك قال ومما يستجيرونى قالوا من نارك قال وهل رأوانارى قالوا لا قال فكيف لو رأوانارى قالوا يستغفرونك قال فيقول قد غفرت لهم فاعطيتهم ما سألوا وأجرتهم مما استجاروا قال يقولون رب فيهم فلان عبد خطأ وانما مرّ فجلس معهم قال فيقول وله غفرت هم القوم لا يشقى بهم جليسهم (مشكوة ج:۱ ص:۱۹۸)

۴ حدیث مذکور میں یہ حصہ "فلما سلم انحرف ورفع یدیه و دعا" کے بارے میں جامعہ دار العلوم کراچی کے درجہ تخصص فی الفقہ کے فاضل مولوی عبد المالک سلمہ نے تحقیق کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث میں "رفع یدیه و دعا" کے الفاظ ثابت نہیں ہیں، ذیل میں ان کی تحقیق نقل کرتا ہوں:۔

عن الأسود العامری عن ابیه قال: صلیت مع رسول الله ﷺ فلما سلم انحرف رفع یدیه ودعا.

کذا هذا الحدیث العلامة محمد بن الزبید فی رسالته سنیة رفع الیدین فی الدعاء بعد الصلوات المکتوبة لمن شاء ص:۲۰۲، المطبوعة فی آخر "المعجم الصغیر" لطبرانی معزیا لمصنف ابن ابی شیبة وتبعه فی مسلك السادات الی سبیل الدعوات وتلخیصه المطبوع فی اخر الجزء الاول من امداد الفتاویٰ ونقل الحدیث کذالك العلامة البنوری فی معارف السنن، ج:۳، ص۱۲۲، والعلامة العثمانی فی اعلاء السنن اعتمادا علی ابن الزبیدی وغیره ولکن الحدیث مذکور فی الموضعین من مصنف ابی ابی شیبة.

الأوّل: کتاب الصلوٰة: باب من کان یستحب اذا سلم أن یقوم أو ینحرف.

الثانی: کتاب الرد علی ابن أبی حنیفة لیس فی أحد الموضعین زیادة "رفع یدیه ودعا" وانما الحدیث الی قوله "فلما سلم انحرف" راجع المصنف لابن أبی شیبة ج۱

:۳۰۲، من طبعة ادارة القرآن و ج:۱، ص۳۰۲، من طبعة الدار السلفية طبعة ادارة القرآن، و ج:۱۳، ص:۱۸۶، من طبعة الدار السلفية بومبائی.

وأخرج هذا الحديث الامام أبو داؤد فی سننه، ج:۱، ص۱۶۷ كتاب الصلوة، أبواب الامامة باب الامام ينحرف بعد التسليم، والترمذی فی جامع، ج:۱، ص:۲۲۷، أبواب الصلوة، باب ما جاء فی الجماعة فی مسجد قد صلی فيه، والنسائی فی السنن الكبری، ج:۱، ص:۳۹۶، باب الانحراف بعد التسليم، وفی المجتبیٰ أيضا، ج:۳، ص:۶۷، كتاب الصلوة، باب الانحراف بعد التسليم ومن طريقة ابن حزم فی المحلی، ج:۴، ص:۲۶۱، كلهم من طريق جابر بن يزيد بن الأسود عن أبيه يزيد بن الاسود العامری ﷺ وليس فی حديث أحد منهم زيادة "ورفع يديه ودعا" وبهذا ظهر ان الخطأ فی نقل الحديث فی موضعين الاوّل فی قولهم: ان الحديث لأبی الاسود العامری، والصواب

انه ليزيد بن الاسود العامری، والثانی فی زيادة هم جملة "رفع يديه ودعا" والصواب حذفها، والله عزوجل أعلم بالصواب انتهی۔

البتہ حضرت امام طبرانی رحمہ اللہ نے المعجم الکبیر میں اور علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے مجمع الزوائد (۱۰/ ۱۶۹) میں اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اپنا رسالہ "فیض الوعاء فی أحادیث رفع الیدین فی الدعاء" میں (ص:۸۶)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی درج ذیل روایت ذکر فرمائی ہے۔

۴۲. عن محمد بن يحيى الأسلمي قال: رأيت عبد الله بن الزبير ورأى رجلا رافعا يديه يدعو قبل ان يفرغ من صلاته فلما فرغ منها قال: "ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يكن يرفع يديه حتى يفرغ من صلاته" رجاله ثقات.

قال الهيثمي في مجمع الزوائد (۱۰/۱۶۹) رواه الطبراني وترجم له فقال محمد بن ابي يحيى الأسلمي عن عبد الله بن الزبير، ورجاله ثقات (فض الوعاص: ۸۶)

ترجمہ: حضرت محمد بن یحییٰ اسلمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور انہوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ہی ہاتھ اٹھائے دعا کر رہا ہے، جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تک نماز سے فارغ نہ ہوتے تھے اس وقت تک (دعا کے لئے) ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے (لہٰذا تم بھی ایسا ہی کیا کرو)

اس حدیث کے تمام راوی ثقہ اور معتبر ہیں اور یہ حدیث صحیح ہے اور فرض نماز کے بعد کی جانے والی دعا میں ہاتھ اٹھانے پر واضح طور پر دلالت کر رہی ہے نیز مطلق دعا میں ہاتھ اٹھانا صحیح احادیث سے بھی ثابت ہے اور اس کلیہ میں فرائض کے بعد کی دعا بھی شامل ہے اس لئے فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا بلاشبہ درست ہے۔ واللہ علم

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين ○

زکوٰۃ کی تملیک کا بے غبار طریقہ

استفتاء

ہمارے سورت کی تمام کی تمام اراضی عشری ہیں، جن کی پیداوار سے سابق حکمرانِ سورت عشر وصول کیا کرتا تھا، اختتامِ ریاست کے بعد حکومتِ پاکستان کی طرف سے وصولِ عشر کا نظام نہ رہنے کے بعد علاقے میں علم پسند مسلمانوں کا خیال یہ ہے کہ ایک دیانتدار تنظیم ایسی ہو جو عشر وصول کر کے علومِ دینیہ کی ترویج و تعلیم کا نظم کرے، حضرت والا سے یہ دریافت کرنا ہے کہ کون سی سبیل ہو سکتی ہے جس سے عشر دزکوٰۃ کی تملیک و مصرف وغیرہ تمام باتیں شرعی طور پر ہو جائیں، پھر اس سے مدرسہ کی عمارت، مدرسین کی تنخواہ و دیگر اخراجات کا انتظام ہو سکے، عشر دینے والے اس طرح ہمیشہ عشر مستقل طور پر اس مقصد کے لیے دینے کو تیار ہیں۔

اس سلسلے میں شامی کے اس فرمانے سے کہ:

وقد منا ان یتصدق علی الفقیر ثم یأمرہ بفعل ھذہ الاشیاء

کے علاوہ کوئی وسیع مخصص تحریر فرمائیں، پھر مشکل یہ ہے کہ ایک فقیر کو زیادہ مقدار کی تملیک کا چکر بھی مشکل ہے، بہر حال! کچھ مختصر اور انفع صورت درکار ہے۔ والسلام

الجواب حامداً و مصلیاً

علامہ شامیؒ نے جو حیلہ تملیک لکھا ہے وہ عادۃً صحیح نہیں ہوتا، کیونکہ

ایسی صورت میں عموماً وہ فقیر بھی یقین سے جانتا ہے کہ مجھے دینا مقصود نہیں، اور خود دینے والے کا مقصد بھی اس فقیر کو دینے کا نہیں ہوتا، اس لیے یہ محض ایک مصنوعی کارروائی بن جاتی ہے، اس لیے سیدی حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے یہ طریقہ تجویز فرمایا کہ جس قدر رقم کی تملیک کرانا ہو، کسی فقیر مصرفِ زکوٰۃ سے کہا جائے کہ تم اتنی رقم کسی سے قرض لے کر مدرسہ کے لیے بطورِ چندہ دیدو، تمہیں ثواب ملے گا، پھر ہم یہ تمہارا قرض مدز کوٰۃ سے تمہیں رقم دے کر ادا کروادیں گے، اس میں تملیک بے غبار ہو جاتی ہے اور ایک تیسرا طریقہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مدرسہ میں جتنے طلباء مصرفِ زکوٰۃ موجود ہوں ان سے مہتمم مدرسہ ایک وکالت نامہ لکھوائے کہ ہم مہتمم مدرسہ کو عشر وصول کرنے کے لیے اپنا وکیل بناتے ہیں اور ان کو اختیار دیتے ہیں کہ جو رقم عشر کی وصول ہو، اس سے ساری ضروریات روز مرہ طعام وغیرہ بھی پوری کریں اور تعلیمی وتعمیری ضروریات پر بھی خرچ کریں، ہر سال آنے والے طلباء سے ایسا وکالت نامہ لکھوالیا جائے تو پھر حاصل شدہ رقم حسب اجازتِ طلباء مدرسہ کی تنخواہوں اور تعمیر وغیرہ میں بھی خرچ ہوسکتی ہے۔

واللہ اعلم

بندہ محمد شفیع

دارالافتاء دارالعلوم کراچی ۱۴

۱۹-۱۰-۱۳۹۴ھ

مسئلہ خضاب

مصدقہ: حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب مدظلہم

استفتاء

① مردوں کو اپنے سر اور ڈاڑھی کے بالوں میں خضاب لگانا جائز ہے یا نہیں؟ اس کا مفصل اور مدلل جواب دیجئے۔

② خضاب لگانے کے مسئلہ میں مرد اور عورت میں حکم کے لحاظ سے کوئی فرق ہے یا نہیں یا دونوں کا حکم برابر ہے؟

المستفتی

عبدالرحیم کورنگی

الجواب حامداً و مصلّیاً

خضاب کے مسئلہ کا خلاصہ یہ ہے

① سیاہ رنگ کے سوا دوسرے رنگوں کا خضاب علماء مجتہدین رحمہم اللہ کے نزدیک جائز بلکہ مستحب ہے۔

② سرخ خضاب خالص مہندی کا کچھ سیاہی مائل جس میں کتم شامل ہو، مسنون ہے۔

③ خالص سیاہ خضاب میں درج ذیل تین صورتیں ہیں:

الف: مجاہد و غازی بوقت جہاد لگائے تا کہ دشمن پر رعب ظاہر ہو، یہ باجماع ائمہ و باتفاق مشائخ جائز ہے۔

ب: کسی کو دھوکہ دینے کے لیے سیاہ خضاب کریں، جیسے مرد عورت کو یا عورت مرد کو دھوکہ دینے اور اپنے آپ کو جوان ظاہر کرنے کے لیے سیاہ خضاب لگائے، یا کوئی ملازم اپنے آقا کو دھوکہ دینے کے لیے اس طرح کرے، یہ باتفاق ناجائز ہے۔

ج: صرف زینت کی غرض سے خالص سیاہ خضاب لگائے، تا کہ اپنی بی بی کو خوش کرے، اس میں اختلاف ہے، جمہور ائمہ و مشائخ رحمہم اللہ اس کو مکروہ فرماتے ہیں، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور بعض دیگر مشائخ جائز قرار دیتے ہیں، احادیث میں ممانعت اور سخت وعید کے پیش نظر فتویٰ اسی پر ہے کہ یہ صورت مکروہ ہے۔

(مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: کتاب جواہر الفقہ، ۲: ۳۴۷)

عن جابر بن عبد الله قال: اتی بابی قحافة یوم فتح مكة ورأسه ولحيته كالثغامة بياضاً. فقال رسول الله ﷺ: غيّروا هذا بشئ واجتنبوا السواد.

(مسلم شریف کتاب اللباس والزینة)

وعن ابی هريرة ان النبی ﷺ قال: ان اليهود والنصاری لا يصبغون فخالفوهم.

(مسلم شریف کتاب اللباس والزینة)

وفی تكملة فتح الملهم: وقد ثبت فی غير حديث

ان رسول اللہ ﷺ کان یخضب بالحناء (۴:۱۴۸)

وفیہ: ان الخضاب بالسواد یختلف حکمہ باختلاف الأغراض علی الشکل التالی:

الأول: ان یکون الخضاب با السواد من الغزاۃ لیکون الترھیب فی عین العدو، و ھذا جائز بالاتفاق۔

والثانی: ان یفعلہ الرجل للغش والخداع ولیری شابا ولیس بشاب، فھذا ممنوع بالاتفاق

والثالث: ان یفعلہ للزینۃ، وھذا فیہ اختلاف، فاکثر العلماء علی کراھتہ تحریماً اھ (۴:۱۵۰)

۲ عورت اگر زینت کے لیے اور شوہر کو خوش کرنے کے لیے خالص سیاہ خضاب لگائے تو اس کی گنجائش ہے۔

فی تکملۃ فتح الملھم: اما خضاب المرأۃ لتتزین لزوجھا فقد اجازہ قتادہ...... و کذلک اجازہ اسحاق فیما حکی عنہ ابن قدامۃ فی المغنی (۱:۱۷۶ھ)

واللہ تعالیٰ اعلم

عصمت اللہ عصمہ اللہ

دارالافتاء دارالعلوم کراچی ۱۴

۷-۳-۱۴۲۱ھ

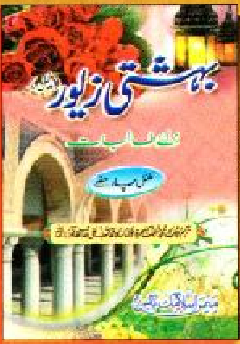

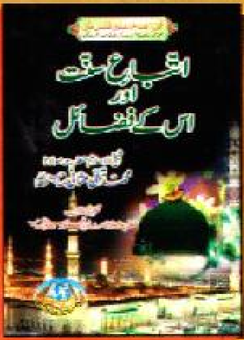

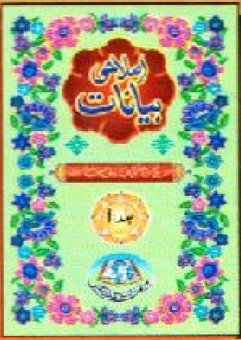

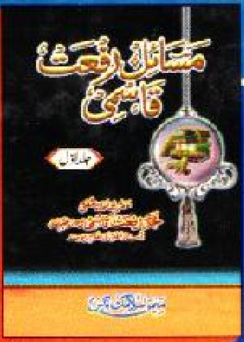

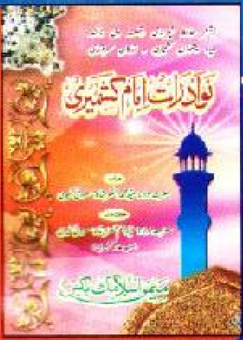

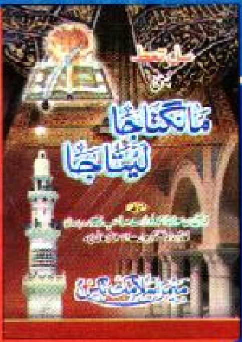

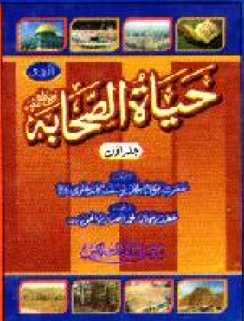

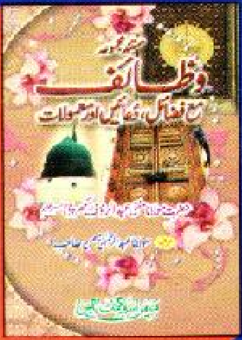

استاکسٹ

میمن بک سیلرز

دکان نمبر 29، نایاب جامع مسجد، ڈاکخانہ، لیاقت آباد، کراچی۔

موبائل: 0323-2751695, 0322-2527212